نصرتی

ملک الشعرائے بیجاپور کے حالات و کلام پر تبصرہ

مؤلفہ

مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو ہند، اردو گھر، نئی دہلی

نُصرتی

نصرتی

ملک الشعراے بیجاپور کے حالات و کلام پر تبصرہ

مولفہ

مولوی عبدالحق

انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (ہند) ۵۳۱

سنہ اشاعت: ———— ۱۹۸۸ء

باہتمام: ———— شمیم جہاں
سرورق: ———— عبدالباری ثاقب
طباعت: ———— ثمر آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی

— پتے —

انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، راؤز ایونیو
نئی دہلی

انجمن ترقی اردو بکڈپو،
سلطان جہاں منزل
شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ (یو۔پی)

نصرتی

فہرستِ مضامین

نصرتی کا حسب و نسب

اور حالاتِ زندگی

عادل شاہی حکومت

عادل شاہی حکومت دکن کی ان یادگارِ زمانہ حکومتوں میں سے ہے جسے تاریخ کبھی نہیں بھلا سکتی۔ بہمنی سلطنت کے ضعف و زوال پر یوسف عادل شاہ نے بیجاپور میں اپنی خود مختار حکومت قائم کرلی (۸۹۵ھ ۱۴۸۹-۹۰ء) جس کی حدودِ مغرب ساحلِ گوا تک پہنچتی تھیں۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا اسمٰعیل عادل شاہ تخت پر بیٹھا (۹۱۶ھ/۱۱-۱۵۱۰ء) اس کے زمانے میں حکومت کو خوب فروغ ہوا یہ دونوں فارسی کے اچھے شاعر تھے اور ان کے کلام کے نمونے تذکرہ نویسوں اور مورّخوں نے اپنی کتابوں میں نقل کیے ہیں۔ اسمٰعیل کے بعد ابراہیم عادل شاہ اوّل (۹۴۱ھ) اور اس کا جانشین علی عادل شاہ اول (۹۶۵ھ/۵۸-۱۵۵۷ء) ہوا۔ یہ بادشاہ بڑا اولوالعزم اور قدردانِ علم و ہنر تھا۔ بیجاپور کا قلعہ، جامع مسجد، آب رسانی کی نہریں اور دوسری کئی خوب صورت عمارتیں اس کی تعمیر کی ہوئی ہیں۔ اس کے جانشین ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ/۸۱-۱۵۸۰ء) کے وقت ملک کا عروج و فروغ، رعیت کی خوش حالی اور علم و کمال کی سرپرستی برابر قائم رہی۔ علمی دنیا میں "نورس نامہ" اس کی بڑی یادگار ہے۔ لیکن اس کے بعد محمد عادل شاہ کے عہد (۱۰۳۷ھ/۲۸-۱۶۲۷ء) میں ایک طرف مرہٹوں نے، شیواجی کی سرکردگی میں ابھرنا شروع کیا اور دوسری طرف شاہ جہاں کی ہوس ہولناک صورت میں نمودار ہوتی نظر آئی۔ اس کے عہد میں بھی اردو کے اچھے اچھے

شاعر گزرے ہیں۔ محمد عادل شاہ کی وفات پر علی عادل شاہ ثانی تخت پر بیٹھا (۱۰۶۷ھ/۵۷-۱۶۵۶ء)
اور جب اس کا وقت آپہنچا تو حکومت اس کے شیر خوار بیٹے سکندر عادل شاہ کو پہنچی اور اس
نام کے سکندر پر بادشاہت کا خاتمہ ہوگیا۔

شہر بیجاپور

بیجاپور اس وقت شہر کی حیثیت سے کچھ بھی نہیں لیکن اس میں ایسے تاریخی اور شاندار آثار اور بے مثل یادگاریں موجود ہیں کہ دلّی آگرہ کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ سلطان محمد عادل شاہ کا مقبرہ جو گول گنبد یا بول گنبد کے نام سے مشہور ہے دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، کہتے ہیں کہ اتنا عظیم الشّان گنبد تمام عالم میں کہیں نہیں۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کا مقبرہ جو عام طور پر ابراہیم روضہ کہلاتا ہے، روضۂ تاج محل کے بعد دنیا کی سب سے خوب صورت عمارت ہے۔ مشہور توپ ملک میدان جو دنیا کی سب سے بڑی توپ ہے اب تک وہاں موجود ہے۔ ان کے علاوہ قلعہ، فصیل، برج و بارہ، بے شمار مقبرے، مسجدیں، کارواں سرائیں، محلات جو اب تک زمانے کے انقلاب اور حوادث کی دست برد کا مقابلہ کرتے رہے ہیں، اب بھی کسی نہ کسی صورت میں گزشتہ عظمت وشان کی شاہد ہیں۔ وہ محل سرائیں اور عشرت کدے جہاں کبھی مال ومنال حسن وجمال اور عروج واقبال کے جمگھٹے تھے اب جنگلی کبوتروں کا بسیرا ہیں جن کی غٹرغوں سے بھیانک گونجیں پیدا ہوتی ہیں۔

عادل شاہیوں کی ہنر پروری اور دکنی زبان کی سرپرستی

علی عادل شاہ ثانی کے زمانے میں شعر وسخن کا گھر گھر چرچا تھا فارسی کا رواج تو خیر تھا ہی اور سالہاسال سے چلا آرہا تھا لیکن دکنی کو اس عہد میں اور زیادہ فروغ ہوا۔ بادشاہ خود بہت بڑا سخن سنج اور موزوں طبع تھا اور خوش کلام شعرا کی قدر کرتا تھا اور بڑی بات یہ تھی کہ اپنی ملکی زبان یعنی دکنی کی طرف زیادہ میلان تھا اور اس کے کلام سے جو ہمیں دستیاب ہوا ہے اس کے صحیح ذوق کا پتہ لگتا ہے۔ صاحبِ بساتین السّلاطین لکھتے ہیں:

"درعہدِ ہمایونش سخنوران فارسی گو چند فرد نادرِ روزگار بودند، امّا چوں

طبعِ ہمایوں بادشاہ اکثر میل بجانبِ لغتِ خاصِ خویش یعنی زبانِ دکنی داشت برطبق الناس علیٰ دین ملوکہم شعراے ہندی گو بسیار از خاکِ بیجاپوری برخواستہ اند' خانہ بخانہ ہنگامۂ شعر تازہ گوئی گرم داشتہ اند۔"

"لغت خاص خویش" کے الفاظ قابلِ توجّہ ہیں۔ شخصی حکومتوں میں اکثر اوقات بادشاہ جدت و بدعت کا سرچشمہ ہو جاتا ہے جدھر اس کا میلان دیکھتے ہیں سب اسی طرف ڈھل جاتے ہیں اور اس کی فرضی مذہب' رسم ورواج پر سبقت لے جاتی ہے۔ بادشاہ کی ادب پروری نیز شاعری کی داد خود نصرتی نے ان اشعار میں دی ہے:

بساریا فصاحت نے حسان کو
چھپایا بلاغت نے سحبان کو
سخن سنج کامل ہنرور تمھیں
زباں آوراں کا بھی داور تمھیں
ترے شعر تے شاعراں کوں ہے نور
مضامین معانیاں کے گردوں کا نور
مضامین کے گل دکھایا تمھیں
ارت کا چ میوہ چکھایا تمھیں
جگت گرو[1] کے نورس کو نورس دیا
ہریک رس چکھایا توں سورس دیا

اس میں شبہ نہیں کہ دکنی زبان کو کبھی اس قدر فروغ نہ ہوتا اگر قطب شاہی اور عادل شاہی بادشاہ اس طرف توجہ نہ کرتے اور خود اس زبان میں شعر کہہ کر اس کی قدر و منزلت نہ بڑھاتے۔ علی عادل شاہ کا یہ رجحان دیکھ کر لوگوں کا اور شوق بڑھا اور دکنی شاعری ملک میں عام ہوگئی۔

---

[1] اس سے مراد ابراہیم عادل شاہ ہے جس کا نورس نامہ مشہور ہے اور جو جگت گرو کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں دکنی زبان کے بہت اچھے شاعر گزرے ہیں لیکن ان سب میں ملّا نصرتی کا پایہ بہت بڑھا ہوا ہے۔

نصرتی کا نام

مصنف تذکرۂ شعرائے دکن نے نصرتی کا نام محمد نصرت لکھا ہے اور چمنستانِ شعرا کی پیروی میں یہ بھی لکھا ہے کہ وہ حاکم کرناٹک کے قرابت داروں میں سے تھا لیکن کوئی حوالہ یا ثبوت اس کے لیے پیش نہیں کیا۔ بغیر سند کے اس کے تسلیم کرنے میں تامّل ہے۔ تخلّص کی مناسبت سے محمد نصرت نام ہونا قرینِ قیاس تو ہے مگر یقینی نہیں۔

نصرتی برہمن نہیں تھا

گارساں دتاسی نے گلشنِ عشق کے ایک قلمی نسخے کی سند پر جو کابجی ورم میں لکھا گیا تھا اُسے برہمن بتایا ہے۔ یہ بیان بھی مبہم ہے۔ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ خود کتاب میں اس قسم کا کوئی اشارہ ہے یا کاتب نے آخر میں اپنی طرف سے اضافہ کر دیا ہے۔ بعد کے بعض تذکرہ نویسوں نے بھی گارساں دتاسی کے اس بیان کی بنیاد پر اسے برہمن لکھ دیا ہے۔ اس کتاب کے متعدد نسخے میری نظر سے گزرے ہیں۔ ان میں کہیں اشارتاً بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے جس سے یہ استنباط کیا جائے کہ نصرتی برہمن تھا بلکہ خود نصرتی نے اپنے متعلق گلشنِ عشق میں ایک آدھ جگہ جو سرسری ذکر کیا ہے اُس سے اس قول کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی مدح میں لکھتے لکھتے ایک شعر یہ لکھا ہے:

بحمد اللہ کرسی بہ کرسی مری
چلی آئی ہے بندگی میں تری

یہاں کرسی سے مراد پیڑھی یا پشت ہے یعنی میں پشت در پشت یا نسلاً بعد نسلٍ تیری بندگی میں ہوں۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے باپ دادا مسلمان تھے۔

حضرت بندہ نواز کی مدح میں ایک رباعی بھی لکھی ہے جو یہ ہے:

اے تو نچہ ولی حق سوں اچھے نت ہمراز
درگاہ تری قبلۂ اربابِ نیاز

مخدوم تو میرا ترا خادم میں
کر بندہ نوازی سوں مجھے سرفراز

نصرتی کا تعلق بیجاپور کی حکومت سے

بادشاہ کی مدح کے آخر میں دو چار شعر اپنے متعلق یہ لکھے ہیں:

کہ میں اصل میں یک سپاہی اتھا
فدا درگہِ بادشاہی اتھا
مجھے تربیت کر توں ظاہر کیا
شعور اس ہنر کا دے شاعر کیا
وگرنہ نہ تھا مجھ یہ کسبِ کمال
کتاہوں اتا یو سخن حسبِ حال

ان اشعار سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ نصرتی سپاہی زادہ تھا اور اس کا تعلق فوج سے تھا۔ آگے چل کر اس تعلق کو اس نے اور بھی صاف کر دیا ہے۔ "حسبِ حال" کے تحت میں لکھتا ہے:

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت مآب
قدیم یک سلحدار جمع رکاب
وو شہ کام پر زندگانی منے
کمر بستہ تھا جانفشانی منے

علی نامے میں بھی ایک جگہ اس نے اس کا اشارہ کیا ہے کہ شاعری میرا آبائی پیشہ نہیں ہے.

اے شاہ رتن کا کھن ہوا مجھ من سو تیرا فیض ہے
کچھ کسب موروثی نہ ہوئی حقا کہ مجھ یو شاعری

مصنف تذکرۂ شعرائے دکن نے جو یہ لکھا ہے کہ "مدت تک کرناٹک میں رہا پھر سیر کرتے ہوئے بیجاپور میں آیا اس وقت علی عادل شاہ کا زمانہ شباب پر تھا' باریاب ہوا' عمدہ

منصب سے سرفراز ہوا" صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ خصوصاً آگے چل کر نصرتی نے اپنے بچپن اور ابتدائی زمانے اور بادشاہ کی شہزادگی کا ذکر کیا ہے۔ اس سے اس واقعہ کی صحت اور بھی مشتبہ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے کہ بادشاہ عالم شہزادگی ہی سے میرا خریدار تھا

میرا شہ جو بوجک ا ہے جوہری
وہ شہزادگی میں اتھا مشتری

نوی چاندسا شہ یو ہالا اتھا
چڑت بُد کا دن دن اجالا اتھا

دسے گرچہ ظاہر ننھنے سن میں سخت
اتھے پن ازل تے عطا اسکوں بخت

میری طبع کی کہن کو قابل پچھاں
نکوی کہن ہے کر اس مقابل پچھاں

دھر نہار اکثر اشہ جہر کی
رکھیا مجھ طرف نت نظر جہر کی

ابتدائی تعلیم و تربیت

گلشنِ عشق میں نصرتی نے اپنی تعلیم و تربیت کا بھی ذکر کیا ہے جس کے لیے وہ اپنے والد کی شفقت و تربیت کا ممنون ہے۔ ذیل کے اشعار میں بڑی سادگی سے اس کا بیان لکھا ہے :

کہ تھا مجھ پدر سو شجاعت مآب
قدیم یک سلحدار جمع رکاب

وہ شاہ کام پر زندگانی منے
کمربستہ تھا جانفشانی منے

بچانے جتم آپنا ننگ و نام
اپس زندگی میں کیا خوب کام

ادک تیتیج لگ مجھ میں نہنوادگی
میرے حق میں اندیش استادگی
نظر دھر کہ مجھ تربیت میں سدا
رکھیا نہیں کدھیں مجھ اپس تے جدا
سکھ مجھ تے جانے کوں دن نس منے
پھرے لے بزرگاں کی مجلس منے
معلم جو میرے چتے خاص تے
دھرہار وو مجھ سوں اخلاص تے
نجانے سبق کوں میرا بارِ دل
دھرہار تے پیار ہو یارِ دل
کچھ یک میں سنبھالیا جب اپنا شعور
کیا کر کتاباں پو اکثر عبور

نصرتی نے اپنی تصانیف میں اپنے متعلق اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھا۔ لیکن روضۃ الاولیا بیجاپور مولفۂ محمد ابراہیم صاحب بیجاپوری (سنہ تالیف ۱۲۴۱ھ) میں شیخ منصور کے حالات میں یہ لکھا ہے کہ شیخ نصرتی ملک الشعرا ان کے برادرِ عینی تھے۔ اس کتاب کا ترجمہ شاہ سیف اللہ صاحب ایک بزرگ نے کیا ہے جس کا قلمی نسخہ ایک دوست کی عنایت سے میری نظر سے گزرا ہے۔ انھوں نے شیخ منصور کے حالات میں اپنی معلومات سے یہ اضافہ کیا ہے[1]:

"آپ کے دو برادر مولانا شیخ ملا نصرتی ملک الشعرا اور شیخ عبدالرحمن سپاہی تھے۔ یہ ہر سہ برادرانِ حقیقی ہیں۔ ہر ایک صاحب ایک ایک فن میں کمال رکھتے تھے۔ شیخ منصور علمِ دعوت میں، شیخ عبدالرحمن سپاہ گری میں اور شیخ ملا نصرتی شاعری

---

[1] اس ترجمہ کا مطبوعہ نسخہ بھی موجود ہے جو مطبع صبغۃ اللّٰہی رایچور میں ۱۳۱۴ھ میں طبع ہوا تھا۔ اس میں یہ عبارت درج نہیں۔

میں۔ مولانا شیخ منصور اور شیخ عبدالرحمٰن دونوں کو اولادِ صلبی نہیں ہے۔ مولانا شیخ ملا نصرتی ملک الشعرا کو آل ہے اولاد نہیں اور ان کی آل سے پانچ چادر والے، گھڑیال والے، منور والے، ہاشم پیر والے، مقبل والے، گول سنگی والے، نگینہ باغ والے، ہم ساگر والے موجود ہیں۔"

بیجاپور جاکر میں نے مزید حالات کی تحقیق و تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ مولانا نصرتی کی اولاد اب تک موجود ہے۔ ایک مہربان کی بدولت محمد ملتانی قادری صاحب عرف جعفر صاحب جاگیردار گول سنگی (ضلع بیجاپور) سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے اپنی عنایت سے اپنے خاندان کی سندِ جاگیر جس میں خاندان کا شجرہ بھی ہے میرے حوالے کردی۔ یہ سندِ انعام شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کی ہے اور اس پر امانت خاں عالمگیر شاہی اور محمد کاظم مرید شاہ عالمگیر کی مہریں ثبت ہیں۔ یہ درحقیقت قدیم عادل شاہی سند کی تجدید ہے چنانچہ خود اس سند میں اس کا حوالہ ان الفاظ میں موجود ہے:

"باغ مذکور مع درختہائے و چاہ ہا بہ شیخ پیر محمد بطریق انعامِ ابدی با ولاد و احفاد دادہ شد و محضرے کہ برگم شدن سند انعام ابدی باغ مذکور بہ مہر علی عادل خاں بیجاپوری بنام شیخ منصور بدست دارد صحیح واز لوثِ تجعیل و تلبیس مبرّا است۔"

چوں کہ شیخ منصور لاولد مرے اس لیے ان کی معاش موقوعہ نگینہ باغ ان کے خواہر زادہ شیخ پیر محمد صدیقی (قادری) کو ملی۔ سند مذکور میں ان کا شجرہ ضمناً آگیا ہے۔ وہ عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

"کہ یک قطعہ باغ نگینہ کہ موازی نوازدہ بیگہ محدودہ و معروفہ و معلومہ متصل باغ و مسجد ملک جہاں اندرونِ قلعہ است بموجب اسنادِ احکامِ سابق در قبض و تصرف مالکان شیخ پیر محمد قادری ابن شیخ برہان الدین بن شیخ علی خواہرزادۂ شیخ منصور بن شیخ مخدوم بن شیخ ملک بود و شیخ پیر محمد مذکور حیّ و قائم است۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ملا نصرتی نسلاً بعد نسلٍ مسلمان تھے اور ان کی بہن کی اولاد اب تک موجود اور ان کے بھائی شیخ منصور کی جاگیر پر قابض و متصرف ہے۔ یہ معاش شیخ پیر محمد صدیق کے انتقال پر ان کی بیوی اور تین لڑکیوں پر تقسیم ہوئی۔ جیسا کہ پہلے بحوالۂ ترجمہ روضۃ الاولیا ذکر ہو چکا ہے ملا نصرتی کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی البتہ بیٹی تھی جس کی "اولاد سے جعفر صاحب اور صاحب حسنی نگینہ باغ والے گول سنگی میں موجود ہیں۔"

میں نے بیجاپور میں نصرتی کی قبر کا پتہ لگایا: یہ اسی نگینہ باغ میں ہے جس کا ذکر سندِ انعام میں آیا ہے اور اب یہ زمین گورنمنٹ ہائی اسکول کے احاطے میں ہے۔ قبر کا عکس اسی صفحے کے مقابل دیا جاتا ہے۔ مقبرے کے جائے وقوع کی تصدیق روضۃ الاولیا سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ شیخ منصور کے حالات میں لکھا ہے:

"خدمت شریفش اہل اللہ و از کاملانِ اہلِ دعوت است و در تصرفِ دعوت و تکسیر ممتازِ وقت بود۔ سلطان عادل شاہ و اسکندر شاہ ۱۰۶۱ از و اکرام ایشاں می کردند۔ قبرش در نگینہ باغ است و شیخ نصرتی ملک الشعرا کہ برادر عینیٔ ایشاں می شود، ہم دراں جا مقبور است۔"

غرض ان تمام واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ مُلا نصرتی بیجاپور کے معززین میں سے تھے اور یہ اور ان کے دونوں بھائی اپنے اپنے فن اور کمال کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے تھے اور مقبول بارگاہِ شاہی تھے۔

بادشاہ کے دربار میں پہنچنے کا واقعہ اس نے اس طرح لکھا ہے کہ جب میں تعلیم و تربیت پا چکا تو میری تقدیر چمکی۔ بادشاہ شہزادگی ہی کے زمانے سے اس پر مہربان تھا۔ اب جو تخت پر بیٹھا اور عین کامرانی و جہاں بانی کا عالم تھا تو:

بلا بھیج بندے کو اس حال میں
نظر کر مرے بے بہا مال میں

ئہ ترجمہ روضۃ الاولیا (مطبوعہ) صفحہ ۱۲۹

پر کھتا چلیا یو رتن سر بسر
تھکے دیکھ پارکھ یو اہلِ نظر

وہیں جگ میں بندہ رہنے بے نیاز
رکھیا اپنی خدمت میں کر سرفراز

میں ابھی اوپر لکھ آیا ہوں کہ بجز ان چند مقامات کے جو نقل ہو چکے ہیں نصرتی نے اپنی تصانیف میں اپنے متعلق اور کچھ نہیں لکھا۔ البتہ علی نامے کے ایک قصیدے میں ضمناً بادشاہ سے اپنی بے سروسامانی کی شکایت کی ہے اور عرض کیا ہے کہ جس گھر میں میں رہتا ہوں وہ بہت تنگ ہے۔ پڑوس بہت نامعقول ہے، آس پاس سب اراذل و انفار آباد ہیں گھر کی یہ حالت ہے کہ بارش ہوئی تو صحن حوض بن جاتا ہے اور اب کی برسات میں تو غضب ہی ہو گیا کہ پانی کی رو گھر کا سارا سامان بہا لے گئی۔ آخر میں التجا کی ہے کہ کوئی ایسا مکان عنایت فرمایا جائے جو میری طبیعت کے مناسب ہو اور جہاں میں اطمینان اور فراغت سے کام کر سکوں۔ ان اشعار کا یہاں نقل کرنا لطف سے خالی نہ ہوگا۔ پہلے وہ اپنی شاعری کے متعلق تعلّی کرتا ہے اور اس کے بعد کہتا ہے:

پن کیا کروں اے شاہ میں کئی باب بے سان ہوں
اوّل تو ایسا گھر نہیں جہاں ٹھار ہوئے راحت بھری

گھر بی ہنا یک ہے و لے دائم ہے علت لئی اوسے
لڑکا ندسوں ہمسایہ بدویسچ بھویں کی بد تری

مطلق اراذل قوم اوہیں گرد ایسے بے حیا
سمجیں وو گالی کھاؤ کوں سمجیں گمت ہور مسخری

جن کی زباں تے لام کاف آتا ہے شیطاں سیکنے
سانچے پنے سوں جب کریں تعلیم جنگِ زرگری

ہنگام پر برسات ٹک پڑنے میں لر کا نیر بھر
گھر حوض ہو کر کیچ کے رہے دھوپ کالے لگ تری

اِس سال تو لرٰ ؎ کا ستم سامان گھر کا ے گیا
او بریا ہے یک نہالی لحاف یعنی گگن ہور دھر تری

بندے کی آخر عرض یو ہے اے جہاں کے سایہ باں
یا کر پڑے گھر کو کھڑا یا کر کرم سے یاوری

فرماں سوں عالی حکم کے بخشش مجہ ایسا گھر دلا
جو صاف ترج طبع کوں جہاں ہوے صفائی بہتری

ایک دوسرا واقعہ علی نامہ کی تمہید میں نصرتی نے ضمناً بیان کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دونوں بھائی اس کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:

دو بازو میرے دین و دنیا کے زور
ٹوٹے تے سو تھا جیو میں مجہ سخت شور

جنم جگ دیکھت دل کوں مج باغ باغ
دیا تھا فلک داغ بالائے داغ

صاحب بساتین السلاطین نے نصرتی کی بدیہہ گوئی کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز بادشاہ محل میں رونق افروز تھے اور حوض میں فوّارہ عجیب بہار دے رہا تھا، بادشاہ کی زبان سے بے ساختہ یہ مصرع نکلا۔

اڑتا سو یو فوارہ پانی کا کیا نچل ہے

ملّا نصرتی نے فوراً جواب میں یہ مصرع کہا:

تجھ شاہ پر اڑانے موتی کا مورچھل ہے

بادشاہ چوں کہ خود ایک خوش مذاق اور خوش گو شاعر تھا اس لیے نصرتی جگہ جگہ اپنے تئیں

؎ یہ لفظ "لر" لہر کا بگاڑ ہے۔ بعض صاحبوں نے اسے "لڑکا" پڑھا ہے اور مطلب یہ پیدا کیا ہے کہ اس کا لڑکا بہت نالایق اور اوباش تھا حالاں کہ واقعہ یہ ہے کہ ملا نصرتی کے لڑکا تھا ہی نہیں۔ نیز سیاق و سباق عبارت سے اس کا کوئی قرینہ نہیں پایا جاتا۔

بادشاہ کا شاگرد ظاہر کرتا ہے۔ اسے نصرتی کی شاہی عقیدت مندی یا انکسار پر محمول کرنا چاہیے ورنہ وہ کسی کا شاگرد نہ تھا اور فطرتاً شاعر تھا۔ بادشاہ کی مدح میں پہلے ہی دو شعر یہ ہیں:

مجھے یو سخن بادشاہ یاد ہے
پچھیں پیر کے وصف استاد ہے

مجھ اُستاد اُستاد عالم اچھے
جتا علم از بر جسے جم اچھے

بحمد اللہ کیا مجھ بڑے بخت آج
نہ اُستاد کوئی مجھ علی شہ کے باج

اس قسم کا خیال اس نے کئی جگہ ظاہر کیا ہے۔ لیکن اصل حقیقت بھی وہ ایک جگہ لکھ گیا ہے۔

نہ کچھ شاعری کسب کا کام ہے
کہ یو حق کی بخشش تے الہام ہے

نصرتی نے تین بادشاہوں یعنی محمد عادل شاہ، علی عادل شاہ ثانی اور سکندر عادل شاہ کا زمانہ دیکھا۔ فتوت نے اپنے تذکرۂ ریاض حسنی میں لکھا ہے کہ جب شاہ اورنگ زیب عالمگیر نے دکن فتح کیا تو وہاں کے شعرا کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔ ان میں نصرتی بھی تھے اور ان کے کلام کو سب سے افضل تسلیم کیا اور خطاب ملک الشعرائے ہند سے سرفراز فرمایا۔ مولوی عبدالجبار مرحوم نے تذکرہ شعرائے دکن میں ان کا سنہ وفات ۱۰۹۵ھ لکھا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ یہ اطلاع انھیں کہاں سے حاصل ہوئی۔ اگر یہ سنہ وفات صحیح ہے تو فتوت کا بیان صحیح نہیں ہو سکتا کیوں کہ عالمگیر نے بیجاپور کو سنہ ۱۰۹۷ھ میں فتح کیا تھا۔

نصرتی کی تصانیف

نصرتی کی تصانیف جو اب تک ہمیں دستیاب ہوئی ہیں وہ یہ ہیں : ۱۔ گلشنِ عشق۔ ۲۔ علی نامہ۔ ۳۔ تاریخِ اسکندری۔ ۴۔ قصائد و غزلیات و رباعیات۔

اور غالباً ان کے سوا نصرتی کی اور کوئی تصنیف ہے بھی نہیں۔ اب ان میں سے ہر ایک کا ذکر الگ الگ کیا جاتا ہے اور آخر میں نصرتی کے کلام کی خصوصیات پر ایک نظر ڈالی جائے گی۔

گلشنِ عشق

یہ نصرتی کی سب سے پہلی تصنیف ہے اور ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ جس میں منوہر و مدمالتی کے عشق کا فسانہ بیان کیا گیا ہے۔ قصّہ کہاں سے لیا گیا ہے اس کا معلوم کرنا دشوار ہے کیوں کہ نصرتی نے اس کا کہیں اشارہ نہیں کیا۔ صرف اس قدر لکھا ہے کہ ان کے ایک دوست "مسمیٰ نبی ابن عبد الصمد" نے اس قصّے کے لکھنے کی ترغیب دی۔ تحقیق سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصّہ اس سے قبل بھی تحریر میں آچکا تھا۔ ایک صاحب شیخ منجھن نامی نے اسے ہندی میں لکھا تھا۔ یہ کتاب اب تک کہیں دستیاب نہیں ہوئی۔ اس کا حوالہ ایک دوسری کتاب مسمیٰ "قصّۂ کنور منوہر و مدمالت"[۱] میں ملتا ہے۔ یہ فارسی مثنوی ہے۔ مصنف کا نام معلوم نہیں ہوا، البتہ سنہ تصنیف ۱۰۵۹ ہجری ہے۔ اس میں مصنف نے شیخ منجھن کی ہندی کتاب کا ذکر ہے اور اپنے قصّے کی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ تیسری کتاب عاقل خاں رازی عالمگیری کی مثنوی مہر و ماہ[۲] ہے جو ۱۰۶۵ کی تصنیف ہے جیسا کہ وہ خود اپنی مثنوی کے آخر میں لکھتا ہے :

---

[۱] فہرست مخطوطاتِ فارسی برٹش میوزیم جلد دوم صفحہ ۸۰۳

زہجرت یک ہزار وشصت و پنج است
کزیں غم نامہ طبعم نکتہ سنج است

چو من زیں داستاں از غم زدم دم
بخواں تاریخ آں " دیباچۂ غم "

اس میں بھی یہی قصہ ہے، رازی نے منوہر کو مختصر کر کے مہر کر دیا ہے۔ نصرتی کے گلشنِ عشق کے بعد بھی بعض شعرا نے اس فسانے کو نظم کیا ہے۔ ان میں سے ایک حسام الدین حصار کا رہنے والا عالمگیر کے عہد میں ہوا ہے۔ یہ بھی فارسی مثنوی ہے۔ کتاب کا نام حسن و عشق اور اس کا سنہ تصنیف ۱۰۷۱ ہجری ہے۔ یہ کتاب میرے پاس موجود ہے۔ اگرچہ ان سب کتابوں میں قصہ ایک ہے لیکن ہر مصنف نے کسی قدر ردوبدل یا اختصار سے بیان کیا ہے۔ ان سب میں گلشنِ عشق بہت جامع اور ضخیم ہے۔ نصرتی اصل قصے میں چنپاوتی اور چندرسین کی داستان ضمنی طور پر بڑی خوبی سے ملائی ہے۔ یہ کہنا دشوار ہے کہ کس نے کس سے اس قصے کو لیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانے میں یہ قصہ بہت مقبول اور مشہور تھا اور ہر مصنف نے اسے اسی طرح بیان کر دیا ہے جیسا کہ مقامی طور پر مشہور چلا آرہا تھا۔ میرا خیال ہے کہ عاقل خاں کو بھی قصہ دکن ہی سے ملا ہے۔ جب عالمگیر برہان پور میں تھا تو وہ بھی وہیں تھا اور غالباً وہیں اس نے اپنی مثنوی لکھی۔ چنانچہ کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے:

چو در ملکِ دکن قطبِ زماں است
دکن دل کش‌تر از ہندوستاں است

زنورِ اوست برہاں پور معمور
ہمیشہ باد ایں معمورہ پر نور

یہ ممکن ہے کہ نصرتی کے نظر سے عاقل خاں کی مثنوی مہر و ماہ گزری ہو اور اس نے تصرف کر کے اسے زیادہ پرلطف بنا دیا ہو، یا جس طرح اس نے اپنے وطن میں یہ داستان سنی ہو اسی کو کسی قدر درست کر کے نظم کر دیا ہو۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے۔

قصّے کا خلاصہ

ایک راجا تھا اس کا نام تھا بکرم اس کا پایۂ تخت کنک گیر تھا۔ کوئی بیٹا نہ تھا اس غم سے دل فگار رہتا تھا۔ ایک دن راجا سوئی پر بیٹھا تھا کہ ایک فقیر نے صدا دی۔ راجا ویسے ہی کھانے کا تھال اٹھا کر اس کے پاس لے گیا۔ جب آنکھیں چار ہوئیں تو وہ کچھ لیے بغیر چل دیا۔ راجا کو اس کا بہت دکھ ہوا اور فقیر سے سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں بانجھ کے گھر سے کچھ نہیں لینا چاہتا۔ یہ سننا تھا کہ راجا کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور وہ غم و رنج سے نڈھال ہوگیا۔ رانی نے سمجھایا کہ اس طرح رنج کرنے سے کیا حاصل۔ اس فقیر کو ڈھونڈو اور جو وہ کہے وہ کرو۔ شاید دُرِ مقصود ہاتھ آجائے۔ میں تمھاری غیر حاضری میں راج پاٹ سنبھال لوں گی۔ غرض راجا سدھارا اور جنگل بیابان بستی اور آبادی میں مارا مارا پھرا۔ اتفاق سے ایک بن میں حوض کے کنارے پہنچا۔ وہاں کچھ پریاں نہا رہی تھیں، ان کے کپڑے لے کر درختوں میں چھپ گیا۔ پریاں بہت پریشان ہوئیں اور روئی دھوئیں تو یہ نکلا اور اپنی واردات سنائی۔ پریوں نے اسے درویش تک پہنچانے کا وعدہ کیا اور اپنا ایک ایک بال بھی دیا۔ کپڑے پہن وہ اسے اڑا کر اس بن میں لے گئیں جہاں وہ درویش رہتا تھا۔ وہاں پہنچا تو فقیر اسے دیکھ کر سمجھ گیا اور کہنے لگا' دیکھ یہ درخت ہے اس کا پھل توڑ لے اور اپنی رانی کو لے جا کر کھلادے' خدا تجھے بیٹا دے گا۔ راجا نے باہر آکر جونہیں پریوں کے بال جلائے کہ پریاں حاضر ہوگئیں اور اسے اڑا کر لے چلیں اور محل پر لاکر چھوڑ دیا۔ راجا رانی سے ملا اور اسے وہ پھل کھلا دیا۔ نو مہینے کے بعد بیٹا ہوا۔ سارے ملک میں خوشی اور مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ نجومیوں نے زائچہ دیکھا اور اس کا نام منوہر رکھا اور کہا کہ یہ بڑا خوش نصیب اور بااقبال ہوگا۔ لیکن چودہ سال پر گیارہ مہینے گزرنے پر اس کے لیے خطرہ ہے۔ اس وقت اس پر بڑی بپتا پڑے گی لیکن وہ پھر ہر بلا کو بھگت کر صحیح سلامت آجائے گا۔ اس مصیبت کو کوئی دور نہیں کرسکتا' اس کا آنا اٹل ہے۔ راجا یہ سن کر بہت رنجیدہ ہوا اور حکیموں کو بلا کر پوچھا کہ وہ کون سی ایسی بلا ہے۔ انھوں نے سوچ کر جواب دیا کہ وہ عشق ہے۔ پوچھا اس کا علاج؟ کہا کہ اس وقت تک ایسی جگہ رکھا جائے کہ آسمان تک نہ دیکھ سکے تو اس کا بچنا ممکن ہے۔ چناں چہ اس مشورے کے مطابق اس کے لیے ایک بہت پُرفضا اور خوش نما محل

تیار ہوا اور اس میں وہ پلنے لگا۔ جب چار برس چار مہینے چار دن کا ہوا تو پڑھنے بٹھایا اور ضروری علوم و فنون کی تحصیل کرنے لگا۔ یہ سارے انتظام ہوئے لیکن جو وقت آنے والا تھا وہ نہ ٹلا۔

چودھویں رات ہے، چاندنی کا نور سارے عالم پر چھایا ہوا ہے، کچھ پریاں سیر کو نکلیں، اس محل اور باغ کو دیکھ کر ایسی ریجھیں کہ آسمان سے اتر کر وہاں آگئیں۔ اب جو محل میں داخل ہوئیں تو کنور کے حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ آپس میں کہنے لگیں کہ ایسا حسین دنیا میں کوئی نہیں، اس کا جوڑا بھلا کہاں مل سکتا ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ خالق نے ہر ایک کا جوڑا بنایا ہے اور وہ کہیں نہ کہیں ضرور ہوگا۔ دوسری نے کہا کہ ہماری تمہاری شرط کہ یہ انسان بے جوڑ ہے۔ یہ سن کر وہ پری ملول ہوئی اور کہنے لگی اچھا ہم ایک کام کریں کہ ہم نو پریاں ہیں نو کھنڈ میں جائیں اور اس کا جوڑا تلاش کریں۔ غرض ہر ایک ایک جانب کو چلی۔ آٹھوں تو ڈھونڈھ ڈھانڈ کے چلی آئیں اور ناکام رہیں۔ نویں کا انتظار کرنے لگیں۔ اتنے میں وہ آئی اور کہنے لگی شکر ہے کہ میں نے اس کا جوڑا پایا، سات دریا پار ایک دیس ہے مہارس نگر نام اس کا راجا دھرم راج ہے اور اس کی بیٹی (مدمالتی) چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے۔ اگر تم کو شک ہو تو آؤ چلو دیکھ لو۔ غرض انھوں نے آپس میں صلاح کر کے منوہر کا پلنگ اٹھایا اور مہارس نگر کے محل میں لے آئیں اور جہاں مدمالتی سو رہی تھی وہیں لا کے رکھ دیا۔ اتنے میں منوہر کی آنکھ جو کھلی تو حیران ہو کے دیکھنے لگا کہ میں کہاں آگیا۔ پھر جو دوسری طرف نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ماہ رو نازنین سو رہی ہے جس کے حسن کی تاب سے سارا محل جگمگا رہا ہے۔ یہ دیکھتے ہی سو جان سے عاشق ہوگیا۔ تھوڑی ہی دیر میں مدمالتی کی بھی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پلنگ پر ایک حسین نوجوان لیٹا ہوا ہے، بگڑ کر کہنے لگی کہ تو کون؟ کیا تو جان سے بیزار ہے جو یہاں آیا ہے۔ منوہر نے کہا یہ تو میرا محل ہے، راجا بکرم کا بیٹا اور کنک گیر کا کنور ہوں۔ یہ سن کر وہ بہت ہنسی کہ تو دیوانہ ہے، یہ مہارس نگر ہے اور اس محل میں میں رہتی ہوں میرا باپ دھرم راج یہاں کا راجا ہے۔ دونوں حیران و ششدر رہ گئے۔ آخر آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے پر فدا ہو جاتے ہیں۔ ایک پلنگ پر آجاتے ہیں اور ایک دوسرے سے انگوٹھی بدلتے ہیں بات چیت کرتے کرتے آنکھ لگ جاتی ہے اتنے میں سیر کر کے پریاں واپس آجاتی ہیں۔ ان

کو ایک جگہ دیکھ کر جدا کرتے ہوئے جی کڑھتا ہے۔ پھر یہ خیال آتا ہے کہ اگر واپس نہیں لے جاتیں تو اس کے ماں باپ رو رو کے جان دے دیں گے اور خدا سے دعا مانگتی ہیں کہ ہم اسے لے تو جاتے ہیں لیکن اے کارساز تو انھیں پھر ملا دے۔ منوہر کو اٹھا کر اس کے محل میں پہنچا دیتی ہیں۔ جب صبح کو آنکھ کھلتی ہے تو سخت بے چین ہوتا ہے اور حالت روز بروز ابتر ہونے لگتی ہے۔ راجا یہ دیکھ کر بہت پریشان ہوتا ہے۔ نجومیوں کو بلا کر پوچھتا ہے۔ کچھ نہیں بتا سکتے۔ منوہر کی ایک دائی تھی جسے وہ اپنی ماں کے برابر سمجھتا اور بہت محبت کرتا تھا۔ وہ مہر و محبّت کی باتیں کر کے منوہر سے اس کا حال پوچھتی ہے۔ وہ سارا قصّہ بیان کرتا ہے۔ دائی بہت تسلّی و تشفّی دیتی ہے اور پھر راجا سے ساری کیفیت بیان کرتی ہے۔ راجا بہت ہوشیار اور طرار شاطر لوگوں کو مہارس نگر کی تلاش میں بھیجتا ہے۔ وہ ملک ملک پھرتے ہیں مگر مہارس نگر کا کہیں پتا نہیں لگتا۔ اور مایوس ہو کر واپس آجاتے ہیں۔ تب راجا بیٹے سے کہتا ہے کہ مہارس نگر کا کہیں پتہ نہیں ملتا یہ تیرا وہم ہے یا سایہ ہے، اس خیال کو چھوڑ دے۔ منوہر نہیں مانتا اور کہتا ہے کہ تم مجھے جانے دو میں خود ہی اپنی محبوبہ کو تلاش کروں گا۔ باپ نے چار و ناچار منظور کر لیا اور کہا اچھا جاتے ہو تو بادشاہوں کی طرح جاؤ کہ تمھاری عزت بھی ہو۔

سامانِ سفر تیار ہوتا ہے اور کنور جہاز پر تمام ساز و سامان اور مصاحبوں اور ملازموں کو لے کر روانہ ہوتا ہے۔ رستے میں ایک بڑا اژدہا ملتا ہے وہ جہاز کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا ہے سب ساتھی ڈوب جاتے ہیں اور یہ بمشکل کنارے پہنچتا ہے۔ پھر ایک صحرائے آتشیں ملتا ہے وہاں ایک بزرگ سے ملاقات ہوتی ہے۔ وہ اسے رستہ بتاتے ہیں اور ایک چکر دیتے ہیں جو سب آفات کو دفع کرتا ہے۔ چلتے چلتے ایک عظیم الشان باغ میں جا پہنچتا ہے جہاں وہ ایک عالی شان مکان دیکھتا ہے اور دروازہ کھول کر اندر جاتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے کہ اندر ایک حسین نازنین لیٹی ہے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ کھلتی ہے تو اجنبی کو دیکھ کر حیرت کرتی ہے اور پوچھتی ہے کہ تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا۔ وہ اپنا سارا حال بیان کرتا ہے۔ یہ حال سن کر وہ حسینہ ہنسی اور پھر روئی۔ اس نے سبب پوچھا تو کہا کہ تیرے نصیب میں سُکھ ہے اور میرے نصیبوں میں دُکھ۔ میں تجھے خوش خبری دیتی ہوں کہ تو اپنی محبوبہ سے

ملے گا۔ میں مدمالتی کی بڑی عزیز سہیلی ہوں۔ میرا نام چنپاوتی ہے اور میرا باپ سورل ہے
اور اپنے ملک کا راجا ہے۔ ہم میں اور دھرم راج میں بڑا میل ملاپ ہے اور مجھ میں اور
مدمالتی میں بہناپا ہے۔ میں ایک روز اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ کی سیر کر رہی تھی کہ یکایک ایک
آندھی آئی۔ اس آندھی میں ایک دیوزاد نکلا اور مجھے اڑا کر لے گیا۔ اب اس کے پھندے میں ہوں۔ یہ کہہ کر وہ رونے
لگی۔ منوہر نے کہا روو مت، میں تجھے اس کے پنجے سے چھڑاؤں گا۔ اس نے کہا وہ بڑا قوی اور زبردست
دیوزاد ہے، بنی آدم کی کیا مجال کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ اتنے میں دیو کی آمد کا غلغلہ ہوا۔ اس
نازنین نے کہا کہ چھپ جا ورنہ ہلاک کر ڈالے گا اور میں بھی مصیبت میں مبتلا ہو جاؤں گی۔
وہ نہ مانا اور لڑنے پر مستعد ہو گیا۔ اور دیو کو ہلاک کر کے چنپاوتی کو ساتھ لے روانہ ہوا۔ چلتے
چلتے وہ کیخن نگر میں پہنچے اور ایک باغ میں جا کر ٹھہر گئے۔ مگر دیکھا کہ سارے شہر پر اُداسی
چھائی ہوئی ہے، ہر شخص اداس اور ہر طرف ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے۔ کنور نے یہ حال
دیکھ کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہاں کے راجا کی ایک لڑکی تھی وہ یکایک غائب ہو گئی۔ اُس
وقت سے راجا پرجا سب مغموم اور پریشان ہیں۔ آخر جب کنور نے چنپاوتی کو ماں باپ
سے ملایا تو ان کی جان میں جان آئی اور سارے شہر میں خوشیاں منائی گئیں۔ راجا اور رانی
نے کنور کی بڑی خاطر مدارات کی اور حال معلوم ہونے پر اسے بہت تسلی دی اور کہا کہ غم نہ کر،
تو جس لیے پریشان ہے وہ تجھے بہت جلد مل جائے گی۔

چنپاوتی کی ماں نے مدمالتی کو بلا بھیجا۔ وہ اپنی سہیلی سے مل کر بہت خوش ہوئی۔
چنپاوتی کی ماں نے ترکیب سے مدمالتی کا حال پوچھا اور ایسی ہمدردی سے باتیں کیں کہ اس
نے اپنی ساری حقیقت کہہ سنائی۔ تب اس نے چپکے سے مدمالتی اور منوہر کو ملا دیا۔ یہ
دونوں بچھڑے ہوئے آپس میں ملے تو دنیا و مافیہا کو بھول گئے۔ جب مدمالتی کو بہت دن
ہو گئے، تو اس کی ماں نے مدمالتی کو بلانے کے لیے اس کی ایک سہیلی کو بھیجا۔ چنپاوتی کی ماں
نے اُسے کسی کام پر لگا دیا۔ پھر دوسری آئی پھر تیسری، مگر وہ ٹالتی رہی۔ یہ حال دیکھ کر مدمالتی
کی ماں کو طرح طرح کے وسواس آنے لگے۔ آخر اس سے صبر نہ ہو سکا اور خود پہنچی۔ آتے ہی
کہنے لگی بہن مالتی کہاں ہے، مجھے اس کی صورت دیکھے بغیر چین نہیں۔ اس نے کہا چتر سال

میں ہے ۔ میں ابھی بلائے لاتی ہوں ۔ ماں سے صبر نہ ہوسکا خود بھی اس کے پیچھے پیچھے ہولی ۔ جب چمپاوتی کی ماں نے چترسال کے دروازے پر مڑکر دیکھا تو کیا دیکھتی ہے کہ سریکا (مدمالتی کی ماں) بھی آپہنچی ہے ۔ اس نے کہا بہن تمہیں تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں میں بلالاتی ہوں ۔ سریکا کو شبہ ہوا کہ دال میں کچھ کالا کالا ہے' وہ بھی اندر گھسی چلی آئی ۔ دیکھا کہ مدمالتی اور منوہر گلے میں باہیں ڈالے بیٹھے ہیں ۔ دیکھتے ہی تن بدن میں آگ لگ گئی ۔ گلاب کا شیشہ قریب ہی رکھا تھا' اس میں سے کچھ گلاب نکال ایک ایسا منتر پڑھ کر مدمالتی پر چھینٹا مارا کہ وہ طوطی بن کر اڑ گئی ۔ اب جو دیکھا کہ چڑیا اڑ گئی تو رونے پیٹنے لگی ۔ مگر اب کیا ہوتا ہے ۔

یہ طوطی فراق کی ماری جنگلوں میں پھرتی اور چھپ چھپ کر رہنے لگی اتفاق سے جس روز یہ ایک باغ میں جاکر اتری وہاں ایک راجا کا بیٹا جس کا نام چندرسین تھا شکار کھیلتا ہوا پہنچا ۔ اس کی نظر جو طوطی پر پڑی تو وہ اسے بہت بھائی اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جیتی پکڑ لو' خبردار جو اسے کچھ بھی ایذا پہنچی ۔ ان لوگوں نے بہتیری کوشش کی کسی طرح دام میں نہ پھنسی ۔ آخر خود کنور نے ایک خوب صورت جال لگایا ۔ طوطی کو اس کی محبت پر رحم آیا اور خود جال میں آگئی ۔ اب چندرسین کو طوطی سے اس قدر الفت ہوگئی کہ کسی وقت اپنے سے جُدا نہ کرتا تھا ۔ مگر اسے مغموم دیکھ کر خود بھی مغموم رہتا تھا ۔ ہر چند وہ اسے کھلانا پلانا چاہتا تھا مگر وہ کچھ کھاتی پیتی نہ تھی ۔ آخر کنور نے بھی کھانا پینا چھوڑ دیا ۔ جب طوطی نے یہ دیکھا تو ناچار اس نے زبان کھولی اور سمجھانا شروع کیا ۔ وہ کسی طرح نہ مانا اور کہا کہ سچ سچ اپنا حال بتا ورنہ میں اپنی جان دے دوں گا ۔ تب طوطی نے اپنا سارا حال جو گزرا تھا بیان کر دیا ۔ اس سے وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے کہا کہ میں تیرے کنور کو جہاں کہیں بھی ہوگا ڈھونڈھ کر لاؤں گا اور تجھ سے ملاؤں گا ۔ دوسرے ہی دن اس نے باپ سے پردیس میں شکار کھیلنے کی اجازت لی اور فوج اور ساز وسامان لے کر نکلا ۔ طوطی کا پنجرہ ساتھ تھا ۔ چلتے چلتے مہارس نگر پہنچے ۔ دیکھا کہ اس دیس کی حالت بہت خراب اور ویران ہے ۔ شہر سنسان اور لوگ پریشان حال ہیں ۔ ایک باغ میں پہنچ کر جو جنگل سے بدتر تھا ایک بوڑھی مالن سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ راجا کی کنیا غائب ہوگئی ہے' راجا رانی اور سارے لوگ رنج والم میں مبتلا ہیں ۔

یہ کہہ کر وہ ضعیفہ رونے لگی۔ چندرسین نے بہت کچھ تسلی دی اور پنجرہ کھول کر اس کا نام ونشان بتایا وہ خوشی سے باغ باغ ہوگئی اور خبر لے کر راجا کے پاس پہنچی۔ دونوں دوڑے آئے اور چندرسین سے ملے اور بڑی خاطر تواضع کے ساتھ گھر لے گئے اور طوطی کا جادو اتارا اور وہ پھر انسان ہوگئی۔ بچھڑے ہوئے ملے اور اس کے ماں باپ چندسین کے بہت ہی ممنون ہوئے۔ لیکن مدمالتی پر عشق کا جنون سوار تھا اور وہ منوہر کے فراق میں سخت بے تاب اور بے قرار تھی اور روز بروز اس کی حالت خراب ہوتی جاتی تھی۔ چندرسین نے جب یہ دیکھا تو اس کے ماں باپ سے کہا کہ اگر تم کہو تو میں منوہر کو ڈھونڈھ لاؤں ورنہ مدمالتی کا جینا دشوار ہے۔ وہ اس بات سے بہت خوش ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم اس معاملے میں ہرگز اختلاف نہ کریں گے۔

مدمالتی کے گم ہوجانے کے بعد سے دھرم راج اور سورمل کے دلوں میں نفاق پیدا ہوگیا تھا اب جو مدمالتی آگئی تو دل سے کینہ جاتا رہا اور ایک خط لکھ کر چندرسین کے ہاتھ بھیجا۔ چندرسین جب خط لے کر سورمل کے پاس پہنچا تو وہ خوشی کے مارے پھولا نہ سمایا اور چندرسین کو راجا اور رانی نے اپنی آنکھوں پر بٹھایا۔ وہاں جاکر معلوم ہوا کہ مدمالتی کے جاتے ہی منوہر کی حالت ابتر ہوگئی اور جنون کی حالت میں کہیں نکل گیا۔ بہتیرا ڈھونڈا کہیں پتہ نہ لگا۔ یہ لوگ افسوس کے ساتھ یہ ذکر کر ہی رہے تھے کہ ایک ملازم دوڑتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ منوہر بازار میں دیوانہ وار پھرتا ہوا نظر آیا ہے۔ لڑکے اس کے پیچھے تالیاں بجاتے ہیں اور لوگوں کا آس پاس ہجوم ہے۔ یہ سنتے ہی سورمل اور چندرسین دوڑتے ہوئے گئے اور اسے لے کر آئے۔ جب اسے مدمالتی کی واپسی کی خبر سنائی تو وہ ان کے پاؤں پر گر پڑا۔ تب اسے نہلا دھلا کر کپڑے پہنائے اور سورمل اور چندرسین منوہر کو لے کر مہارس نگر چلے۔ اُن کے آنے کی خبر ہوئی تو دھرم راج پیشوائی کے لیے گیا اور بڑی تعظیم وتکریم سے لے کر آیا۔ سارے شہر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شادی کی تو ٹھیر ہو ہی چکی تھی، خوب خوب جلسے ہوئے۔ شادی کے بعد منوہر اپنی دلہن کو لے کر کنچن نگر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں یہ عیش وعشرت سے رہنے لگے۔ مدمالتی چندرسین سے بے حجابانہ ملتی تھی لیکن چنپاوتی چہرے پر نقاب ڈالے

رہتی تھی۔ اتفاق سے ایک روز اس نے چنپاوتی کو دیکھ لیا۔ دل و جان سے عاشق ہوگیا۔ اور حالت کچھ سے کچھ ہوگئی۔ جب یہ کیفیت مدمالتی اور منوہر پر ظاہر ہوئی تو انھوں نے چنپاوتی کے والدین سے گفتگو کرکے ان دونوں کی شادی کردی۔

اب منوہر اور چندرسین کو اپنے اپنے وطن کی یاد آئی اور اجازت لے کر روانہ ہوئے۔ منوہر اور مدمالتی بہت سے شہر اور ملک طے کرکے کنک گیر کے قریب پہنچے۔ بکرم کو جو معلوم ہوا کہ کوئی راجا لاؤ لشکر لیے چلا آرہا ہے تو اس نے جنگ کی تیاری کی۔ جب اس کا قاصد غنیم کے کیمپ میں خبر لینے کو پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہ تو کنور ہیں۔ پھر کیا تھا جنگ کا سامان سامانِ عیش و عشرت ہوگیا اور بچھڑے باپ بیٹے ملے، ماں کے پاس آئے اور وہ دونوں کو دیکھ کر باغ باغ ہوگئی اور سارے ملک میں خوشی و خرمی کا سماں نظر آنے لگا۔

مثنوی کی خصوصیات

اس مثنوی میں بھی اردو فارسی کی اکثر مثنویوں کی طرح دیووں اور پریوں اور سحر و طلسمات وغیرہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ قطع نظر اس کے یہ مثنوی دکنی اردو میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔

علاوہ حسنِ شاعری اور زورِ کلام کے جس کا ذکر آگے آئے گا اس میں بعض ایسی خصوصیتیں ہیں جو اس سے قبل کی مثنویوں میں کم پائی جاتی ہیں۔ مثلاً وہ ہر عنوان کے شروع میں ایک شعر لکھتا ہے جس میں اس باب کے مطالب کا خلاصہ آجاتا ہے۔ تمام عنوانات کے اشعار ایک ہی بحر اور قافیے میں ہیں۔ اگر ان تمام اشعار کو ایک جا کرلیا جائے تو ایک قصیدہ ہوجاتا ہے جس میں سارے قصّے کا خلاصہ آجاتا ہے۔ مومن اور وجدی وغیرہ نے بھی اپنی مثنویوں میں اس طرز کی پیروی کی ہے۔ مثال کے طور پر ابتدا کے دو شعر یہاں لکھے جاتے ہیں:

ثنا صانع کی ہے جن اس کتابِ عشق کا بانی
دیا ہے حسن کوں خلعت کہ ہر یک جز پہ عنوانی
رکھیا ہوں گلشنِ عشق اسم اس رنگین قصّے کا میں
کہ ہے جس چھب کے پھولاں کی فلک شوقوں سے گلدانی

اکثر باب کے شروع میں مختلف قدرتی مناظر کا جلوہ دکھاتا ہے اور قصّے کے ضمن میں جو

بعض حالات اور واقعات پیش آتے ہیں ان کی تصویر خوب کھینچتا ہے۔ مثلاً جہاز کے سفر میں کشتی کا حال، باغ اور پرندوں کی کیفیت، شادی بیاہ کا حال، برف باری کی کیفیت، کھانوں کی تفصیل وغیرہ۔ اسی طرح طلوع و غروبِ آفتاب، چاندنی کا سماں موقع موقع سے خوب بیان کیا ہے۔

انسانی جذبات کی کیفیت بھی ہر موقع پر بڑی خوبی سے دکھائی ہے۔

اکثر ابواب کے خاتمے پر نصیحت آمیز اشعار لکھ جاتا ہے۔

کلام میں طول ضرور ہے۔ وہ ایک ابلتا ہوا چشمہ ہے جس کا روکنا مشکل ہے۔

یہاں اس مثنوی کے بعض مقامات کا انتخاب دیا جاتا ہے۔ اس مثنوی نیز اس کے بعد علی نامے اور تاریخِ اسکندری کے انتخابات میں نے کسی قدر ضرورت سے زیادہ دے دیے ہیں۔ اس سے مضمون طویل ہوگیا ہے لیکن اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ چوں کہ یہ کتابیں عام طور پر دستیاب نہیں ہوتیں خاص کر آخر کی دو کتابیں، جن میں علی نامہ کا ایک آدھ نسخہ تو خیر یورپ میں کہیں مل بھی جاتا ہے لیکن تاریخِ اسکندری کا نسخہ سوائے میرے کتب خانے کے کہیں نہیں ہے۔ اس لیے ان انتخابات سے نصرتی کے کلام اور زورِ بیان کے صحیح اندازہ کرنے میں بہت مدد ملے گی۔

حمد نصرتی کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنی مثنویوں میں حمد بھی اسی ڈھنگ کی لکھتا ہے جس رنگ کی مثنوی ہوتی ہے۔ چوں کہ گلشنِ عشق ایک عشقیہ مثنوی ہے اس لیے حمد کے اشعار بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

صفت اس کی قدرت کی اول سراؤں
دھریا جس نے یو گلشنِ عشق ناؤں

کیا کر گرم عشق کا تس ابھال
یو باغ آفرینش کا پکڑیا جمال

عجب کوئی توں اے باغبانِ جہاں
کہ صنعت میں تجھ چل سکے نا زباں

رنگارنگ جے گل یو بن باس ہے
او ہر گل میں تجھ عشق کی باس ہے

اپس حسن دیکھلا ہریک ٹھار ہور
ہریک دل میں پاڑیا ہے کئی بھانت شور

کدھیں نورِ یوسف کوں دے شب چراغ
دیا عشق کا تس زلیخا پہ داغ

کدھیں پاڑ شیریں سوں خسرو کو کام
کیا کوہ کن کوں وفا میں تمام

کدھیں نیہ لیلیٰ کے لئی دل میں بیس
پھریا ہو کے مجنوں گنوا بدّ کو قیس

گیتے پھول ایسے کھلایا ہے ہور
اجھوں بن میں تس بلبلاں کا ہے شور

دیا عشق کوں تونچہ عزت کمال
تُہیں ہے جمیلٌ یحبُّ الجمال

نظارے میں عارف نظر باز کوں
دے ہر طرف تیری قدرت کا موں

زمیں کا توں قطعہ مصور کیا
فلک کا مرقع توں انور کیا

فلک کے زنگاری یو صفحے کو توں
دیوے زیب بنت سرخ سرلوح سوں

کدھیں تس میں بوٹا سونیری دھرے
کدھیں تس میں یا گل روپیری بھرے

نہ کس سار توں کوی نہ تجھ سا رہے
صفت بھی تری مثل بقے بھار ہے

توں باقی فنا جگ یو لاریب ہے
توانا تہیں عالم الغیب ہے

اتھا توںچ اول ہور آخر تہنچ
سجھتا سو مخفی و ظاہر تہنچ

ترے نور کا شعلہ ہر گھٹ اچھے
گپت توںچ ہور توںچ پرگٹ اچھے

ہمیں کیا جو ہمنا تھی کچھ ہوئے بات
کہ جو اصل جیو ہے سو وو ترے ہات

تہیں دل کے عالم کو کیتا وسیع
فلک عقل کا توںچ کیتا وسیع

دیا عقل سا جیو کوں یار شفیق
اُسے تیں دیا پانچ حس کو رفیق

جہاں پروری ییں کرم کے اوپر
دھرے دوست دشمن پہ توں یک نظر

سیویں مسجدی ہور دیری تجھے
منگیں دل سوں سب میت دیبری تجھے

توں جگ میت ہے ہور ناتے سوں پاک
توں مطلوب طالب ترے لاک لاک

مناجات | مناجات کے چند شعر ملاحظہ کیجیے

الٰہی تُہیں جگ کوں داتار ہے
کرم محض تجھ پر سزاوار ہے

غریباں پہ بخشش میں نیارا سو توج
منگے تے بھی لئی دیہارا سو توج

الٰہی میں اس جگ میں گم نام تھا
ادک پختہ کاراں میں ات خام تھا

عنایت کیا آسمانی مجھے
بچن کی دیا دُر فشانی مجھے

ہریک دُر بھی شاہاں کے لائق دیا
بہا نو رتن تے بھی فائق دیا

رتن دیکھتے لوگ لیاتا سو میں
سمجھتے ہیں کوئی کاں تھے پایا سو میں

میرا سینہ خایچ یک کہن ہے پن
بھرے فیض تجھ پل میں کئی لک رتن

میرے من کا طوطی تو بے کام ہے
کرانا تو بات اس کو الہام ہے

سخن دل میں اُپجا ہمارا تہیں
زباں پر اُسے لیا ہمارا تہیں

میرا سن تو تھا خار زار یک جنگل
کیا باغ تیرے عطا کاج جل

رنگارنگ پھلبن جو ہیں بے قیاس
دو ہر گل کوں دے معرفت کی سُباس

نہالاں خیالاں کے بن کے تمام
ڈولنہار رکھ تجھ ہوا میں مدام

رنگیلا یو ہریک نزاکت کا پات
پسارِیا جو ہے تیری رحمت کوں ہات

او ہر ہات رحمت سوں کر پور توں
عطا کر سو نورؔ علی نور توں

دے ایسا سخن کے جہاں میں قلم
جو الہام کی فوج کا ہوے علم

دیکھاؤں جو تجھ فیض تھے جے خیال
کر اُس شعر کو عینِ سحرِ حلال

ہریک حرف تیں کر دیکھا جامِ جم
معانی میں تس بھر مسیحا کا دم

نعت

زہے نامور سیدُالمرسلیں
کہ آخر ہے دے شافعُ المذنبیں

عجب آفرینش کے دریا کا دُر
کہ جس نور تھے بحرِ ہستی ہے پُر

نول رُکھ پہ خلقت کے اے دل تو ریخ
وہی پھل ہے آخر جو اول ہے بیج

تہیں حق سے نت ہم زباں ہم کلام
تجے قاب قوسین ادنیٰ مقام

تہیں لامکاں کے دھنی کا انیس
توں بے مثل بے شبہ کا ہم جلیس

زباں سوں امولک گہر سنج توںچ
دھرے سینہ حق راز کا گنج توںچ

چتے مرسلاں میں تو اپروپ ہے
او طالب ہیں تو حق کا مطلوب ہے

حضرت بندہ نواز کی تعریف

منقبت کے بعد حضرت بندہ نواز کی تعریف بھی بڑی عقیدت سے کی ہے۔ چند اشعار یہاں لکھے جاتے ہیں۔

زباں دھو کے پھل نیر سوں مکھ میں لاؤں
یو سید محمد حسینی کا ناؤں

چتے عاشقاں میں اچھے سرفراز
چتے جگ کا مخدوم بندہ نواز

تصرف تجی مخزن عین کا
پردیا ہے توں آس دارین کا

کیا پل میں فیروز شہ کوں تباہ
گھڑی میں سلطان احمد کوں شاہ

جو کوئی تجھ محبت کے ماتے اہیں
وہ دنیا میں رہ دین پاتے اہیں

دکن کی عجب بختور خاک ہے
کہ جس بیچ تجھ خواب گہ پاک ہے

بادشاہ کی مدح

اس کے بعد علی عادل شاہ کی طویل مدح ہے، پہلے ہی شعر میں اُسے اپنا اُستاد کہتا ہے "دیجے پیر کے وصف استاد ہے" اسی میں بادشاہ کی سخن سنجی اور سخن گوئی کی بھی تعریف ہے، وہ اشعار اس سے پہلے نقل ہو چکے ہیں۔

رکھنہار ناموس عزت کوں تو یچ
بڑا سب تے اب عقل و ہمت کوں تو یچ

زہے نوجواں عقل میں پیر توں
بڑا دور بیں نیک تدبیر توں

زمانے کا سر رشتہساندیا تہیں
توٹا چرخ کا ٹھاٹ باندیا تہیں

اتھا عشق ذرہ ہوا تجھ تھے سور
ہر یک شے میں اپنا دکھایا ظہور

دیا عشق کی بات کوں توں سواد
کیا کہنہ قصہ زمانے نے یاد

زمانے کی میں یادگاری بدل
لکھیا قصہ تجھ ناٹوں سوں میں نول

حسبِ حال

حسبِ حال میں لکھتے ہیں:

سخن کا محل ہے زہے پائدار
رہنہار ہے جگ میں جم برقرار

بندیا جن عمارت یو بنیاد سوں
قیامت تلک نہ ڈھلے باد سوں

اس کے بعد اپنے والد اور اپنی تربیت اور بادشاہ کی قدردانی وغیرہ کا ذکر ہے جس کا بیان اس سے قبل آچکا ہے۔

عقل کی تعریف

حسب حال کے بعد عقل کی تعریف میں کچھ اشعار لکھے ہیں :

بزرگاں کا یو نقل حجت اہے
کہ العقل نصف الکرامت اہے

کنا بلکہ فوق الکرامت سدا
کہ اس عقل سوں ہم پچھانے خدا

اچھے عقل یک دولتِ ناپدید
اچھے عقل مشکل کی حل کی کلید

چلے عقل تے دین دنیا کے کام
دونو جگ میں عاقل دھرے نیک نام

آگے چل کر کہتا ہے کہ شعر و سخن کی روشنی عقل ہی کے طفیل میں ہے۔ یہ سب تعریفیں کرتے کرتے آخر میں کہتا ہے :

اتل عقل کا گرچہ گج مست ہے
ولے عشق شرزہ زبردست ہے

کہ جس ٹھار پر ہوے شرزے کی چال
تو اس ٹھار گج کا چلے کیا مجال

عشق کی مدح

یہیں سے دوسرا باب عشق کی مدح میں شروع ہو جاتا ہے اور اس کے اوصاف اور کارستانیوں کے بیان میں خوب خوب شعر کہے ہیں :

کرنہار امرت کو شرمندہ عشق
دھرے ناانوں سو جگ میں نت زندہ عشق

بقا کی جسے جگ میں شاہی اچھے
اجل جس کے گھر کا سپاہی اچھے

اٹھے داغ میں جس کے مرہم سوں درد
اگن جوش اگے جس کے لگتی ہے سرد

سدا فکر نو سکھ ہو جس پاس اچھے
رگت نیر ہور ان جسے ماس اچھے

دلاں کا ہے اے عشق توں بادشاہ
جہاں ڈر ہے سو وانچہ تجھ تخت گاہ

دیوا راہ کا تجھ سو کالا دسے
اندھا راج تیرا اوجالا دسے

کیا سرخوشی جگ میں مشہور تونچہ
خرابات عام کیا پور تونچہ

ترا خار بہتر ہے گلزار تے
ترا در ہے دیوانہ ہشیار تے

دلاں کوں اگن کھیل تجھ تے ہوا
انجو تس اُپر تیل تجھ تے ہوا

چڑاوے ستی کوں ترا مے مدن
دیکھاوے تسے آگ کر پھولبن

جلانا ہوس سوں مرا دھیان ہے
سورج تجھ ہوا کا سو رپا پان ہے

نصیحت کو تجھ شہر میں عذر ہے
ترے ملک میں صبر بے قدر ہے

اب میں نصرتی کے کلام سے ایسے نمونے دیتا ہوں جن سے اس کی واقعہ نگاری یا جذبات و کیفیات کی قدرت معلوم ہو۔ قصے کی روداد تو آپ پڑھ چکے ہیں، اُس مقام کا خیال کیجیے جب درویش راجا کی بھیک لینے سے انکار کرتا ہے اور خالی چلا جاتا ہے اور راجا فقیرانہ

لباس پہن کر اس کی تلاش میں نکلتا ہے۔

پھرا کر سو شاہی کو رے بھیس کوں
چلیا یوں سنیاسی ہو پردیس کوں

فقیری کا بیان

اب فقیری کے لوازمات اس نے اسی نوعیت کے بیان کیے ہیں جو دیا شنکر نسیمؔ کا رنگ ہے۔ اگر وہ اس بیان کو لکھتے تو یقیناً اسی طرح لکھتے۔ یعنی محنت کی گدڑی زیب بدن کی، توکل کی کچکول ہاتھ میں لی، قناعت کی راکھ بدن پر ملی اور آہ کا سنکھ ساتھ لیا وغیرہ وغیرہ۔

کنتھا سخت محنت کا اب گل کیا
سو کچکول ثابت توکل کیا

چڑایا سو تن پر قناعت کی راک
سنکے کرلیا آہ کے دم کی ہاک

صبوری کے مدرے دیا گوش کوں
کیا حلم زنبیل اذک ہوش سوں

یو راحت کو دنیا کی مرگان کر
لیا راکھنے پگ تلیں آن کر

لیا حرص کے پھاوڑے کوں بغل
جلانے ہوس کی دھونی نت سنگل

کمر بستہ ہمت کا بھاری کیا
اٹل قصد کے بت مو تاری کیا

دھرن جلد ہر کام میں تیز ہات
لیا خوش خیالاں کے چیلے سنگات

باغ کا سماں

راجا ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے جب درویش تک پہنچتا ہے تو اس پر فضا مقام کا سماں کھینچتا ہے کہ اس سبز زمین میں حوض بھرے

بھرے ایسے پیارے معلوم ہوتے تھے جیسے ہرے طبق میں شراب بھرے پیالے۔ چمنوں میں چوطرف پانی نہیں بہہ رہا تھا بلکہ جام ے شراب سے لبریز ہو رہا تھا اور وہ شراب بہہ بہہ کر درختوں کے رگ و پے میں پہنچ رہی تھی جس کی مستی سے درخت مدہوشی کے عالم میں جھوم رہے تھے۔ کنول کی خوب صورت کلیاں ایسی بھلی معلوم ہوتی تھیں جیسے چینی کے شیشوں میں رنگ برنگ شراب۔ زمین جا بجا خوب صورت پیالوں سے بھری ہوئی تھی گویا صبا کے ساقی نے ان سے بزم کو آراستہ کر رکھا تھا۔ سنبل نے اپنی زلفیں چھوڑ رکھی تھیں اور پھولوں کی ڈالیاں معشوقوں کی طرح مست جھوم رہی تھیں۔ جب سارا بن (باغ) مستی سے بے حس ہو گیا تو بادِ صبا نے ازراہِ تفنّن خاص ادا سے کلیوں پر ٹھنڈا پانی چھڑکا اور وہ مخمور (چمن) کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ پھر بزم از سر نو تازہ ہو گئی اور راگ رنگ کا دور شروع ہوا۔ ہوا نے مطرب بن کر پتّوں کا دف بجانا شروع کیا اور کوئلیں اور پپیہے تانیں اڑانے لگے۔ مور ناچنے لگے، کبوتروں نے قلابازیاں کھائیں، فاختہ کوکو کرنے لگی، وغیرہ وغیرہ۔ اب نصرتی کے اصل اشعار سنیے:

سہیں حوض پر ہر چمن میں ہرے
طبق سبز میں جام جوں مے بھرے

بہتا تھا نہ چمنا میں چو گرد آب
او لبریز تھا جام تے تس شراب

دہی ہو ہر یک رکھ کے تن میں اثر
متے ہو کے جھولتے تھے ات بے خبر

سہادیں کلیاں یوں کنول کیاں سرنگ
کو پیاں چین کیاں مے بھریاں رنگ رنگ

پیالیاں سے خوش بھوئیں چمنی جا بجا
رکھی بزم میں بھر او ساقی صبا

لٹاں چھوڑ سنبل کی خوش بالکیاں
نگاراں ڈولیں مست پھل ڈال کیاں

رہی ٹھک ہو جب بن خماری کے سات
صبا باؤ کے ہت سوں ہنسنے کے دھات

کلیاں پر ٹھنڈا ابر سٹ چھب سوں دیں
ہنسا تس مکدر انیندیاں کی تیئں

کریں بزم کو تازہ پھر بید رنگ
دھرے جشن میں سر تے خوش راگ رنگ

ہو مطرب پون برگ کا دف بجائے
پپیا د کوئل نوی تان اُچائے

سو سرخاں دیویں کھینچ سُر خوش گلا
کریں کوک کو کے دلاں مبتلا

لگے ناچنے جھور ہو بے خبر
کریں حال لوٹن نکل رقص پر

ہوا دھر کبوتر کلاٹاں میں آئے
پراں جوڑ تالیاں سوں دستک بجائے

صبح

دیکھیے طلوعِ آفتاب اور دن کے نکلنے کو کس طرح بیان کرتا ہے۔ صبح نے جب شرق کے پل کے بند کا (جو دریائے طلا پر بندھا ہوا تھا) ڈٹا کھولا تو نور کا سیلاب اُبلتا ہوا نکلا اور دنیا میں چاروں طرف پھیل گیا۔ اس عالم کا حوض غدیر جو خالی پڑا تھا، اس میں ہر طرف سے سونے کا پانی بھر گیا۔ فلک نے اپنی چھاتی سے سیاہی کو دھویا اور زرّین لباس سے جگمگانے لگا۔ خلقت کی آنکھوں کے کواڑ کھلے اور رات بھر کے جو مخمور تھے انھوں نے اپنے ہوش حواس درست کیے

صبح شرق کے پال کے پل تے ٹھوک
نکالیا جو کنچن کے جب تم تے کوک

اُبلتا نکل نور کا نیر تب
ہو آمیز عالم میں چوندھیر سب

ہتی کھا سویو جگ کا حوضِ غدیر
بھریا ششش جہت نیچ کنچن کا نیر

سیاہی کوں چھاتی تے دھویا فلک
زر افشان کسوت سوں پکڑیا جھلک

کواڑاں کھولے خلق کی نین کے
دھری سدہ جو مخمور تھے رین کے

چاندنی کی کیفیت | سورج کا طلوع تو آپ نے دیکھ لیا اب چاندنی کی جلوہ فرمائی ملاحظہ کیجیے۔ اس میں نصرتی نے اپنی شاعری کا زور دکھایا ہے:

شعر۔
ڈوباتی او نیلاب مغرب میں رخش
نکل آئی تس ہو ہتو فیض بخش

(مطلب)
رات نے اپنا مشکی گھوڑا مغرب کے دریا میں ڈالا
اور فیض بخش دوست بن کر نکلی

شعر۔
چندر پاک چھاتی تے دھویا غبار
سورج کا ہوا آئینہ تابدار

(مطلب)
پاک چاند نے اپنی چھاتی سے غبار دھویا
اور سورج کا آئینہ (بدر) روشن ہوا

شعر۔
دیے جلوہ خوش نسبتی کے حضور
کیا پردہ پردہ نشیناں تھے دور

(مطلب)
تاجدار شب کے حضور میں جلوہ دکھانے کے لیے
سب پردے نشینوں نے پردے اٹھادیے

شعر۔ دینے جوش پُر نور سیلاب کا
ہوا تھا کوا چاند سیماب کا

(مطلب) پر نور سیلاب کے جوش دینے کے لیے
چاند سیماب کا کنواں بن گیا تھا

شعر۔ گگن پر نہ ہر ٹھار تارا دسے
کٹورے بھریا سب او پارا دسے

(مطلب) آسمان پر کہیں کوئی تارا نظر نہ آتا
وہ بالکل ایک پارا بھرا کٹورا معلوم ہوتا تھا

شعر۔ صفائی سوں چندنے کے چارو رخن
جھلکتی تھی بھوئیں صاف ابرک نمن

(مطلب) چاندنی کی براقی سے چاروں طرف
زمین ابرک کی طرح چمک رہی تھی

شعر۔ فلک اور زمین پر اتھے نور میں
چھپیا تھا جتا مشک کافور میں

(مطلب) زمین اور آسمان نور سے بھرپور تھے
جس قدر بھی سیاہی تھی وہ سب کافور (روشنی) میں چھپ گئی تھی

شعر۔ مگر کُم پہ چادر مرصع کی سٹ
زمین پر بچھائے تھے اجلا تکٹ

(مطلب) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا آسمان پر مرصع چادر
تان دی ہے اور زمین پر شفاف روپہلی چادر بچھی ہوئی تھی

شعر۔ یوں اپ وطن میں دھریا تھا قرار
نہ کوئی پات ہلتا اتھا اس منجھار

(مطلب) اس وقت کوئی پتا تک نہیں ہلتا تھا
شاید ہوا وہاں سے رخصت ہوگئی تھی

شعر۔ سہاتے تھے یوں پھول پھل ڈال پر
پیالے ہیں چینی کے جوں دود بھر

(مطلب) ڈالیوں پر پھول پھل ایسے بھلے معلوم
ہوتے تھے جیسے دودھ بھرے چینی کے پیالے

شعر۔ کھڑا تھا سب اس دھات حوضاں میں نیر
مگر دود کا کر رکھے تھے پنیر

(مطلب) حوضوں میں پانی اس طرح ساکت کھڑا تھا
گویا دودھ کا پنیر بنا کر رکھ چھوڑا ہے

فراق کی کیفیت کنور کے ہجر کی حالت بہت تفصیل سے بیان کی ہے، بعض وقت طول عیب کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ چند شعر اس مقام کے لکھے جاتے ہیں جس سے شاعر کی قوتِ بیان کا اندازہ ہوگا

شعر۔ نہ کس سات کہنا مجھے بات بھائے
نہ کوئی بات بولے تو سن خوش لگائے

(مطلب) نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے
نہ کسی کی بات سن کر جی خوش ہوتا ہے

شعر۔ دسے دیس تو نس اندھاری مجھے
رین کالے دوزخ تھے کاری مجھے

(مطلب) دن رات سے بھی زیادہ کالا معلوم ہوتا ہے
اور رات دوزخ سے بھی زیادہ تاریک

شعر۔ انکھیاں کھولتا ہوں تو یک تل نہ بھاے
وگر مونچتا ہوں تو یوں خوف آئے

(مطلب) آنکھیں کھولوں ایک لمحے کے لیے بھی نہیں بھاتا
اور اگر بند کرتا ہوں تو ڈر ہے کہ

شعر۔ کہ مت پھر پڑے خواب دندی سوں سنگ
سٹے پھر کے خرمن میں من کے اننگ

(مطلب) پھر وہی دشمنِ جان خواب میں نہ آجائے
اور میرے دل کے خرمن میں آگ نہ لگادے

شعر۔ پڑیا آہ ماہی نمن مجھ رہنا
گنوانا زباں ہور نہ چک مونچنا

(مطلب) مجھے مچھلی کی طرح پڑا رہنا پڑتا ہے
زبان بند آنکھیں کھلی ہوئی

کشتی کی روانی

جب کنور اپنے ساتھیوں کو لے کر کشتی میں سوار ہوتا ہے تو دریا پر کشتی کی روانی کی کیفیت کسی قدر تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

شعر۔ چلیاں جل پہ کشتیاں ڈھل اس حال میں
ڈھلاتے ہیں پارے کو جوں تھال میں

(مطلب) کشتیاں پانی پہ اس طرح جا رہی تھیں
جیسے کوئی پارے کو تھال میں رکھ کر ڈھلکاتا ہے

شعر۔ کہیں بحر کو خلق کالا بدل
ہور اس تیز کشتیاں کو بجلیاں چپل

(مطلب) گویا یہ بحر کالا بادل ہے
اور کشتیاں تیز بجلیاں

شعر۔ سبک مہ کی کشتی فلک بحر پر
چلے کیا کہ اس تے بھی یو جلد تر

(مطلب) جس طرح بحرِ فلک پر چاند کی ہلکی پھلکی کشتی
چلتی ہے یہ اس سے بھی تیز تھی

شعر۔ اُٹھے موج گر بھاسنے کف بکف
کنارے پڑے لیا آپس مکھ میں کف

(مطلب) اگر موج اس سے دوڑ کی شرط باندھ کر دوڑے تو تھک کر
کنارے پر جا پڑے گی اور منھ میں کف آجائے گا

شعر۔ بندے باؤ جب یک یکس سوں کھڑیاں
بلند موج سوں چڑ اُتر کیاں سڑیاں

(مطلب) ہوا جب زور سے چلتی ہے تو
اونچی موجیں چڑھنے اترنے کی سیڑھیاں بن جاتی ہیں

شعر۔ چڑنت میں تو چڑتی چلیں ماہ لگ
اترنے میں اتریں سو ماہی تلگ

(مطلب) چڑھتے وقت وہ (کشتیاں) ماہ
تک پہنچ جاتی ہیں اور اترتے وقت ماہی تک

شعر جتیا کچھ جو کشتی کو جھولا لگے
وہ جھولا دریا کوں ہنڈولا لگے

(مطلب) جس قدر کشتی کو دھکّا لگتا تھا
تو وہ دھکّا دریا کے حق میں ہنڈولا تھا

شعر۔ دس آوے سو دیکھیں تو چوپھیر جب
اُپر آسماں ہور تلیں نیر سب

(مطلب) جب دیکھتے ہیں تو چاروں طرف کیا
نظر آتا ہے اوپر آسماں اور نیچے پانی

اس کے بعد شاعر نے سمندر کی مخلوق کا حال بیان کیا ہے اور طرح طرح کے جاندار جو اس میں آباد ہیں ان کا ذکر نام لے لے کر کیا ہے۔

سردی کا بیان

اسی مسافرت میں ایک ایسا مقام آتا ہے جہاں انتہا درجے کی سردی تھی اور برف باری اور غضب تھی۔ اس سمے کا بیان طول طویل ہے صرف چند شعر لکھے جاتے ہیں:

شعر۔ سٹیوں زمیں پر ہوا برف رج
کیے ہیں مگر فرش بلور و گچ

(مطلب) ہوا نے زمین پر برف کے ڈھیر اس طرح برسائے ہیں
کہ وہ گویا بلور اور گچ کا فرش بن گئی ہے

شعر۔ اوک درد سردی کا آزار ہو
نہالاں اتے ٹھنڈ سوں بیمار ہو

(مطلب) سردی کی شدت سے ایسی تکلیف ہوئی
کہ تمام درخت ٹھنڈ سے بیمار ہوگئے

شعر۔ اتھا نزع میں جیو ہر پات کا
کلیاں میں نہ تھا خندہ خوش دھات کا

(مطلب) ہر پتے کی جان نزع کی حالت میں تھی
کلیوں میں بھی اب ہنسی کا کوئی نشان باقی نہ تھا

شعر۔ نہ سکتی تھی ہو کونپلی سر فراز
نہ ٹک ہو سکے بیل کا ہت دراز

(مطلب) کونپلوں میں اتنا دم نہ تھا کہ سر اٹھا سکیں
اور نہ بیل ہاتھ دراز کر سکتی تھی

شعر۔ چھپیاں سو کلیاں اوڑ ٹوپن لحاف
ہوا تھا سو اس پر بھی یخ کا غلاف

(مطلب) کلیوں نے ٹوپ اور لحاف اوڑھ رکھا تھا (یعنی پتوں
میں چھپ گئی تھیں) اور ان پر یخ کا غلاف چڑھا ہوا تھا

شعر۔ بندی تھی ہوا راہ پر یخ کی سد
اُسے داٹ جانے نہ تھا کس بھی حد

(مطلب) ہوا نے رستے میں یخ کی سد باندھ رکھی تھی
اور کسی کی قدرت نہ تھی کہ ادھر جاسکے

شعر۔ اُڑے تو پنکھی کس کدھن پر جھٹک
پڑے برف سوں پر ہو گولا اٹک

(مطلب) اگر کوئی پرند اس طرف اڑنے کا قصد کرے
تو اُس کے پَر برف سے گل کر گر پڑیں

شعر۔ سو ویسے پہ کیوں آدمی جائے چل
پڑے پانوں دھر یچ سر لگ پگل

(مطلب) سو ایسی جگہ آدمی کیوں کر چل سکتا ہے
جہاں پانو رکھتے ہی بھیجا پگھل جائے

تمازت آفتاب

اس کے مقابلے میں تمازت اور دھوپ کا رنگ ملاحظہ کیجیے

شعر۔ جو انی سوں تھی دھوپ بھر روت میں
سورج تھا مگر آخر حوت میں

(مطلب) گرمی کا آغازِ شباب تھا شاید
سورج حوت کے آخری درجے میں تھا

شعر۔ نہ کہہ سور بل اگ کا بادل اتھا
نہ وو دھوپ یک آتشیں جل اتھا

(مطلب) اسے سورج نہ کہو بلکہ وہ آگ کا بادل تھا
وہ دھوپ نہ تھی بلکہ آگ کا پانی تھا

شعر۔ مگر کھینچ دوزخ کے دریا تے نیر
برستا اتھا جگ پہ جلتاچ نیر

(مطلب) شاید دوزخ کے دریا سے کھولتا ہوا پانی کھینچ آیا تھا
جو متواتر اس دنیا پر برس رہا تھا

شعر۔ کرن ہیں سو سب جل کی دھاریاں دسیں
ہریک ذرہ قطراتِ یاراں دسیں

(مطلب) کرنیں سب پانی کی دھاریاں معلوم ہوتی ہیں
اور ہر ذرہ اس بارش کا قطرہ

شعر۔ زمیں تے فلک لگ سب یک دھات سوں
بھرے سرور آتش کی برسات سوں

(مطلب) زمیں سے آسماں تک ایک وضع پر
آگ کی برسات سے تالاب بھرے ہوئے تھے

شعر۔ لگی مارنے جب سراباں کی موج
چلی چو کدھن تب حرارت کی فوج

(مطلب) جب سراب موجیں مارنے لگا تو
ہر طرف حرارت کی فوج چلنے لگی

شعر۔ بھری یوں حرارت ہر یک تن منجھار
نہ سَتلا سماسک اوبل آئی بہار

(مطلب) ہر ایک کے تن بدن میں حرارت اس طرح بھر گئی تھی
کہ ستلا اندر نہ سما سکی اور باہر نکل آئی

شعر۔ پڑی تھی نہ کیں چھاؤں بر تن تے ڈھل
اونگی سو ستلا بھٹی تے اگل

(مطلب) یہ جو جسم کی چھاؤں سی نظر آتی تھی یہ چھاؤں نہ تھی
بلکہ سیتلا تھی جو بھٹی یعنی بدن سے باہر نکل آئی تھی

شعر۔ دھڑک دھک ادک اگ کے ہر صبح و شام
گگن سرخ تانبے نمن ہوئے تمام

(مطلب) ہر صبح و شام آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے
اور آسمان سرخ تانبا ہو رہے تھے

شعر۔ برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک
سو کوہ و زمیں رہے تھے چھاتی تڑک

(مطلب) جہان پر دھوپ یوں کڑک کر برس رہی تھی
کہ پہاڑ اور زمین کی چھاتی تڑقی جاتی تھی

شعر۔ مگر سور کے نور کے تیں گگن
بنا تا اتھا اصل نورے نمن

(مطلب) شاید سورج کی حرارت سے آسمان نے
چونے کی ایک بھٹی پیدا کردی تھی

شعر۔ نکل تس تے جا سب ہریالی کے بال
اتھا بھوئیں کے سر چاے چاٹے کا حال

(مطلب) جس کی وجہ سے ہریالی کے سب بال اڑ گئے تھے
اور زمین کا حال گنجے سر کا سا ہو گیا تھا

شعر۔ پڑیا تھا نہ دریا میں موجاں سے شور
اٹھا نیر ابلتا ہو بھوئیں گرم زور

(مطلب) یہ دریا میں موجوں کا شور نہ تھا بلکہ
زمین کے سخت گرم ہو جانے سے پانی کھول رہا تھا

باغ کی بہار

اسی عنوان سے شاعر گرمی کی شدّت بیان کرتا چلا جاتا ہے اور طرح طرح کے استعارے اور تشبیہیں استعمال کرتا ہے۔ کنور جب چنپاوتی کے باغ میں جاتا ہے تو باغ کے حسن و خوبی، پھولوں کی بہار، اور پرندوں کے چہچہانے کا ذکر تقریباً آٹھ صفحوں میں کرتا ہے اور شاعری کا پورا زور دکھاتا ہے۔ اس میں مختلف قسم کے پھولوں اور طرح طرح کے پرندوں کا نام لیتا اور ان کے حسن و جمال کا بیان کرتا ہے۔ اس طویل بیان کا انتخاب بہت مشکل ہے۔ صرف چند شعر لکھتا ہوں:

شعر۔ فرح بخش یک سبز تر باغ تھا
فلک کو ہریک پھول جس داغ تھا

(مطلب) فرحت بخش سبز و شاداب باغ تھا
جس کا ہر پھول آسمان کے لیے ایک داغ تھا

شعر۔ سٹیں عکس سو تس منوّر چمن
ستارے بھریا ہوے ہریا گگن

(مطلب) اگر یہ نورانی چمن اپنا عکس ڈالے
تو ستاروں بھرا آسمان ہرا ہو جائے

شعر۔ دیکھت مسکٹیں گلرُخاں ہر کلی
کریں دل کو خوباں کی گل گد گلی

(مطلب) جس کی ہر کلی کو دیکھ کر گلرخ مسکرانے لگیں
اور جس کے پھول حسینوں کے دل میں گدگدی پیدا کریں

شعر۔ بنفشہ دھڑی لالہ لعلِ بتاں
سرنگ گال جیسے گلِ ارغواں
(مطلب۔) بنفشہ دھڑی تھا اور لالہ معشوقوں کا لب
اور گلِ ارغواں سرخ رخسار جیسا

شعر۔ چندر گل تے چندر کی چھاتی پہ داغ
گل سور تے سور کا زرد باغ
(مطلب) گل چاندنی سے چاند کی چھاتی پر داغ تھا
اور سورج مکھی سے سورج کا باغ زرد

شعر۔ گل اورنگ کا تختہ یوں رُوت کا
کہ جوں پاچ میں کام یاقوت کا
(مطلب) گلِ اورنگ کے تختے پر ایسی بہار تھی
کہ جیسے زمرّد میں یاقوت کا کام

شعر۔ نہ کہہ رکھ نہالاں انگی کاچ کے
نہ چمناں کے تختے اکھنڈ پاچ کے
(مطلب) انھیں درخت نہ کہو یہ سبز شیشے کے پودے ہیں
یہ چمن کے تختے تمام زمرّد کے ہیں

شعر۔ پڑے دھوپ و چندنے تے لس دن نظر
بیٹے سیم و زر حل ورق سبز پر

(مطلب) شب و روز دھوپ اور چاندنے کے پڑنے سے
یہ معلوم ہوتا تھا کہ سبز ورق پر سونا چاندی حل کردیا گیا ہے

اس کے بعد پرندوں کا ذکر، ایک ایک کا نام لے کر، بڑی تفصیل سے کیا ہے اور ان کے رنگ روپ اور دوسری خصوصیتوں کو عجب شاعرانہ رنگ میں بیان کیا ہے۔ نمونے کے طور پر صرف چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :

شعر۔ پتمبر بندی زرد پیلک نے کھول
پٹیاں گھوٹ اوڑی دھنور شال کھول

(مطلب) پیلک نے زرد ریشم کے کپڑے پہنے
اور کنگھی کر کے (طوس) شال اوڑھی

شعر۔ سلونی خوش الحان کویل سیاہ
کری سام کسوت ادک خوش نگاہ

(مطلب) کالی سلونی اور خوش الحان کویل نے
سیاہ دلفریب لباس پہنا

شعر۔ ٹیٹوری رنگی پاؤں مہندی سوں سب
کری پان طوطی نے کھا لعل لب

(مطلب) ٹیٹری نے پاؤں مہندی سے رنگے
اور طوطی نے پان کھا کر لب رنگیں کیے

شعر۔ کوا چور گشتی کمل تازہ۔ اوڑ
کرے گشت النگاں کو نا جاے چھوڑ
(مطلب) چور کوا نیا کالا کمل اوڑھ کر
دیواروں کے اردگرد گشت لگا رہا ہے

شعر۔ زرہ داؤدی پین ادک تاؤتے
لہوے بن میں پھرتے ادک چاؤتے
(مطلب) لوے داؤدی زرہ بڑی شان سے
پہن کر باغ میں بڑے شوق سے پھر رہے تھے

اب ہر پرندے کے رنگ بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ رنگ انھیں کہاں سے ملے۔ مثلاً:

شعر۔ پنکھیرو پہ سٹنے کوں رنگ صبح گاہ
کیتی گل کے کانسے بھریا رنگ ماہ
(مطلب) صبح ہوتے ہی پرندوں پر رنگ پھینکنے کے لیے
چاند نے شب کے وقت بے شمار پھولوں کے کاسے بھر دیے (یعنی شبنم سے)

شعر۔ لے لالہ کے کانسے کسنبا بھرے
سرنگ اپنی سرخاب چولی کرے
(مطلب) لالہ کے کاسے لے کر اس میں کسنبا بھرا
اور اس سے سرخاب نے اپنی چولی سرخ رنگی

شعر۔ ے شب گوش تے صندل و ارگجا
لیا کبک قریاں نے کسوت بھجا

(مطلب) شب کو گوش سے صندل اور ارگجا لیا
اور اس سے کبک اور قمری نے اپنا لباس بھگویا رنگا

شعر۔ پیالیاں ہیں بلبل ہوئی پیش دست
دسیں سرخ کے نین لالی سوں مست

(مطلب) پیالہ نوشوں میں بلبل پیش پیش تھی
اور سرخے کی آنکھیں لالی سے مست تھیں

شعر۔ اُٹھے کوئلاں مست ہو ہانک مار
اُٹھی کوک کوکیاں تے بے اختیار

(مطلب) کوئلیں مست ہو ہو کر چہچہا رہی تھیں
اور کوکے بے اختیار ہو کر کوک رہے تھے

شعر۔ سر آلخ کا جا دم کوں بھڑنے لگیا
گنوا ہوش لوٹن نے لڑنے لگیا

(مطلب) لقا کبوتر کا سر دم سے جا لگا
اور لوٹن مدہوش ہو کر لڑنے لگا

شعر۔ لولاٹے پراں سات دسنک بجا
کولاٹیاں لگے مارنے جا بجا

(مطلب) گرہ باز پروں سے دستک بجا رہے تھے
اور جگہ جگہ قلابازیاں کھا رہے تھے

شعر۔ کلافر کے گل کیا فلونیاں جو کھاے
فصاحت سوں رانویاں نے پاتاں میں آے

(مطلب) طوطے قرنفل کے پھولوں کے جوب
کھا کھاکر بڑی فصاحت سے باتیں کررہے تھے

اس بیان میں نصرتی نے بیسیوں ایسے پرندوں کے دکنی نام لکھے ہیں جن کی شناخت میں بڑی مشکل پڑتی ہے۔ لیکن یہ بیان تصنّع اور آورد سے خالی نہیں۔

اس کے بعد باغ کے میووں کا ذکر کیا ہے۔ شروع میں تمہید کے طور پر چند شعر میووں کے بننے، نشو و نما پانے اور پکنے میں صانع کی قدرت کو کس خوبی سے دکھایا ہے:

شعر۔ ہر یک رکھ تے نعمت دو سرجا کہ خام
کرے آب سوں آگ کی پختہ تمام

(مطلب) ہرایک درخت سے ایک خام نعمت پیدا ہوتی ہے
جو آگ کے پانی سے پختہ کی جاتی ہے

شعر۔ زہے بن کے میویاں کے صانع نول
نپاتا ہے کڑوے کسالے اوّل

(مطلب) میووں کا صانع بھی کیا عجیب ہے کہ
اول اول انھیں کڑوے کسیلے بناتا ہے

شعر۔ دھرے کیا سواد اس کی قدرت کا ہات
پکاتیں میٹھے یوں کرے جوں نبات

(مطلب) اس کی قدرت کے ہاتھ میں کیا لذّت ہے
کہ انھیں پکاکر مصری سا میٹھا کردیتا ہے

شعر۔ میٹھے بیر و خوشے خوش انگور کے
صفا تر ثریا تے پر نور کے

(مطلب) میٹھے بیر اور انگور کے خوشے
پُر نور ثریا سے بھی زیادہ روشن ہیں

شعر۔ دیکھو ٹک تفاوت سوں کر یک نظر
اگن کاں دھری اور میوے کدھر

(مطلب) ذرا اس تفاوت کو تو دیکھیے کہ
آگ کہاں رکھی ہے اور میوے کہاں

اب میں ایک ایسے مقام کے اشعار نقل کرتا ہوں جسے پڑھ کر نصرتی کے شاعرانہ کمال کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جب کنور چنپاوتی کو دیو کی قید سے چھڑا کر اس کے گھر لے آتا ہے اور یہ خوش خبری سن کر مدمالتی اور اس کی ماں چنپاوتی کے ہاں آتی ہیں۔ ایک دن چنپاوتی کی ماں (جو مدمالتی کی خالہ ہے) مدمالتی کو باغ میں الگ لے جاتی ہے اور باتوں باتوں میں کہتی ہے کہ ہمیں جو بیٹی کے درشن نصیب ہوئے یہ سب تیرے قدموں کی بدولت ہے اور ہم تیرے بہت ممنونِ احسان ہیں۔ مدمالتی یہ سن کر اس کا منھ دیکھنے لگی کہ یہ آپ کیا کہتی ہیں، میرا اس سے کیا تعلق! اس نے کہا میں قسم کھاتی ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ اس پر مدمالتی نے کہا کہ آخر یہ کیا معما ہے فرمائیے تو سہی۔ تب اس نے کہا اچھا پہلے میں تم سے ایک بات پوچھتی ہوں اس کا سچ سچ جواب دینا اور کوئی بات مجھ سے چھپانا نہیں، اس کے بعد میں یہ معما حل کر دوں گی۔ مدمالتی نے کہا پوچھیے۔ اس نے پوچھا کہ کچھ دن ہوئے کسی رات کو یکایک تمھاری سیج پر ایک حسین جوان آگیا تھا اور پھر تم میں باہم محبت ہو گئی تھی۔ یہ کیا بات تھی، ذرا مجھ سے کھول کے بیان کرو۔ مدمالتی یہ سن کر بہت برہم ہوئی اور کہا آپ میری بڑی ہیں اور ماں کی برابر ہیں۔ آپ کو ایسی باتیں نہیں کہنی چاہیئں۔ اس پر اس نے کہا میں خدانخواستہ تجھے الزام نہیں دیتی، تو بڑی نیک دل نیک صفات ہے۔ مگر تو کیا مجھے دلالہ سمجھی ہے جو اس

قدر بگڑ بیٹھی ۔ تو نے جو وعدہ اپنے چاہنے والے سے کیا ہے اسے پورا کر وہ ہزاروں مصیبتیں اور آفتیں جھیل کر یہاں آیا ہے ۔ اس دکھی کے حال پر رحم کر ۔ کیا تم نے ایک دوسرے کو نشانی نہیں دی تھی ؟ اب سچی بات سے کیوں مکرتی ہو ؟ مدمالتی اور بگڑتی ہے اور کہتی ہے کسی کی کیا مجال کہ مجھ تک پہنچ سکے ۔ تمھیں جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی ۔ شاید بیگانی لڑکی سمجھ کر یہ جرأت کی ہے اور اٹھ کر چلنے لگی تو خالہ نے جھٹ اس کا دامن پکڑ لیا اور کہا او ہوری مکار ! مجھے جُل دیتی ہے ۔ اچھا بتا تو یہ موتیوں کی مالا کس کی ہے ؟ پھر ایک انگوٹھی دکھا کر پوچھتی ہے کہ پہچان تو یہ کس کی ہے ؟ پھر وہ سارا قصّہ بیان کرتی ہے کہ کنور نے کس شجاعت اور بہادری سے دیو کو مارا اور چمپاوتی کو چھڑا کر لایا ۔ ہم اس کے احسان سے کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے ۔ اب تو اپنا وعدہ پورا کر اور اپنے وصل سے اسے شاد کام کر ۔ مدمالتی کا دل تو پہلے ہی سے بھرا ہوا تھا ، شرم کو بالائے طاق رکھ اپنے دردِ دل کو بیان کرتی ہے ۔ یہاں نصرتی نے بلاشبہ اپنی شاعری کا کمال دکھایا ہے اور ایسی حالت میں دل پر جو گزرتی ہے اس کیفیت کو اس خوبی اور سچائی کے ساتھ لکھا ہے کہ بے اختیار تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ کہیں تو اس نے فطرتِ انسانی کی اس صداقت کو دکھایا ہے جو میر حسن کی مثنوی میں نظر آتی ہے اور کہیں وہ نسیم کی طرح تصنّع اور تکلف سے کام لیتا ہے ۔ گلشنِ عشق میں یہ دونوں رنگ نظر آتے ہیں ۔ کہتا ہے کہ جب اس پر یہ بات کھل گئی کہ خالہ کو سارا راز معلوم ہے تو اس کی یہ حالت ہو گئی ۔

شعر ۔

ہتوتے او جب ہت کا بارا چھٹا
سو تن من مین تب مرتے دھڑکا اٹھا

(مطلب)

جب دوست کی یاری کا ذکر چھڑا
تو اس کے تن من میں از سرِ نو آگ بھڑک اُٹھی

شعر ۔

نچھل موم باتیاں نمن استخواں
سلگ تن کے فانوس میں رہے نہاں

(مطلب)

ہنڈیاں خالص موم بتیوں کی طرح سے
تن کے فانوس میں جلنے لگیں

شعر۔ سو پر تاپ ادک روپ سارا ہوا
سرب سرخ تن جو انگارا ہوا

(مطلب) اس کا جمال گرمی سے چمکنے لگا
اور اس کا سرخ بدن انگارے جیسا ہوگیا

شعر۔ دھری جوش دھک سوں درونے کی دیگ
سو پکنے لگیا دل کلیجے سوں بیگ

(مطلب) اس آگ سے دل کی دیگ ابلنے لگی
اور کلیجا پکنے لگا

شعر۔ نکل بھار چلنے اوساساں کی بھاپ
چلیا جل اوبل چک سوں آپس تے آپ

(مطلب) آہوں کی بھاپ باہر نکلنے لگی
اور آنکھوں سے آنسو خود بخود بہنے لگے

شعر۔ کیتک وقت پر جوش جبروا کے سب
کہی کھول پھل پھانک سے نرم لب

(مطلب) تھوڑی دیر تک اس نے اپنے جوش کو ضبط کیا
اور پھر برگِ گل سے نرم لبوں سے کہنا شروع کیا

اب اپنا دردِ دل اس طرح بیان کرتی ہے:

شعر۔ کہ اے مائی کیاری کری اب توں گھات
جو کاڑی میرے پاس دشمن کی بات

(مطلب) اے اماں! تونے مجھے یہ کیا دکھ دیا ہے
کہ اس دشمن کا ذکر چھیڑ دیا

شعر۔ نہ کہہ ساوٗ اس بل گھنوری اہے
دلاں کی پھبے اس کوں چوری اہے
(مطلب) اسے ساہو نہ کہو وہ تو غارت گر لیٹرا ہے
دلوں کی چوری اسے سزاوار ہے

شعر۔ چھپے چھند سوں کینا اچنبک پچھاں
ادی رات کوں بھاکے جاتا ہے کھاں
(مطلب) مخفی فریب سے نادر مال کو پہچان کر
آدھی رات کے وقت لوٹ کے لے گیا

شعر۔ سمجھتا ہے ایسی وہ جادو گری
کھنا جس کا شاگرد اچھے سامری
(مطلب) وہ جادوگری کا ایسا ماہر ہے کہ
سامری اس کا ادنیٰ شاگرد ہے

شعر۔ نجانوں کہ کیا سحر کر کے نظیر
یکایک دروڑا سٹیا مجھ مندھیر
(مطلب) نہ معلوم کیسا عجیب جادو کر کے
اس نے یکایک میرے محل پر دھاوا کیا

شعر۔ جگاکر اپس مکھ کی مشعل کی تاب
ستم چھین لیتا میٹھی مجتے خواب

(مطلب) اپنے مکھ کی مشعل کی روشنی سے
اس نے عمداً میری خوابِ شیریں چھین لی

شعر۔ دوجی تے ہو جب کھول دیکھی نین
ہوا تس اجالے سوں بےتاب من

(مطلب) پریشان ہوکر جب میں نے آنکھ کھولی
تو اس کے اجالے سے میرا من بےتاب ہوگیا

شعر۔ وہیں عشق کی سوز لا بار بار
میرے دل کوں کیتا ادک بےقرار

(مطلب) فوراً عشق کا سوز بار بار لگاکر
میرے دل کو نہایت بےقرار کردیا

شعر۔ پرم بھر کی بھاکر میرے بس منے
بھولا کرلیا کھینچ آپس منے

مطلب میرے دل میں کچھ ایسا محبت کا جادو ڈال دیا
کہ مجھے خودفراموش کرکے اپنی طرف کھینچ لیا

شعر۔ یو مجھ دل کا دھن مینج مجھ ہات سوں
اسے کاڑدی سوز کے گھات سوں

(مطلب) میرے دل کی دولت میرے ہاتھ
سے سوز کا دکھ دے کر چھین لی

شعر۔ گھنوری پن اس دھات حالی کیا
سرب لوٹ من تن کوں خالی کیا
(مطلب) فی الحال اس طرح غارت گری کی
کہ سب کچھ لوٹ میرا تن من خالی کردیا

شعر۔ پڑی نیند یکایک وو جب بھول ڈاٹ
سو ویسے ہیں نھاٹیا گلا سکھ کا کاٹ
(مطلب) جب آنکھ لگ گئی اور بھول غالب آگئی
تو ویسے میں میرا سکھ چھین لے کر بھاگ گیا

شعر۔ صبا ہوے پہ جب کھول دیکھی نین
دسیا نین سو یک تل بھی مجھ تن ہیں من
(مطلب) صبح ہوئے پر جب آنکھ کھول کے دیکھا
تو تن ہیں دل کا نام و نشان نہ تھا

شعر۔ لوٹے جاکے تن من کا کہنا سگل
بیٹھی ہو کے مفلس دیوالا نکل
(مطلب) تن من کی ساری دولت لٹ گئی
اور میں مفلس دیوالیا ہو کر رہ گئی

شعر۔ ولے اُن لگایا سو مشعل کی سوز
ادک ہوے پلپل کوں مجھ تن ہیں روز
(مطلب) لیکن وہ جس نے یہ آگ لگائی تھی
وہ لحظہ بہ لحظہ میرے دل ہیں کھپا جاتا تھا

شعر۔ بره کی اوبالاں جو ہے تن منجھار
اوک جوش سوں جیو کوں ہوے کونڑ بار

(مطلب) جدائی کی آگ جو تن بدن میں لگی ہوئی ہے
اس کے بے حد جوش سے دل منقبض رہتا ہے

شعر۔ اوساساں نہ کچھ مک ستی بھاسکوں
نہ چک تھے انجھو بھار ٹک لیاسکوں

(مطلب) نہ منھ سے آہ نکال سکتی ہوں
اور نہ آنکھ سے آنسو باہر لاسکتی ہوں

شعر۔ یکٹ نت رہوں غم سوں کر سر تلار
نہ کوئی بانٹ لیوے میرے دل کا بار

(مطلب) ہمیشہ تنہا اور غم سے سرنگوں رہتی ہوں
کوئی ایسا نہیں جو میرے دل کے بوجھ کو بانٹ لے

شعر۔ ٹلے دن تو ہر کیوں سہیلیاں سنگات
پڑے پن بجر سل ہو سینے پہ رات

(مطلب) دن تو جوں توں سہیلیوں کے ساتھ کٹ جاتا ہے
لیکن رات چھاتی پر پہاڑ ہوجاتی ہے

شعر۔ زر ایں اگن تن پہ سارے لگیں
گلاں سیج کے مجھ انگارے لگیں

(مطلب) لباس وغیرہ بدن پر آگ معلوم ہوتے ہیں
اور سیج کے پھول انگارے

شعر۔ چندر مجھ اوپر زہر کا ہو ایاغ
دیوے ہر ستارا میرے دل پہ داغ

(مطلب) چاند میرے لیے زہر کا پیالہ ہے
اور ہر ہر ستارا میرے دل پر داغ دیتا ہے

شعر۔ اوک سوز لگ مجھ تلپنا پڑے
اُسی گھات کے باج تپ نا پڑے

(مطلب) سوزشِ دروں سے میں تڑپتی رہتی ہوں
اور اس دکھ بغیر مجھے قرار بھی نہیں

شعر۔ نسنگ زور سوں چھٹ اُساساں کا باؤ
دیوے جوش سوں دل کے دریا کوں تاؤ

(مطلب) آہوں کا طوفان اس زور سے چلتا ہے
کہ دل کا دریا اس سے سخت جوش میں آجاتا ہے

شعر۔ تریاں نین کی تب ابلنے لگیں
امنڈ تن کی خشکی پہ چلنے لگیں

(مطلب) تب آنکھوں کی مچھلیاں (آنسو) ابلنے لگتی ہیں
اور امنڈ کر تن کی خشکی پر چلنے لگتی ہیں

شعر۔ ہوے سیج بھر جل سمندر نمن
پڑے تس گھڑی سخت غوطے میں من

(مطلب) پانی سے بھر کر سیج سمندر ہو جاتی ہے اور
اس وقت دل سخت غوطے کھانے لگتا ہے

شعر۔ بچاری صبا دیکھتے دوڑ آئے
پکڑ ہات ڈبتے کوں کڑ کے لگائے
(مطلب) یہ دیکھتے ہی بچاری صبح دوڑتی آتی ہے
اور ہاتھ پکڑ کر ڈوبتے کو کنارے لگادیتی ہے

شعر۔ رین کل مکھی سنگ تو بر آئے نا
دیکھن زرد رو دن کوں بھی بھائے نا
(مطلب) سیاہ رو شب سے صحبت گوارا نہیں
اور نہ زرد رو دن کا دیکھنا بھاتا ہے

شعر۔ اچھے لس تو دوزخ تے کالی کٹھن
دسے دن تو روزِ قیامت کا دن
(مطلب) رات دوزخ سے بھی زیادہ تاریک اور کٹھن ہے
اور دن قیامت کا دن ہے

شعر۔ مرے سر ٹلیں یوں کٹھن ماہ و سال
خدا بن کہوں کس سوں مجھ دل کا حال
(مطلب) یہ کٹھن زمانہ اس طرح مجھ پر گزرتا ہے
خدا کے سوا اپنے دل کا حال کس سے کہوں

شعر۔ کہ ناچار اچھے رو ریا کے بدل
سو ہنس کھیل گنا سکیاں ہیں سگل
(مطلب) ناچار پاسِ خاطر کے لیے
میں سہیلیوں میں ہنس کھیل کے وقت گزار دیتی ہوں

شعر۔ جو دیکھوں بجھا تو دسے نین میں
جو بولوں نچن تو بسے بین میں

(مطلب) غور سے دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں نظر آتا ہے
اور جو بات کرتی ہوں تو بیان میں بسا ہوا ہے

شعر۔ گر اچھتا تو کچھ بھی مرے ہاتھ بس
تو اس وقت یک تل لے نا کر السں

(مطلب) اگر میرے بس میں کچھ بھی ہوتا تو
میں اسی وقت بلا تامّل

شعر۔ سو ہر کیوں وو دل چور کا کھوج پوچ
پھر اُس لوٹ لیتی محبت سوں ووچ

(مطلب) کسی نہ کسی طرح اس دل کے چور کا سراغ لگاتی
اور محبت کے زور سے اسے لوٹ لیتی

ایک دوسرے مقام پر بھی اسی کیفیتِ فراق کو بیان کیا ہے جس کے چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

شعر۔ نہ سکتی تھی رہ جو جنی باج نل
نہ بھاوے سکیاں وو جو بیٹھیں تو مل

(مطلب) وہ جو ماں کے بغیر ایک لحظہ نہ رہ سکتی تھی
اور سہیلیوں کے بغیر جسے چین نہ آتا تھا

شعر۔ بچن ان کے دل پر اسے بار ہوے
جو تستے خلل ذکر دلدار ہوے

(مطلب) اب ان کی باتیں اسے ناگوار ہوتی تھیں
کہ اس سے ذکرِ دلدار میں خلل آتا تھا

شعر۔ ہو باول ادک جوں پیے پر شراب
پوچھے کوئی اُسے کچھ تو دے کچھ جواب

(مطلب) جیسے کوئی شراب پی کر پاگل ہو جاتا ہے
اس سے پوچھتے کچھ ہیں اور جواب کچھ دیتا ہے

شعر۔ رکھے گرچہ تس کھار ناچار تن
دھرے جیوں کوں پن آپنے یار کن

(مطلب) اگرچہ وہ بظاہر یہاں ہے
لیکن جی اس کا یار میں ہے

شعر۔ دوجا دھیان تس دل انگے پست اچھے
نت اپنچھ اپیں حال میں مست اچھے

(مطلب) کوئی دوسرا خیال اس کے سامنے ہیچ تھا
اور وہ ہمیشہ اپنے حال میں آپ مست تھی

شعر۔ لبد میں وہی یاد کرتیں سجن
ادٹھے بول یکایک سوتا جوں سپن

(مطلب) لبوں پر اسی کی باتیں تھیں جیسے
کوئی خواب میں سوتے سے بول اٹھتا ہے

شعر۔ دھرے بانہہ اپس اپنے سینے سوں تنگ
که گلہار تھے وصل کے یار سنگ

(مطلب) وہ اپنے بازو اپنے سینے سے لپٹائے رکھتی تھی
کہ وصل کے روز یہ یار کے گلے کے ہار تھے

شعر۔ چوسے لب کا اپنچہ اپن رنگ رس
شکر ہوئے تھے امرت تے سربت سرس

(مطلب) اپنے لبوں کو خود ہی چوم چوم کر مزہ لیتی
کہ وہ آبِ حیات سے بھی زیادہ شیریں ہوگئے تھے

شعر۔ زباں سے ہووے اس کوں کرہم کلام
نکالے نہ چک غیر کا مکھ تے نام

(مطلب) وہ اسی سے ہم کلام رہتی تھی
اور بھول کر بھی زبان سے کسی دوسرے کا نام نہ لیتی تھی

شعر۔ لگیا تھا کر اپنا سوتس تن کو تن
اپس چھاؤں کوں نا لگن دے چرن

(مطلب) چوں کہ اپنا بدن اس کے بدن کو لگا تھا
اس لیے وہ اپنے سایہ کو بھی اپنا قدم نہیں لگنے دیتی تھی

شعر۔ رہیا تھا کہ اس روپ اپس چک بہتر
نہ لگنے دیوے آرسی کی نظر

(مطلب) چوں کہ اس کا جمال کبھی اپنی آنکھوں میں رہا تھا
اس لیے آئینے کی نظر بھی اُسے نہ لگنے دیتی تھی

شعر۔ تس او کلق ناکل پڑے چک اُسے
اسی بیچ تھا روز سکھ دُکھ اُسے

(مطلب) اُس بے قرار کو بھولے سے بھی قرار نہ آتا تھا
اسی میں ہمیشہ اس کا سکھ دکھ تھا

شعر۔ پیا باج سنگار کام آ ے نا
نہ کچھ غم کے پیرایہ بن بھاے نا

(مطلب) بغیر محبوب کے سنگار بے کار ہے
اور غم کے پیرایہ بغیر کوئی چیز نہیں بھاتی

شعر۔ نہ کوئی یک علاج اس کو صحت کرے
دوگن درد کوں پھر نصیحت کرے

(مطلب) اُسے کوئی علاج کارگر نہ تھا
نصیحت سے اس کا درد اور بڑھتا تھا

شعر۔ کہتی تھی سو او کچھ بھی اول بچن
سنے پر سہیلیاں کا بھرتا تھا من

(مطلب) پہلے وہ کچھ کچھ باتیں بھی کر لیتی تھی
جن کو سن کر اس کی سہیلیوں کا دل بھر آتا تھا

شعر۔ وہ سب ہاتھ سے طرح دیتی چلی
چپی کے چپی دل تے لیتی چلی

(مطلب) اب وہ بھی موقوف ہوگئیں
اور اب خاموش دل ہی دل میں گھٹتی تھی

شادی کی مجلس میں راگ رنگ کا ذکر کیا ہے ۔ چند شعر اس مقام کے بھی نقل کیے جاتے ہیں :

شعر۔ طرب بخش مطرب میٹھے تان اُچایئں
سو گیانی بجا گیان ہور گن سے گایئں

(مطلب) سرور بخش مطربوں نے میٹھی تانیں لینی شروع کیں
اور گویوں نے گیان اور گن سے گانا بجانا شروع کیا

شعر۔ یتا کچھ بلندی دھری خوش سبد
دیکھیں پھاڑ پردے کو زہرہ لبد

(مطلب) خوش آواز کی بلندی ایسی تھی
کہ زہرہ جبینیں پردے پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی

شعر۔ چتر نازنین پاتراں چھند باز
جو تھیاں لاکھ خوبی سوں عاشق نواز

(مطلب) پر ہنر جادو کار نازنین ناچنے والیاں
ہزارہا خوبیوں سے عاشق کا دل چھیننے والی تھیں

شعر۔ للکتیاں چلیں چھب کی جب چاؤ سوں
خمیں قد جوبن بار کے تاؤ سوں

(مطلب) جب وہ ناز و ادا سے مٹکتی چلتی تھیں
تو جوبن کے بارے ان کے قد خم ہو جاتے تھے

شعر۔ لبد سحر کا حقہ لبدا نہار
سبد بدکوں افسوں ہو لیجا نہار

(مطلب) جادو کار لب فریفتہ کرنے والے تھے
اور آواز کے افسوں سے عقل گم تھی

شعر۔ ہر یک چھب میں دھرتیاں ہزاراں سوزیب
ہر یک فن میں کرتیاں ہزاراں فریب

(مطلب) ایک ایک ادا میں ہزاروں زیبائشیں
اور ایک فن میں ہزاروں جادو تھے

شعر۔ وو کس کاس ٹھاریاں رہیاں چین بند
دیکھاتے ارت بھاؤ سوں چھپ کے چھند

(مطلب) وہ کسی کسائی آراستہ کھڑی تھیں
اور ارت بھاؤ سے ادا کے ہنر دکھارہی تھیں

شعر۔ لگی ناچنے آجو ہر گن بھری
اپس فن میں اُڑتی دسے جوں پری

(مطلب) ہر ایک گن بھری جب ناچنے لگی
تو اپنے فن کے زور میں پری کی طرح اڑتی دکھائی دیتی تھی

شعر۔ کیا یوں میٹھا راگ رنگ رس بھرا
بسر سد سبک سیر چندر ہریا

(مطلب) جب میٹھا رسیلا راگ گایا
تو سبک سیر چاند کی بھی عقل گم ہوگئی

شعر۔ فلک چرخ کھانے کی گت بھول گیا
سورج کے جھریاں کا بہتا جل رہیا

(مطلب) آسمان گھومنے کی گت بھول گیا (کھڑا رہ گیا)
اور سورج کے جھرنوں سے بہتا جل رک گیا (بہتا جل بمراد شعاعیں ہیں)

شعر۔ پون کا تزنگ ہو رہیا کہنہ لنگ
ہوا کند تر تیز اگن کا فرنگ

(مطلب) ہوا کا گھوڑا لنگڑا ہو کے رہ گیا
اور آگ کی تیز تلوار کند ہو گئی

شعر۔ دیا سوز گانے سے ققنوس کوں
رولایا دیکھا ناچ طاؤس کوں

(مطلب) گانے سے ققنوس کے دل میں سوز پیدا کردیا
اور ناچ دکھا کر طاؤس کو رلا دیا

شعر۔ لجایاں تماشے سوں گیانیاں کے من
بھولایاں نزاکت سوں سب انجمن

(مطلب) ان کے تماشے سے اہلِ ہنر شرمندہ
اور ان کی نزاکت سے اہلِ انجمن مبہوت ہوگئے

اس کے بعد دعوت کے کھانوں کا ذکر کیا ہے، شاید ہی کوئی کھانا، ترکاری، پکوان اور پھل بچا ہو۔ یہ بیان طویل ہے اور اس کا نقل کرنا بے مزہ ہوگا۔ کھانوں کے بعد آتش بازی کا نمبر آتا ہے۔ یہاں بھی نصرتی حسبِ عادت تمام آتش بازیوں کا بیان نام لے لے کر

کرتا ہے۔ غرض شادی کے جتنے لوازم اور رسوم ہیں ان سب کا ذکر دل کھول کر کیا ہے۔ اس میں اس نے ہر موقع کے مناسب اس قدر الفاظ استعمال کیے ہیں کہ اس سے اس کی وسعتِ معلومات اور قدرتِ زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔ جی تو چاہتا ہے کہ بعض بعض حصّے نقل کیے جائیں لیکن طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتا ہوں۔

قصّہ ختم ہونے کے بعد خاتمۂ کتاب ہے جس میں بادشاہ کی مدح اور اپنی مثنوی کی تعریف اور اس کی خصوصیت بیان کی ہے۔ اپنی کتاب کی خوبی اور بادشاہ کی قدردانی کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

کیا ہوں کتاب اب یو تصنیف میں
بھریا تس میں تیری جو تعریف میں

دروں نے کا ات فکر سوں کھود کھن
نکالیا ہوں کئی رنگ برنگی رتن

یتے جوہراں میں جو کاڑیا ہوں آج
سچ یو نہ پایا ہوں دقت کے باج

جو سب نس فلک کھائے خونی جگر
تو یک بار لاتا ہے روشن گہر

رہنا کر مشقت کی اپنی پچھال
شفق کر دکھاتا ہے لہو کی نشاں

کتا ہوں مشقت مری کھول میں
گہر کیں نہ رکھتا ہوں بے ڈول میں

ہر یک سخت الماس کوں کر تلاش
بنایا ہوں کئی بار پھر پھر تراش

ہر یک نگ پہ جڑنے رتن بر محل
کیا ہوں کتی بار اپس لہو کا جل

ہر یک سطر ہے گرچہ نیلم کی لڑ
معانی کے ہیں لعل ایکس یک تے چڑ

مرا لعل ہر یک دیکھت نامدار
کیے ہیں رتن پارکھی سب قرار

اچھاے تو جیتا یہ جاوے بلند
وتا نقد دینا بی ہے سود مند

دیکھو مول اس لعل کا کیا چڑیا
اچھا لیا سو طاق فلک پر چڑیا

اتا شاہ بن مول کن لے سکے
جوہر لعل کا یوں بہا دے سکے

نہا کوئی متاع اس کے ناسار اچھے
یو نت جگ میں جگ جگ رہنہار اچھے

اس کے بعد بتاتا ہے کہ میں نے اس کتاب کے لکھنے میں کیا کیا ہنر اور حکمتیں کی ہیں۔

خصوصاً جو میں قصۂ بے مثال
کہ الحق ہے مجھ فہم کا یک خیال

مری طبع کے تیز تازی کے تیں
پون سوں کر ہنار بازی کے تیں

اُبلتا سو دیک آپ تے ٹھان میں
لے آیا سو قصّے کے میدان میں

نہ مجھ دل منگیا تیوں پھرایا اوسے
نہ جوں تھا دکھانا دکھایا اوسے

نہ ہر ٹھار دیتا ہوں جولان میں
تھپک چپ چلایا ہوں گردان میں

دھر اس شعر کی اصل خوبی کا بھاؤ
نکالیا ہوں قصہ کی شاخاں تے تاؤ

بنی بات کو کیں کیا مختصر
کہیں مختصر کوں بڈھایا سنور

کہیں چپ روایت کیا حسبِ حال
کہیں طبع کے لے چلیا خوش خیال

کہیں بول گت میٹھ صافی کیا
کہیں دقتِ موشگافی کیا

بندیا ارت کیں ہر کسی فہم کا
رکھیا بھاؤ کیں بادشہ وہم کا

بکٹ فن ہے آسان شہ تجھ اگل
کہ ہے توں کرنہار مشکل کوں حل

آخر میں کتاب کا نام اور سنہ تالیف کو نظم کیا ہے۔

محبت کی پا باس ہر ٹھاؤں میں
رکھیا گلشنِ عشق کر ناؤں میں

دھریا اس کی تاریخ یوں ہجرتی
مبارک یو ہے ہدیۂ نصرتی

اس سے ۱۰۶۸ھ ہجری نکلتے ہیں۔

مجھے یو تو ہے جیوتے پیاری کتاب
کہ ہے عشق سوں پُر یہ ساری کتاب

اور اس کے بعد دعا پر کتاب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

میرے پاس اس کتاب کے کئی نسخے ہیں لیکن سب سے قدیم سنہ ۱۰۹۳ھ یعنی تالیف سے ۲۵ سال بعد کا ہے۔ اس میں کتاب کے ختم پر ایک رباعی بھی درج ہے جو بلاشبہ نصرتی کی معلوم ہوتی ہے اور اس مثنوی کی تعریف میں ہے۔

جے گل ہے نزاکت کا نول اس بن میں
یک رنگ پیالا اہے اپس فن میں
ہو طبع معطر دسے رنگین نظر
جن سیر کرے عشق کے اس گلشن میں

— :: —

(۲)

علی نامہ

ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۶ء) میں جب مغلوں اور سلطان بیجاپور میں مصالحت ہوگئی اور جنگ و پیکار کا خاتمہ ہوگیا تو سلطان محمد عادل شاہ کو اپنی حکومت کی توسیع اور فروغ کا موقع ملا۔ اس نے بیس سال کے عرصے میں اپنی حکومت کو انتہائے عروج تک پہنچا دیا اور اس کی قلمرو بحرۂ عرب سے خلیج بنگال تک جا پہنچی۔ جب محمد عادل شاہ کا انتقال (۱۰۶۷ھ/ ۱۶۵۶ء) ہوا تو اس کے ملک کا سالانہ محاصل ۷ کروڑ ۸۶ لاکھ تھا اور اس کے علاوہ باج گزار ریاستوں سے سوا پانچ کروڑ روپیہ سالانہ بطور خراج کے اور وصول ہوتا تھا۔ فوج میں اسی ہزار سوار اور اڑھائی لاکھ پیدل اور ۵۳۰ جنگی ہاتھی تھے۔ اگر باج گزار ریاستوں کو بھی ملا لیا جائے تو ایک طرف اس کے علاقے میں بمبئی کے اضلاع کنارا اور دھارواڑ تھے اور دوسری طرف مدراس کے

اضلاع کرنول اور ریاست میسور کا بہت سا حصّہ۔ اس سے عادل شاہ کی قلمرو کی عظمت و شان کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

باپ کی وفات پر علی عادل شاہ ثانی کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔ امرا میں حسد و رقابت کی آگ بھڑک رہی تھی، سرحدی صوبوں پر بغاوتیں نمودار ہو رہی تھیں، اس پر اورنگ زیب کی چڑھائی اور بعض عادل شاہی امرا کی غداری نے طرح طرح کی پیچیدگیاں اور پریشانیاں پیدا کر دی تھیں، تاہم بیجاپور برابر مقابلہ کرتا رہا۔ اتنے میں اورنگ زیب کو دکن کی مہم چھوڑ کر دہلی جانا پڑا۔ وہاں تخت و تاج اس کے انتظار میں تھے۔ اس سے بیجاپور کو دم لینے کا موقع مل گیا۔ علی عادل شاہ نے بڑی ہمت اور ہوشیاری سے کام لیا اور اپنی حکومت کو سنبھال لیا وہ خود میدانِ جنگ میں آیا، شیواجی کی بڑھتی ہوئی قوت کو روکا، کرنول کے حبشی سرداروں کو نیچا دکھایا، راجہ بدنور کی سرکوبی کی اور آخر میں مغلوں کے فوجی سیلاب کو جو جے سنگھ کی سرکردگی میں بڑھتا ہوا چلا آرہا تھا، پیچھے ہٹایا۔

اِس مثنوی میں جو "علی نامہ" کے نام سے مشہور ہے اِنھیں مہمات کے کارنامے ہیں۔

نصرتی کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے تاریخی واقعات کو صحیح ترتیب، بڑی احتیاط اور صحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ حسنِ بیان اور زورِ کلام کے تمام اسلوب ہوتے ہوئے کہیں تاریخی صحت سے تجاوز نہیں کیا۔ تاریخ سے واقعات کو ملائیے کہیں فرق نہ پائیے گا۔ بلکہ بعض باتیں شاید اس میں ایسی ملیں گی جن کے بیان سے تاریخ قاصر ہے۔ باوجود اس کے واقعات کی تفصیل، مناظرِ قدرت کی کیفیت، رزم و بزم کی داستان اور جنگ کا نقشہ کمالِ فصاحت و بلاغت اور صناعی سے کھینچا ہے۔ اردو زبان یوںہی رزمیہ نظموں سے خالی ہے اور ایک آدھ رزمیہ نظم جو اس سے قبل لکھی گئی ہے وہ ہرگز اس کو نہیں پہنچتی۔ یہ رزمیہ مثنوی ہر لحاظ سے ہماری زبان میں بے نظیر ہے۔

اس نظم کے تفصیلی بیان سے قبل ایک بات اور لکھ دینی چاہتا ہوں جس کا جاننا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مغلوں اور بیجاپوریوں کی اس جنگ میں شیواجی کو بہت بڑا دخل ہے۔ جب بیجاپوری حکومت نے اس کا قافیہ تنگ کیا تو مغلوں کی منت سماجت کر کے ان سے جا ملا

اور بیجاپور کی فتح کا سبز باغ دکھایا اور جب کسی قدر آزادی ملی اور پھر لوٹ مار شروع کی اور مغلوں نے دبایا تو بیجاپوریوں اسے ساز باز کرلیا۔ بعد میں اگرچہ حکومتِ بیجاپور اور مغلوں میں اتحاد تو ہوگیا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے سے بدگمان رہے۔ حکومت بیجاپور کو یہ بدگمانی تھی کہ مغل شیواجی سے درپردہ ساز رکھتے ہیں اور مغل یہ سمجھتے تھے کہ حکومتِ بیجاپور خلافِ معاہدہ پوشیدہ طور سے شیواجی کی امداد کرتی ہے۔ ان دونوں کی بدگمانیاں کچھ بے جا نہ تھیں اور اس کی وجہ سے انھوں نے بہت کچھ نقصان اٹھایا۔ ان تاریخی الجھیڑوں کو چھوڑ کر اب ہم اصل کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اس مثنوی میں بھی نصرتی نے وہی اہتمام کیا ہے جو گلشنِ عشق میں پایا جاتا ہے، یعنی ہر باب کا عنوان ایک شعر ہے جس میں اس باب کے اصل واقعے کا خلاصہ یا اشارہ اس شعر میں آجاتا ہے۔ عنوان کے یہ تمام شعر ایک بحر اور قافیے میں ہیں۔ ان تمام اشعار کو یک جا جمع کرلیا جائے تو لامیہ قصیدہ ہو جائے گا جس میں مثنوی کا سارا مضمون آجائے گا۔ کتاب کا عنوان یہ دو شعر ہیں :

حمد اول ہے خدا کا کہ جنے روزِ ازل
دیا ہے ہمتِ مرداں کو جو توفیق سوں بل
رکھا اس نامۂ نامی کا علی نامہ نانوں
تا جنم جگ یو زمانے کے گلے ہوئے ہیکل[1]

اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ حسبِ معمول اول حمد ہے۔ نصرتی کے حقیقی شاعر ہونے میں کلام نہیں، اس نے یہ التزام رکھا ہے کہ جس رنگ کی مثنوی ہے اسی رنگ کی حمد بھی ہو یعنی عشقیہ مثنوی کی حمد عاشقانہ ہے جیسا کہ گلشنِ عشق کے بیان میں ذکر ہوچکا ہے اور رزمیہ مثنوی کی حمد شانِ رزم رکھتی ہے۔ چند ابتدائی شعر ملاحظہ ہوں :

---

[1] ایک دوسرے نسخے میں یہ مصرع یوں ہے :
"جس کی ہر رزمیہ رستم کے گلے کا ہو ہیکل"

شعر۔ سراناں سرے اس سکت دار کوں
کہ آدھار ہے جن نرا دھار کوں

(مطلب) تعریف اس قوی قادر کو زیبا ہے
کہ جو بے آسراؤں کا آسرا ہے

شعر۔ سکندر کوں دارا پہ جن جس دیا
ادک گج تھے شرزے کے ہت کس دیا

(مطلب) جس نے سکندر کو دارا پہ غلبہ دیا
اور شیر کے پنجے کو ہاتھی سے زیادہ قوت بخشی

شعر۔ دیا یوں توں رستم کے پنجے میں زور
پڑیا ڈر تھے جس دل میں دیواں کے شور

(مطلب) تو نے رستم کے دست و بازو میں وہ زور دیا
کہ اس سے دیووں کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی

شعر۔ نھنا ساچ ہیرا نپا کھن سے
بڑا بل دیا پیسنے گھن منے

(مطلب) ننھا سا ہیرا کان میں پیدا کیا
اور گھن کو اس کے پیسنے کی کتنی بڑی قوت دی

شعر۔ دکھت سرکش آتش میں باد غرور
چھنے ہت تھے پانی کے تس مکھ تھے نور

(مطلب) سرکش آگ میں کس قدر بادِ غرور نظر آتی ہے
آخر اس کے منھ کا نور پانی کے ہاتھوں چھینا گیا

شعر۔ کرنہار غالب کوں مغلوب دے
طلب کی ہے طالب کا مطلوب دے

(مطلب) وہی غالب کو مغلوب کرنے والا ہے
اور وہی طالب کی طلب کا مطلوب ہے

شعر۔ الٰہی قوی توں سرے تجھ سکت
نہ دیتا توں بھاتا رتی کس کے ہت

(مطلب) الٰہی تو قوی ہے اور قوت تجھی کو سزاوار ہے
تو اگر نہ دیتا تو کسی کے ہاتھ کچھ نہ آتا

شعر۔ نھنے اور بڑے ہیں تھیں حد بندیاں
دونوں میں تو شمشیر کا سد بندیا

(مطلب) چھوٹے اور بڑے میں تونے حد باندھی
اور دونوں میں تلوار کی دیوار کھڑی کردی

شعر۔ کہ کوئی کس اوپر دانٹ آنا سکے
گر آدے اچھوتا وہ جانا سکے

(مطلب) تاکہ ایک دوسرے کو دبا نہ سکے
اور جو دبائے تو اچھوتا نہ بچ سکے

شعر۔ سکت پائے کوئی دیس موذی اگر
وبال اس پہ دے جیونکہ چینٹی کوں پر

(مطلب) اگر کچھ دن کسی موذی کو زور حاصل ہو بھی گیا
تو چیونٹی کی طرح اسے پر دے کر وبال نازل کرتا ہے

اس کے بعد خدا کے عدل کی تعریف کرتا ہے کہ کس طرح موذیوں کو قابو میں رکھتا ہے اور موقع موقع سے غضب اور کرم کرتا ہے۔ چوں کہ یہ رزمیہ نظم ہے اس میں تلوار کی تعریف کرتا ہے کہ خدا نے اس میں کیا کیا جوہر رکھے ہیں اور اسے وہ قوت دی ہے کہ ایک ایک کونے سے لاکھوں خزانے باہر نکال لاتی ہے۔ اور آخر میں کہتا ہے

کیا توں لوہا نامۂ صلح کل

یعنی تلوار ہی صلح کا نامہ ہے، اس کے بغیر امن نہیں ہوتا۔

لوہے کوں کیا توں سفر کا رفیق
لوہا نیں تو زر دشمنِ ہر طریق
لوہے بن نکوی یار جانی ہے ہور
لوہے تیغ ہے یار جانی کوں زور

پھر بڑی خوبی سے لکھتا ہے کہ ہر شے جسے خدا نے بڑائی دی ہے اسے اس کی حفاظت کے لیے ہتھیار بھی دیے ہیں۔

شعر۔ توں سرجا ہے جسے شے بزرگی کے کاج
کیا نیں بڑا اُس کو ہتھیار باج

(مطلب) تو نے جس کسی کو بڑائی کے لیے پیدا کیا ہے
اسے بغیر ہتھیار کے نہیں رکھا

شعر۔ فلک کوں جو تاریاں کی جوشن دیا
ملمع سے چندنی کے روشن کیا

(مطلب) آسماں کو تونے تاروں کا جوشن دیا
اور اسے چاندنی کی جگمگاہٹ سے روشن کیا

شعر۔ دیا تس کھڑک سورسا تابدار
سورج کوں دیا خنجرِ آبدار

(مطلب) اور اُسے سورج سی چمکتی ہوئی تلوار دی
اور سورج کو خنجرِ آبدار عطا کیا

شعر۔ سمندر میں موجاں ہتھیاراں کی فوج
جواہر کے ہتھیار پانی کی موج

(مطلب) سمندر کی موجیں گویا ہتھیاروں کی فوج ہے
اور جواہر کے ہتھیار پانی کی موج ہے (آب)

شعر۔ دیا آگ کے ہت توں خنجر ہزار
کرے باؤ پر دم بدم تیز دھار

(مطلب) تو نے آگ کو ہزاروں خنجر دیے ہیں
جو ہر دم ہوا پر اپنی دھار تیز کرتی رہتی ہے

شعر۔ نہ کرنے برس ابر عالم کو غرق
دیا رعد کے ہات توں تیغِ برق

(مطلب) مبادا بادل برس کر دنیا کو غرق کر دے
تو نے رعد کو برق کی تلوار دی

شعر۔ سورج کی ہتیں روز کھڑ سان کاڑ
دیوے نور کی مہ کے خنجر کو باڑ

(مطلب) تو ہر روز سورج کی سان (فسان) کو باہر نکالتا ہے
تاکہ چاند کے خنجر کو نور کی باڑ دے

شعر۔ سپر کی تو صورت دیا پھول میں
نشاں بھال کا غنچۂ مقبول میں
(مطلب) پھول کو تونے سپر کی صورت دی
اور غنچہ میں بھال کا نشان رکھا ہے

شعر۔ توں باگاں کوں خنجر سوں چڑنکہ دیا
دسن گج کوں کر گرز بیشک دیا
(مطلب) تونے شیروں کو خنجر سے بڑھکر ناخن دیے
اور ہاتھی کو دانت سا گرز دیا

شعر۔ کیا خنجر مار پُر زہر توں
بچھو ہت دیا نیزۂ قہر کوں
(مطلب) سانپ کو زہر بھرا خنجر دیا
اور بچھو کو نیزۂ قہر عطا کیا

شعر۔ نظر میں توں خوباں کوں تیزی دیا
توں چھب کی کھڑگ میں ستیزی دیا
(مطلب) تونے معشوقوں کی نظر میں تیزی رکھی ہے
اور چھب کی تلوار کو جنگ کی قوت دی

شعر۔ صباحت میں دے توں ملاحت کا آب
رکھیا حسن کی تیغ کا جگ پہ داب
(مطلب) صباحت میں ملاحت کی رونق ملاکر
تونے دنیا میں حسن کی تلوار کو شوکت بخشی

شعر۔ لینے ملک جاں خوبرویاں کی نین
دیا ہے توں تیر و کماں ان کوں عین
(مطلب) اقلیم جان کی تسخیر کے لیے تونے خوبرویوں
کی آنکھوں کو تیر و کمان عنایت کیے

شعر۔ جنوں کا پلک مارنا بھوں چڑا
خدنگ ناز کا دل میں چھوڑیں گڑا
(مطلب) جن کا بھویں تان کر پلک مارنا
گویا ناز کے تیر کا دلوں میں گڑونا ہے

غرض شاعر نے ہر شے میں اس کی اپنی حفاظت یا دوسروں کے بچاؤ یا تسخیر کے لیے طرح طرح کے ہتھیار پیدا کیے ہیں۔ حمد کے دو چار شعر اور لکھتا ہوں جس سے نصرتی کے شاعرانہ کمال کا اندازہ ہوگا۔

شعر۔ سکت تجھ ہے دریا کوں ماٹی میں داب
پون پر نپانا گگن کا حباب
(مطلب) یہ تیری ہی قدرت ہے کہ سمندر کو مٹی میں دبا کر
ہوا میں آسمان کا حباب بنایا

شعر۔ سبھوں کا سمجھ تھک رہا ہے یہاں
کہ یک بُڑبُڑے میں بسایا جہاں
(مطلب) سب کی عقل حیران ہے کہ ایک
بلبلے میں یہ سارا جہان کیوں کر بسادیا

شعر۔ لکھن ہار ہر نقش توں بے قلم
سفیدی سوں کے رنگ نپجائے جم

(مطلب) تو بغیر قلم کے نقش و نگار کرنے والا ہے
اور سفیدی سے بیسیوں رنگ پیدا کرتا ہے

شعر۔ ہمن عقل تجھ حکمتاں پاس یوں
سوا لاک پربت پہ چھنٹ ہے جوں

(مطلب) ہماری عقل تیری حکمت کے سامنے ایسی ہے
جیسے سوا لاکھ پہاڑوں پر ایک چیونٹی

شعر۔ ترے یک پنے پر دھریں اتفاق
موحد و ملحد میں نیں یہاں نفاق

(مطلب) تیری وحدت پر سب کو اتفاق ہے
اس میں ملحد و موحد کا اختلاف نہیں

شعر۔ دھنی توچ ہے مسجد و دیر کا
ہنیں سب سبب صلح ہور بیر کا

(مطلب) مسجد و دیر کا مالک تو ہی ہے
اور تو ہی صلح و عداوت کا سبب ہے

یہ آخری شعر کس قدر بلیغ ہے۔ یعنی مسجد و دیر سب تیرے ہی ہیں اور یہ جو آپس میں صلح یا عناد ہے وہ سب تیری ہی وجہ سے تو ہے۔ یعنی تیری ہی ذات و صفات کی بحث اور جھگڑے کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوئے اور ملتوں میں تفرقہ ہوا۔ غرض اتفاق ہو یا نفاق وہ تیری ہی

تلاش میں ہے اور اس لیے تیرا ہی ان سب میں ظہور ہے۔ اس کے آگے کہتا ہے:

شعر۔ ترا انت پانے میں سب جگ ہے غرق
بڑا پن پچھانت میں فرقیاں میں فرق

(مطلب) تیری انتہا پانے میں سارا زمانہ منہمک ہے
البتہ تیری عظمت کے پہچاننے میں بہت کچھ فرق ہے

شعر۔ نہ پائے تیری ذات کوی بجز صفات
ہر ایک گھٹ میں گھٹ ہو یو یک دھات بات

(مطلب) سوائے صفات کے تیری ذات کو کوئی نہ پا سکا
اصل یہ ہے کہ تو ہر جگہ ساری ہے

شعر۔ نظر کر کہ میں دیکھتا ہوں جسے
تو ہر گھٹ کے گھر میں دوا توں دسے

(مطلب) جب میں غور سے دیکھتا ہوں
تو ہر جسم کے گھر میں تو ہی ایک چراغ نظر آتا ہے

شعر۔ اگر دینِ حق کے نہ قابل اہیں
ولے تیری وحدت کے قائل اہیں

(مطلب) جو دینِ حق کی صلاحیت نہیں رکھتے
وہ بھی تیری وحدت کے قائل ہیں

اب مناجات میں سے چند شعر نقل کرتا ہوں، چوں کہ یہ شعر آسان ہیں اس لیے ہر شعر کے معانی یا مطلب لکھنے کی ضرورت نہیں۔

پلا مجھ محبت کا ایسا شراب
کہ ہو مست بسروں دو جگ کا حساب

مرے مکھ تے کاڑ اس اثر کا کلام
کہ ہر بول ہوے مے پرستاں کوں جام

دمر ہنار اثر حال کا قال دے
دلاں کوں جم اس قال تے حال دے

بھریا رکھ مرے دم میں افسوں سدا
کہ جگ ہوے مسخر یو سن کر ندا

مرے شعر سوں زندہ کر ہر شعور
سچ مجھ بچن تے توں کر جگ میں پور

مری بات انگیں بحث کر سب کی رد
سخن کر مرا عارفاں میں سند

سیاہی کوں کر میری ظلمات دھات
قلم میں مرے خضر کی دے صفات

کہ ظلمات میں اس جو یو خضر جاے
برسنے کوں امرت ابھال ہو کر آے

(یعنی جب یہ خضر (قلم) ظلمات (دوات کی روشنائی) میں جائے تو امرت، برسنے کے لیے ابر ہو کر آئے۔

مرے فن کے بن کوں عطا کر او آب
کہ ہر پھول ہوے چشمۂ پر گلاب

ہر ایک پھول کوں دے توں اس دھات رنگ
کہ ہوے ہر صبح دیکھ خورشید دنگ

خیالاں کوں مجھ باؤ کی اوج دے
طبیعت کوں دریا کی نت موج دے

(یعنی میرے خیالات کو ہوا کی سی بلندی عطا کر اور میری طبیعت کو دریا کی سی موج دے۔)

مری جیب کوں سیف کر آبدار
عنایت کی رکھ دم سوں نت تیز دھار

(یعنی میری زبان کو شمشیرِ آبدار بنادے اور اپنی عنایت کے دم (سان) سے اس کی دھار ہمیشہ تیز رکھ)

کہ ٹک جس طرف آپڑے وو زباں
گزر جاے کر موشگافی وہاں

(کہ جس طرف وہ (زبان) ذرا پھر جائے تو وہاں سے موشگافی کرتی ہوئی نکل جائے۔

ذکرِ معراج کی تمہید شبِ معراج کے وصف سے اس طرح شروع کی ہے۔

شعر۔ مرصّع کی کسوت سوں یک نس سنوار
رکھی آرسی چاند کی بر منجھار

(مطلب) رات نے زرق برق مرصع لباس پہنا
اور چاند کا آئینہ بغل میں لیا

شعر۔ جگا جوت نا دیکھ تس ابرہن
اندھارے لیا موج سورج نین

(مطلب) اس زرق برق لباس کو دیکھ کر سورج چکاچوند
میں آگیا اور اپنی آنکھیں میچ لیں

تیسرا شعر کیا اچھا لکھا ہے۔

جو خوش مکھ پہ زلفاں پریشاں کرے
ہریک سیام بادل کو گریاں کرے

یعنی اگر وہ رخ زیبا پر زلفیں پریشاں کر دے تو کالے بادل اسے دیکھ کر پانی پانی ہو جائیں۔

جب صاحب لولاک عرش کے مقام خاص پر پہنچتے ہیں تو لکھتا ہے:

دسیا روپ پردے میں دو بے حجاب
کہ جس نور کے ذرہ کئی آفتاب

سمجھنے کی ہے بات کر دل کوں جمع
کہ فانوس میں کیئں بھی چھپتی ہے شمع

اسی بیان کے آخر میں اس نے چاروں اصحاب کا ذکر ضمناً اس طرح کر دیا ہے کہ جب آں حضرت معراج سے واپس آئے تو اپنے چاروں اصحاب سے اس کا ذکر کیا اور ہر ایک صحابی کے ساتھ صرف ایک ایک لفظ تعریف کا لکھ دیا ہے۔ لیکن حضرت علی کی منقبت اس نے الگ لکھی ہے۔

اس منقبت کے ضمن میں حضرت بندہ نواز کی مدح بھی لکھ گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہیں:

مجھ اپنے کرم ساتھ کر شاد کام
کہ ہوں تجھ کمینہ غلط کا غلام

جسے ناؤں عالم میں بندہ نواز
محمد حسینی ہے گیسو دراز

محبت سوں اپنے تو فرزند کی
تو دل جوئی کارن یو دلبند کی

بنچانے کو اس تشنگی کتے جلا
محبت کا یک جام ایسا پلا

جو سب تن میں حق عشق کا چڑ اثر
قیامت کی رہوں ہول تے بے خبر

اب سلطان علی عادل شاہ ثانی کی مدح شروع کرتا ہے ؛

شعر۔ بکھانوں اتا مدح شاہ زماں
کہ ثانی سکندر ہے صاحب قراں

(مطلب) اب میں شاہ زماں کی مدح بیان کرتا ہوں
جو صاحبِ قرآن اور سکندرِ ثانی ہے

شعر۔ قلم آج جو مجھ جہاں گیر ہے
صفت شہ کے لکھنے کی تاثیر ہے

(مطلب) یہ بادشاہ کی صفت لکھنے کی تاثیر ہے
کہ میرا قلم آج جہان پر چھایا ہوا ہے

شعر۔ زہے شاہ عادل سخی و لی
علی ابن سلطاں محمد بلی

(مطلب) شاہ عادل پر آفریں ہے جو ولی اور شجاع ہیں
اور جن کا نام علی بن سلطان محمد ہے

شعر۔ جو میں ورد تجھ اسم اعظم کیا
بچن سوں مسخر تو عالم کیا

(مطلب) جب سے میں نے تیرے اسمِ اعظم کا ورد کیا ہے
میرے کلام نے سارے عالم کو مسخر کر لیا ہے

شعر۔ دکھن نت ہے اس فخر کتے باغ باغ
کہ تس گھر ہے تجھ سا گہر شب چراغ

(مطلب) دکھن اس فخر سے پھولا نہیں سماتا
کہ اس کے گھر میں تجھ سا لعلِ شب چراغ ہے

شعر۔ ہر ایک دیپ تجھ دیپ آنا ضرور
کہ سب ملک اندھارا دکھن پر ہے نور

(مطلب) ہر چراغ کا تیرے چراغ کے پاس آنا لازم ہے
کیوں کہ سارے ملک میں اندھیرا ہے اور صرف دکن روشن ہے

شعر۔ تیرا چتر خورشید کا سایہ بان
منگے تجھ علم کا پناہ آسمان

(مطلب) تیرا چتر آفتاب کا سایہ بان ہے
اور آسمان تک تیرے جھنڈے کی پناہ مانگتا ہے

شعر۔ تری ذات کتے ہے شجاعت کو ناؤں
کہ پالیا ہے کر تیغ کی جس پہ چھاؤں

(مطلب) شجاعت کا نام تیری ذات سے ہے
کیوں کہ تو نے اسے تلوار کی چھاؤں تلے پالا ہے

شعر۔ صفت تجھ کھڑگ صف میں کرتیں بیاں
پڑے ہوں میں چیٹی کی آڑی زباں

(مطلب) اپنی صفوں میں تیری تلوار کی صفت کرتے کرتے
چیونٹیوں کی زبان لال ہے

شعر۔ ترے ہت تھے نت آبرو پاے تیغ
کہ جوں فیض پاتا ہے دریا تھے میغ

(مطلب) تیرے ہاتھ سے تلوار ہمیشہ اس طرح آبرو پاتی ہے
جیسے بادل دریا سے فیض پاتا ہے

شعر۔ شرارے تری تیغ کے بے شمار
کریں دل کے بادل میں بجلیاں ہزار

(مطلب) تیری تلوار کے بے شمار شرارے
لشکر کے بادل میں ہزاروں بجلیاں پیدا کرتے ہیں

شعر۔ سورج کانپتا نت ترے بیم میں
فلک سرنگوں تیری تعظیم میں

(مطلب) سورج ہمیشہ تیرے خوف سے کانپتا ہے
اور فلک تیری تعظیم میں ہمیشہ سرنگوں ہے

شعر۔ ترے قہر کے بحر کا تیغ موج
ترے خنگ تل گرد دشمن کی فوج

(مطلب) تیرے قہر کے بحر کی موج تلوار ہے
تیرے گھوڑے کے نیچے دشمن کی فوج گرد ہے

شعر۔ پون تے سبک سیر تیرا ترنگ
چندر جس کی جلدی اگیں کہنہ لنگ

(مطلب) تیرا گھوڑا ہوا سے زیادہ تیز ہے
اور اس کی تیزی کے آگے چاند لنگڑا ہے

شعر۔ دِس آوے جدھر فتح کا تجھ نشاں
کہے الاماں تب زمین آسماں

(مطلب) تیرا فتح کا نشاں کہیں نظر آتا ہے
تو زمیں آسماں اس سے امان مانگتے ہیں

شعر۔ دندی دیکھ تجھ مکھ انکھیاں موچتا
کہ توں مار اوّل پچھیں پوچھتا

(مطلب) دشمن تیرا چہرہ دیکھ آنکھیں میچ لیتا ہے
کہ تو پہلے مارتا اور بعد میں پوچھتا ہے

شعر۔ کھڑگ جب توں جھلکاے صف میں نکال
دس آوے ہو ٹکڑے گگن جیوں ابھال

(مطلب) جب تو صفِ فوج میں اپنی تلوار نکال کر چمکاتا ہے
تو آسماں بادل کی طرح ٹکڑے ٹکڑے نظر آتا ہے

اسی نہج سے بادشاہ کی شجاعت اور دلیری کی تعریف کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی سخن سنجی اور علم پروری کا ذکر کرتا ہے۔ نمونے کے طور پر چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

شعر تری بات تھے نیشکر رس بھرے
تجھ انکھیاں تھے مے مست ہو سُدھ ہرے

(مطلب) تیری باتوں سے نیشکر رس حاصل کرتا ہے
اور تیری آنکھیں دیکھ شراب مست ہوکر ہوش وحواس کھو بیٹھی ہے

شعر۔ ترا ذہن رزمل تیرا طبع صاف
سخن ہنج باریک بیں موشگاف

(مطلب) تیرا ذہن پاک اور تیری طبع صاف ہے
تو سخن سنج، باریک بیں اور موشگاف ہے

شعر۔ ترے دل کے دریا کا، شعر ایک ہے موج
فلک پست جاں تجھ خیالاں کی فوج

(مطلب) شعر تیرے دل کے دریا کی ایک موج ہے
جہاں تیرے خیالات کا لشکر پہنچتا ہے وہاں فلک پست ہے

شعر۔ ترا شعر ہر مردہ دل کو جسنم
کرے خضر بھر خوش مسیحا کا دم

(مطلب) تیرا شعر ہر مردہ دل کو زندہ کرتا ہے
اور خود خضر ایسے مسیحا کا دم بھر کر خوش ہوتا ہے

شعر۔ سکے شاعراں شعر تے تجھ شعور
دھریا طبع موزوں تے تجھ نظم نور

(مطلب) شاعروں نے تیرے شعر سے شعور سیکھا ہے
اور نظم نے تیری طبع موزوں سے نور حاصل کیا ہے

مدح شاہی کے بعد سببِ نظمِ کتاب کی باری آتی ہے۔ اسے بھی نصرتی نے کسی قدر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ چاندنی رات کا سماں، بادشاہ کا دربار لگا ہوا ہے، فضلا و شعرا جمع ہیں جن میں خاص کر یہ صاحبِ کمال قابلِ ذکر ہیں۔

قاضی کریم اللہ، جنھوں نے سب سے پہلے نصرتی سے اس مثنوی کے لکھنے کی فرمائش کی، چنانچہ وہ لکھتا ہے :

زہے حاکم شرع والا نژاد
سو قاضی کریم اللہ فرخ نہاد

خلاصے سوں رکھ مجھ رخن ان نظر
کیا ریز یوں خوش سخن کے گہر

کہ پنچیا ہے جد تھے جہاں میں کھڑگ
مغل کی یتی فوج کو آج لگ

علی تر یتی شاہ عادل کے بن
کھڑگ جل میں یوں نین ڈوبایا ہے کن

دسیا سو تماشا نظر کی حضور
ہوا نصرتی پر تو لکھنا ضرور

دوسرے صاحب شاہ نور اللہ ہیں جنھوں نے فارسی نثر میں اس عہد کی تاریخ لکھی ہے۔ نصرتی نے ان کی بہت تعریف کی ہے، چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :

مدبر بڑا رائے زن دور بیں
قوی رکن ہے سلطنت کا یقیں

مقرب بڑا شہ کی درگاہ کا
بڑا معتبر معتمد شاہ کا

زہے شاہ نور اللہ فرخندہ نام
منوّر ہے جس فضل تھے جگ تمام

کہ جب شاہ عادل علی کامگار
جو بے مثل کرنیاں کیا نامدار

وہ سب لکھ کے تاریخ میں خوب دھات
کیا نت حوالے زمانے کے ہات
کیا جیوں وہ تاریخ لکھنی شروع
ہوا فیضِ حق تس کی جانب رجوع
سفینہ جو تاریخ کا لکھ کے پاس
دسے یوں جو دیکھیں تو اہلِ قیاس
مضامین کی ایک سطر ان کی موج
عبارت کے دریانے پکڑیا ہے اوج
سلاست میں پانی کی صافی دھرے
فصاحت میں امرت کی شیری دھرے
نظر میں اگر سنبلستاں دسے
حقیقت میں رنگیں گلستاں دسے

تیسرے صاحب شاہ ابوالمعالی ہیں۔

نسب میں سیادت سوں عالی اہے
تو تس ناؤں شا بوالمعالی اہے

اس باب کی تمہید بہت خوب ہے وہ چند شعر یہاں نقل کرتا ہوں:

شعر۔ جو یک تس ستاریاں کی مجلس ہو جمع
اتھی بیچ روشن سپورن کی شمع

(مطلب) ایک رات ستاروں کی مجلس جمع تھی
اور ان کے بیچ میں ماہِ کامل کی شمع روشن تھی

شعر۔ اجالے سوں تس خانۂ آسماں
رہیا تھا ہو پر نور خوش تا بداں

شعر۔ ہوا کی تھی سالو کی کسوت یقیں
تکٹ اوڑھ بیٹھی تھی ساری زمیں

(مطلب) ہوا نے سالو کا لباس پہن رکھا تھا
اور ساری زمین بادلے میں ملبوس تھی

شعر۔ دیا چاند گاراں کو ہیریاں کی تاب
کیا سنگ ریزیاں کو بلور ناب

(مطلب) چاند نے (گارا) پتھروں میں ہیروں کی سی چمک پیدا کردی تھی
اور سنگ ریزے خالص بلور معلوم ہوتے تھے

شعر۔ نظر میں جو لیانا لگے آب کوں
بسرنا پڑے صاف سیماب کوں

(مطلب) پانی کی یہ حالت تھی کہ اسے دیکھ کر
آدمی سیماب کو بھول جائے

شعر۔ نظارے میں نظراں دھرے گلشنی
صفائی سوں پکڑے دلاں روشنی

(مطلب) اس نظارے سے نظروں میں گلشن کا سا سماں تھا
اور اس کی صفائی سے دلوں میں روشنی آتی تھی

اس تمہید کے بعد دربار کی خوبی اور اُن چند صاحبوں کی تعریف کی ہے جن کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ رات کا جلسہ برخاست ہوتا ہے، مگر نصرتی کو رات بھر بے چینی رہتی ہے کہ کتاب لکھنے کی کیسی کرےگی اور یہ مشکل کیوں کر حل ہوگی۔

موے پر تو اسے فکر مشکل پڑی
طبیعت چلانے کو او کھل کھڑی

رہیا تھا اسی آکر حیرت میں جیوں
کرن مشکل آساں منگیا حق نے یوں

صبح ہوتے ہی بارگاہ شاہی میں پہنچتا ہے اور وہی رات کا تذکرہ پیش آتا ہے۔

ٹلی رات بعد از ہوا صبح دیں
اتہا تب تلک شہ کی درگاہ میں

دکھت مجہ رخن شاہ عالم نواز
کرن سے کے خدمت بڑے سرفراز

معمے سے ظاہر اشارت کیے
دلے دل کوں دل سوں بشارت دیے

کہا میں کہ بندے میں یو کاں ہے حد
کہوں تب جو استاد کا ہوے مدد

(یعنی مجھ میں اتنی سکت کہاں ہے البتہ استاد (یعنی بادشاہ) کی مدد ہو تو یہ کام سرانجام ہو سکتا ہے)۔

اس کے بعد اپنے کلام کی تعریف اور کچھ تعلّی کرتا ہے اور فخریہ کہتا ہے کہ میں نے اس حقیر زبان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ ان باتوں کا ذکر کسی دوسرے مقام پر آئے گا۔

اب کتاب کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے۔ پہلے بادشاہ کی تخت نشینی کے جشن، شہر کی آرائش اور رعایا کی خوشی کا ذکر کرتا ہے۔

گھرے گھر نوی شادمانی ہوئی
زمانے کو پھر نوجوانی ہوئی

اور اس جشن کے بیان کو دعا پر ختم کرتا ہے۔

جشن کے بعد نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں اول وہ دکن کی بادشاہت پر نظر ڈالتا ہے

اور لکھتا ہے کہ جب اس ملک میں کوئی نیا بادشاہ تخت پر جلوہ گر ہوتا ہے تو سلطنت کی حالت بھی دگرگوں ہو جاتی ہے ۔ دوست دشمن، مخالف موافق تاک میں رہتے ہیں اور بادشاہ کو اپنی سلطنت سنبھالنے کے لیے بڑی ہوشیاری، مصلحت اندیشی اور احتیاط سے کام کرنا پڑتا ہے ۔ بادشاہت بھی شطرنج کی سی بازی ہے ۔ ہر شاطر کی چال جدا جدا ہے ۔ جب کوئی کھیلتے کھیلتے بازی چھوڑ کے چل دیتا ہے تو دوسرے کو وہی بازی کھیلنی پڑتی ہے اور جب تک وہ اسے پورے طور سے نہیں سمجھ لیتا اس کا کھیلنا سخت دشوار ہوتا ہے ۔ (یعنی جب ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ آتا ہے تو جب تک وہ امورِ سلطنت کے اسرار سے کما حقہٗ واقفیت حاصل نہیں کر لیتا اسے سخت مشکل پیش آتی ہے) ۔ اس میں بڑی دور اندیشی اور احتیاط سے کام کرنا پڑتا ہے ۔ جو کہیں سے مخالف کو ہٹانا ہو تو اپنا ایک آدھ مہرہ کھونا پڑتا ہے ۔ ہر طرف نظر رکھنی پڑتی ہے کہ دشمن دھوکا نہ دے جائے ۔ جو کوئی اس طرح کھیل پر قابو حاصل کر لے تو وہ "پیادمات" (پیدل مات) دے سکتا ہے ۔ اس عام حالت کا نقشہ کھینچنے کے بعد وہ بتاتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے مرنے اور علی عادل شاہ ثانی کی تخت نشینی پر ملک کی کیا حالت تھی ۔ اب میں اسی کیفیت کو نصرتی کے الفاظ میں دکھانا چاہتا ہوں ۔ نصرتی نے جو کچھ لکھا ہے تاریخوں سے اس کی حرف بحرف تصدیق ہوتی ہے ۔

شعر ۔ که القصہ یو بادشاہی کے کام
درست ہوئیں لگ اور غنیماں تمام

(مطلب) غرض امورِ سلطنت کی اصلاح ہونے
تک تمام بد نہاد مخالفوں نے

شعر ۔ کھنے ہور بڑے تھے سو سب بدنہاد
اُچائے وہ چارو طرف سے فساد

(مطلب) بد نہاد مخالفوں نے (خواہ چھوٹے خواہ بڑے)
چاروں طرف سے فساد برپا کر دیا

شعر۔ مخالف تو اکثر منافق ہوے
موافق بی کے ناموافق ہوے

(مطلب) جو منافق تھے وہ تو خیر مخالف ہو ہی گئے
لیکن بعض موافق بھی مخالف بن گئے

شعر۔ بڑی رج کی شہ اپنے کم سن منے
نوی بادشاہی نوے دن منے

(مطلب) اس کم سنی پر بھی بادشاہ نے بڑی ہمت کی
(حالاں کہ) اس کی نئی نئی بادشاہی اور نیا زمانہ تھا

شعر۔ گُبل سخت بازیانچ پڑنے لگیاں
بڑیاں شدّتاں روز گھڑنے لگیاں

(مطلب) بیڈھب اور سخت بازیاں پڑنے لگیں
اور ہر روز شدید سانحے پیش آنے لگیں

شعر۔ وے شاہ ہمت سوں رکھ دل قوی
نوے کام پر کر تردد نوی

(مطلب) لیکن بادشاہ نے ہمت کرکے دل قوی رکھا
اور ان نئی مشکلات کی فکر کرنے لگا

شعر۔ یک یک کام لگ بل سوں ساندن لگیا
یک یک تہ تردد سوں باندن لگیا

(مطلب) ایک ایک کام کو وہ اپنی قدرت سے سدھارنے لگا
اور ایک ایک پیچیدگی کو سلجھانا شروع کیا

شعر۔ اگن بن وہ فتنے کی چوندھیر سوں
اٹھی تھی وو شمشیر کے نیر سوں

(مطلب) لیکن فتنے کی وہ آگ جو تلوار کی
آب سے ہر طرف بھڑکی ہوئی تھی

شعر۔ اُبسے یک طرف تھے بجاویں تلگ
اٹھے بھی وہ دسرے رخن تھے سلگ

(مطلب) ابھی ایک طرف سے بجھنے نہ پاتی تھی
کہ دوسری طرف سے سلگ اٹھتی تھی

شعر۔ بزرگی جسے ات خداداد ہے
دل اُس کا نبڑپن میں پولاد ہے

(مطلب) لیکن خدا جسے بزرگی دیتا ہے
لڑکپن میں بھی اس کا دل فولاد ہوتا ہے

جب شیواجی کی فتنہ انگیزی حد سے بڑھی تو علی عادل شاہ نے افضل خاں کو اس کی سرکوبی کے لیے متعین کیا۔ افضل خاں نے جب اپنے دلیرانہ حملوں سے اس کا قافیہ تنگ کیا تو عاجز ہوکر اس نے صلح و عفو کی خواہش کی۔ افضل خاں نے صاف دلی سے اسے منظور کرلیا اور پھر جس طرح شیواجی نے دغا سے افضل خاں کو قتل کیا ہے وہ ایک تاریخی واقعہ ہے جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ اس واقعہ سے علی عادل شاہ کو سخت رنج اور صدمہ ہوا اور اس نے اپنے ایک امیر سیدی جوہر کو صلابت خاں کے خطاب سے سرفراز کرکے اس مہم پر روانہ کیا۔

ان واقعات کو نصرتی کی زبان سے سننا بہتر ہوگا۔ یہ واقعات نصرتی کی آنکھوں کے سامنے پیش آئے ہیں، وہ بیجاپوری ہے اور بادشاہ کا ملازم خاص، اس لیے وہ اپنے مخالفوں

کی شان ہیں جو کچھ کہتا ہے اسے تحمل سے سننا چاہیئے ۔
شیواجی کی فتنہ انگیزی اور اس کی عام سیرت کے متعلق اس کا بیان سنیے ۔

شعر۔ جو کوئی کار بد کا جو پاپی ہے بد
ہوا ناؤں تس لعنتی تا ابد

(مطلب) جو پاپی برے کام کا بانی ہوتا ہے
اُس کے نام پر قیامت تک لعنت پڑتی رہتی ہے

شعر۔ خدا پاس نا اس کوں بہبود ہے
خلائق کنے تو وہ مردود ہے

(مطلب) خلقت میں وہ مردود ہے اور خدا
کے ہاں بھی اس کی بخشائش نہیں

شعر۔ اتا بات کوں کاڑ موذی کا نام
کہ قائم ہوا فتنہ جس تھے تمام

(مطلب) اب اس موذی کا نام لو
جس سے یہ تمام فتنہ برپا ہوا

شعر۔ سیوا کر جو ایک فتنہ انگیز تھا
بڑا چور موذی و خوں ریز تھا

(مطلب) سیوا نامی جو ایک فتنہ انگیز تھا
وہ بڑا چور موذی اور خوں ریز تھا

شعر۔ دکن کی زمیں بیچ تخم فساد
جو پیریا سو اول یہی بد نہاد

(مطلب) دکن کی سرزمین میں اول اول جس
نے فساد کا بیج بویا وہ یہی بد نہاد تھا

شعر۔ رعیت جتا خوار اوس شوم تے
ہوا ملک ویرانہ تس بوم تے

(مطلب) رعیت اس شقی سے پریشان وخوار تھی
اور ملک اُس بوم سے ویرانہ ہوگیا تھا

شعر۔ جو بد اصل تھا سو بڑا ہور نھنا
سکیا اِس تھے صاحب سے باغی پنا

(مطلب) جتنے چھوٹے بڑے کم اصل تھے
ان سب نے اپنے آقا سے بغاوت سیکھی

ذیل کے پہلے شعر میں وہ اس کے مقامِ سکونت کو بتاتا ہے ۔

شعر۔ دکھن ہور مغلائی کے درمیان
وطن دھر کہستاں میں تھا نہاں

(مطلب) دکن اور سلطنت مغلیہ کے درمیانی
کوہستاں میں اس نے اپنا مسکن بنا رکھا تھا

شعر۔ بھریا تھا سب اس ذات میں مکر وریو
دسے آدمی روپ پر نسل دیو

(مطلب) اس کی ذات مکر و دغا سے بھری ہوئی تھی
دیکھنے میں انسان شکل تھا مگر اصل میں نسلِ دیو تھا

شعر۔ دکھاوے جو ٹک اپنی تلبیس کوں
لگے وِلاد لاحول ابلیس کوں
(مطلب) اگر ذرا اپنی شیطنت دکھائے
تو ابلیس بھی لاحول پڑھنے لگے

شعر۔ فرنگی تھے تھا کفر میں ات اشد
کرے دین سوں دشمنی سخت بد
(مطلب) کفر میں فرنگی سے بھی اشد تھا
اور دین سے سخت دشمنی رکھتا تھا

شعر۔ نہ اس قتل حج تھی عبادت کتنی
حرم میں بی سپڑے تو تھا کشتنی
(مطلب) قتل اس کے نزدیک حج سے بھی بڑی عبادت تھی
یہ حرم میں بھی ہاتھ لگے تو گردن زدنی ہے

آخری شعر کے دوسرے مصرع کی حیثیت تاریخی ہوگئی ہے۔ روایت یہ ہے کہ سکندر عادل شاہ کے عہد میں جب اورنگ زیب کی فوج نے اہلِ بیجاپور کو بالکل تنگ اور عاجز کردیا تو وہاں کے چند علما لشکرِ عالم گیری میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ جہاں پناہ عالم باعمل، زاہد و متقی، متشرع و متدین ہیں اور پیشگاہِ خلافت سے کوئی امر خلافِ قانون و شرع صادر نہیں ہوتا۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ باوجودیکہ اس شہر و ملک کا حاکم اور یہاں والے کلمہ گو مسلمان ہیں، بادشاہی لشکر کا قہر ان پر نازل کیا گیا ہے

جس سے بے قصور رعایا سخت عذاب میں مبتلا ہے۔ اورنگ زیب نے اس کے جواب میں یہ کہلا بھیجا کہ تمھارا کہنا درست ہے، لیکن ہمیں تم سے اور تمھارے شہر اور ملک سے سروکار نہیں اور نہ تم سے ہم جنگ و قتال کا قصد رکھتے ہیں۔ مگر بات یہ ہے کہ ایک کافر فاجر حربی شقی کہ جس پر یہ قول صادق آتا ہے:

حرم میں اچھے تو بھی ہے کشتنی

تمھاری بغل میں پناہ لیے ہوئے ہے اور فساد برپا کر رکھا ہے جس سے اسلامی بلاد اور اہلِ اسلام سخت ایذا میں ہیں۔ اس فساد کا استیصال ہم پر واجب ہے[۱]۔

اورنگ زیب کے جواب میں اس مصرع کا منقول ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ نصرتی کا یہ مصرع عام و خاص میں بطورِ ضرب المثل کے مشہور ہو گیا تھا۔

غرض شیواجی کی سرکوبی کے لیے علی عادل شاہ نے افضل خاں کو بھیجا، مگر جب شیواجی نے اسے دغا سے قتل کر ڈالا تو بادشاہ بہت متفکر اور پریشان ہوا۔ اس اثنا میں سیدی جوہر نے جو کچھ عرصے سے سرکش ہو کر محمد نگر کرنول میں خود مختار بن بیٹھا تھا، عذر خواہی اور معافی کی عرض داشت بھیجی۔ بادشاہ نے اس کا قصور معاف کیا اور صلابت خاں کے خطاب سے سرفراز کر کے شیواجی کے مقابلے کے لیے بھیجا۔ بیجاپوری فوج کی روانگی کو نصرتی اس شان سے بیان کرتا ہے۔

چلیا دُھم پہ دُھم ات ترنگ ہور حشم
ہوئے آسماں ہور زمیں بیش کم
لگا نیر دسنے گھنی جا زمیں
ہوا کوں ہوا جسم پیدا یقیں

(لشکر خیل و حشم کے ساتھ اس دھوم دھام اور زور شور سے چلا کہ زمین کم اور آسمان زیادہ ہو گیا، یعنی اس قدر گرد و غبار اڑا کہ زمین کا کچھ حصہ آسمان سے جا ملا۔ زمین دھنسی

---

[۱] بساتین السّلاطین صفحہ ۵۴۲، ۵۴۳۔

جاتی تھی اور پانی نظر آرہا تھا اور گرد کی کثرت کی وجہ سے ہوا جو پہلے بے جسم تھی اب مجسم نظر آتی تھی)۔

شیواجی صلابت خاں کے مقابلے کی تاب نہ لاسکا۔ صلابت خاں نے اسے اس قدر رگیدا اور پریشان کیا کہ جب کچھ اور نہ بن پڑا تو تنگ آکر قلعۂ پنالا میں محصور ہوگیا۔ صلابت خاں نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ اب اس نے مجبور اور عاجز ہوکر خان موصوف سے خفیہ خط وکتابت شروع کی۔ یہ اس کی پرانی چال تھی۔ اور خوشامد اور چاپلوسی سے صلابت خاں کو اپنی وفاداری اور عقیدت مندی کا ایسا یقین دلایا کہ وہ بالکل اس کا ہوگیا۔ چنانچہ آدھی رات کو ملاقات کے لیے آیا۔ صلابت خاں بہت عزت وتکریم سے پیش آیا۔ دونوں میں اتحاد باہمی کا پختہ عہد ہوگیا۔ جب علی عادل شاہ کو اس کی اطلاع پہنچی تو وہ بہت برہم ہوا اور فوراً فوج لے کر موقع پر جا پہنچا۔ اس موقع پر نصرتی صلابت خاں کی اس بدعہدی کو صاف اڑا گیا ہے اور یہ لکھتا ہے کہ جب پنالہ کے محاصرے میں دیر لگی تو بادشاہ نے بہ نفسِ نفیس چڑھائی کی۔ شیواجی نے جب یہ دیکھا تو ایک روز رات کے وقت اپنے اہل وعیال اور کچھ فوج سمیت چپکے سے نکل بھاگا اور قلعہ علی عادل شاہ کے ہاتھ آگیا۔

نصرتی نے اس فتح کی خوشی میں ایک قطعۂ تاریخ اور ایک زبردست اور پرزور قصیدہ لکھا ہے تاریخ اس مصرع سے نکالی ہے۔

علی نے پل میں پنالہ لیا صلابت سوں

اس مصرع سے ۱۰۷۰ھ نکلتا ہے۔ قصیدے کا مطلع یہ ہے

جب تے فلک دیکھیا ادک سورج تری تروار کا
تب تھے لگیا تھر کاپنے ہو پر عرق یکبار کا

(یعنی جب سے فلک نے تیری تلوار کے چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا ہے تب سے وہ پسینے پسینے ہورہا ہے اور تھرتھر کانپ رہا ہے)۔ مطلع ثانی ہے:

اے شاہ عادل توں علی صاحب ہے اب سینسار کا
کفار بھنجن جگ تھمن نیں سور کوی تجھ سار کا

(یعنی اے شاہ علی عادل اس وقت دنیا کا مالک تو ہی ہے اور تو ہی کفار شکن اور عالم پناہ ہے اور تجھ سا بہادر اب کوئی نہیں ہے)۔

الفاظ کی شوکت اور قوت قابلِ ملاحظہ ہے :

قلعۂ پنالہ کی تعریف میں لکھتا ہے :

تھا ایک یک جو جگ منے او گڑ پنالے کا بلند
تھنے دھرت لنگر ہے ہور انبر کو تھام آدھار کا

(دنیا میں پنالے کا قلعہ اپنی بلندی و رفعت میں ایک ہی ہے، وہ دھرتی کا لنگر ہے اور آسمان کو سہارنے کا تھم ہے)۔

پونچے پون پیری میں جاکر گر جوانی میں چڑے
انپڑے نہ دوجی عمر لگ تس پر قیاس یک بار کا

(ہوا اگر جوانی میں اس پر چڑھے تو پیری میں جاکر پہنچے اور دوسری عمر تک بھی آخر تک نہ پہنچ سکے، اس سے قلعہ کی بلندی کا قیاس ہو سکتا ہے)۔

نیں بات کئی لگ کھ منے کے ٹھار پر پھسلے زباں
گر ناؤں کوی لینے منگے تس راہ ناہموار کا

(اگر اس کی ناہموار راہ کا نام لینا چاہیں تو بات کہنے سے پہلے اس کا نام لیے لیے تک زبان کئی بار پھسل جائے گی)۔

گڑ پر بھتے پانی تھے ات گھر گھر تو ماوراالنہر ہے
کرتا ہے رد کشمیر کوں انگن ہی ہر گلزار کا

(قلعہ پر پانی کی یہ افراط ہے کہ گویا گھر گھر ماوراالنہر ہے اور اس کے ہر گلزار کا آنگن رشکِ کشمیر ہے)۔

اس قلعے کی بلندی، ناہمواری اور دشواری کی تعریف میں بہت سے شعر ہیں۔ یہ تین چار شعر صرف نمونے کے طور پر لکھے گئے ہیں۔

اس قصیدے میں اس نے بڑا کمال یہ کیا ہے کہ ابتدا سے جو جو واقعات پیش آئے ہیں سب

کو بیان کر گیا ہے ۔ مثلاً شیواجی کی سرکشی، اس کی دغابازی، قلعۂ پنالہ کی رفعت و بلندی اور دشوار گزاری، اس کا قلعے میں سامان اور ذخیرے اور فوج کے ساتھ مضبوط ہو کر بیٹھ رہنا، صلابت خاں کا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونا، خطاب سے سرفراز کر کے سرلشکر بنانا اور شیواجی کے مقابلے کے لیے بھیجنا، جنگ کا خونخوار نقشہ، شیواجی کا قلعہ چھوڑ کر بھاگنا، بہادروں کی بہادری، علی عادل شاہ کی ہمت و دلیری، نمایاں فتح، جنگ سے بادشاہ کا مرتضیٰ آباد آنا، وہاں سے دارالخلافت کو پہنچنا، فتح کی خوشی میں رعایا کے جشن اور شہر کی آراستگی کا تفصیلی بیان، بادشاہ کی مدح و ثنا اور دعا۔

یہ تمام واقعات اور حالات خاص شاعرانہ انداز میں بڑے شکوہ و وقار کے ساتھ بیان کیے ہیں ۔ چوں کہ میں نصرتی کے قصائد پر آگے چل کر الگ تبصرہ کرنے والا ہوں اس لیے اس مثنوی کے ضمن میں اس کے قصائد کے حسن و قبح سے بحث نہیں کروں گا۔ اس قصیدے میں ڈیڑھ سو سے زائد شعر ہیں ۔ آخر میں تعلّی بھی کی ہے اور "شوقی" پر طنز کی ہے کہ اس رنگ میں دس پانچ شعر کہہ لینے سے کیا ہوتا ہے، اتنا بڑا قصیدہ لکھتا تو حقیقت معلوم ہوتی۔

دس پانچ بیت اس دھات میں کے ہیں تو شوقی کیا ہوا
معلوم ہوتا شعر اگر کہتے تو اس بستار کا

اس جنگ میں صلابت خاں کے علاوہ ایک سردار مسعود خاں[1] کی بہادری کا بھی ذکر کیا ہے لیکن شیواجی سے صلابت خاں کے خفیہ عہد و پیمان کا کہیں اشارہ نہیں کیا۔ اس کا ذکر وہ آگے کرے گا۔

دارالخلافت میں واپس آنے کے بعد علی عادل شاہ نے ملناڑ کے زمیندار کی تنبیہ کا ارادہ کیا، کیوں کہ ایک مدت سے اس نے خراج ادا نہیں کیا تھا اور طرح طرح کے فساد اور شرارتیں کر رہا تھا۔ اس لشکر کشی کے لیے سامان تیار ہو رہا تھا کہ اتنے میں خبر آئی کہ صلابت خاں نے پھر غداری شروع کر دی ہے ۔ بادشاہ نے اسے ایک نصیحت آمیز خط لکھا

---

[1] اس سے مراد سیدی مسعود ہے جو صلابت خاں کا داماد تھا۔

اور اپنے امرائے دولت ابراہیم خاں، شاہ ابوالحسن اور ملا احمد کے ہاتھ اس کے پاس بھیجا۔ ان لوگوں نے اسے بہت کچھ سمجھایا اور نشیب و فراز سمجھا کر اطاعت کی ترغیب دی اور اس بات پر راضی کر لیا کہ بادشاہ دارالخلافت سے چمگلی میں جو دریائے کرشنا کے کنارے واقع ہے، رونق افزا ہونے والے ہیں، تم اس وقت تک اپنی جگہ سے کہیں نہ جانا۔ بادشاہ کی یہ تکلیف فرمائی محض تمھاری تسکینِ خاطر کے لیے ہے۔ بادشاہ کو اس کی اطلاع دی گئی، اس نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور اس طرف روانہ ہوئے۔ پہنچنے پر سیدی مسعود داماد صلابت خاں اور شرزہ خاں نے حضور میں حاضر ہو کر صلابت خاں کی معافی اور امان کی درخواست کی۔ علی عادل شاہ نے درخواست منظور کی اور ایک فرمان صلابت خاں کی معافی کا لکھ دیا۔

نصرتی نے خط لکھنے اور امرا کے بھیجنے کا ذکر نہیں کیا۔ صرف اتنا لکھا ہے کہ بادشاہ نے ملناڑ کی طرف کوچ کیا اور جب کشنا (کرشنا) پہ پہنچا تو صلابت خاں (جو سرکشی پر تُلا ہوا تھا) یہ سن کر خوف زدہ ہوا اور حاضر ہو کر معافی کا طلب گار ہوا۔ بادشاہ نے اُسے معاف کر دیا۔

فرمانِ معافی پانے کے بعد صلابت خاں چمگلی میں حاضر ہوا اور منصب اور علاقہ کی بحالی سے سرفرازی پائی۔ بادشاہ نے اسے نواب عبدالرحیم بہلول خاں کے ہمراہ کرناٹک کی مہم پر جانے کا حکم دیا۔

شعر۔
اد کہ کرہ ٹاپاں تے دھرتی ہڈر
ٹپکنے لگے ڈونگراں جیوں کنکر

(مطلب)
گھوڑوں کے ٹاپوں سے زمین میں ایسا تہلکہ
مچا کہ چٹانیں کنکروں کی طرح ٹپکنے لگیں

شعر۔
دمامے کریں بادلاں کو ندا
جواباں میں اتھے فلک دھر صدا

(مطلب) دمامے بادلوں کو آوازیں دے رہے تھے
جن کے جواب میں آسمان سے صدائیں آرہی تھیں

شعر۔ گگن دھمدھمیاں کن دسے بے شکوہ
بچے ہو دسیں اُن کے گوداں میں کوہ
(مطلب) آسمان دمدموں کے آگے بے شکوہ نظر آتا تھا
پہاڑ ان کی گودوں میں بچے معلوم ہوتے تھے

اس جنگ کی فتح پر بھی قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے۔

علی عادل شہ غازی یو شاہ بوالمظفر کوں
دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کوں

آخر میں ایک مصرعے سے تاریخ بھی نکالی ہے

منگیاں تاریخ کہنے میں یو جب نصرت کی' ہاتف دیئں
کھیا دل سوں "کھنڈل مارے علی یک پل میں جوہر کوں"

صلابت خاں شکست کھاکر جو بھاگا تو رائچور میں جاکر پناہ لی۔ وہاں سخت بیمار ہو کر کرنول جا پہنچا۔ علی عادل شاہ نے رائچور کی طرف کوچ کیا۔ قلعہ دار سیدی جوہر' صلابت خاں کے متوسلین میں سے تھا' غداری کرنا چاہتا تھا لیکن جماعت احتشام کے سرداروں نے اُسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور قلعہ کی کنجیاں بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیں۔

شاہی فوج حسب فرمانِ بادشاہ دریائے تنگ بھدرا سے عبور کر کے اس طرف پہنچ گئی۔ سیدی مسعود (داماد صلابت خاں) نے اس پر شبخون مارا۔ لیکن شاہی لشکر کو پہلے سے اطلاع ہوگئی تھی' خوب لڑائی ہوئی۔ سیدی مسعود کو میدان چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ صلابت خاں کو اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ جانبر نہ ہو سکا۔

نصرتی نے اس کی موت پر ایک تاریخی قطعہ لکھا ہے۔ آخری شعر یہ ہے ؛

لس مرگ کے سبب کی جو تاریخ کوئی پوچھے
اے نصرتی توں بول کہ بائی ہوا موا

آخری مصرعے سے سنہ وفات نکلتا ہے جو سنہ ۱۰۷۲ھ ہے۔

صلابت کے بیٹے (عبدالعزیز) اور داماد (سیدی مسعود) نے جب رنگ بدلا ہوا دیکھا تو معافی اور جان بخشی کے لیے حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے عبدالمحمد بہلول خاں کی سفارش پر ان دونوں کو معاف کر کے خلعت و منصب عطا فرمایا۔

اب بادشاہ نے دارالخلافے کی طرف مراجعت کی۔ اس مراجعت پر نصرتی نے ایک زبردست اور پرشکوہ قصیدہ (ذومطلعین) لکھا ہے۔ جس کا پہلا مطلع یہ ہے:

اے شہ توں ہم نام علی شاہاں پہ تیری سروری
دلدل فلک کا رام تجھ کرتا زمانہ قنبری

اسی قصیدے کے ضمن میں موسم زمستاں کے حال میں ایک پرزور قصیدہ لکھا ہے۔ بحر وہی ہے مگر ردیف و قافیہ دوسرا ہے۔ اس کے ختم ہوتے ہی وہ پہلا قصیدہ مطلع ثانی لکھ کر پھر شروع کرتا ہے اور فتح کی خوشی اور بادشاہ کی واپسی پر شہر میں جو چہل پہل اور جشن ہوئے تھے ان کا ذکر کیا ہے۔ اس میں شہر کے ضابطہ حوالہ دار (کوتوال) منجھلے شاہ کے انتظام و بیدار مغزی کی بھی تعریف کی ہے۔

بادشاہ نے کچھ روز سیر و شکار کیا اور پھر دریا سے عبور کر کے قلعۂ تورگل کا رخ کیا۔ یہ سلطنت کے مستحکم قلعوں میں سے تھا۔ وہاں کے قلعدار کی کجروی اور سرکشی کی خبریں پہنچ چکی تھیں، اس لیے اس کی تنبیہ ضروری تھی۔

نصرتی اس قلعہ کی مضبوطی اور استحکام کے متعلق لکھتا ہے:

گُبل تورگل تھا ندی کے کنار
اتھا شہ کے کوٹاں میں نامی حصار

اتھی کوٹ کے ڈونگراں پر زمیں
بلندی میں افلاک سوں ہم نشیں

قوی کوٹ و محل، و بروج استوار
ندی یک طرف جس کے خندق منجھار
قدم در قدم یوں کر اڑے گبل
فلک نادسے گر پڑے پگ پھسل
فرشتیاں کا ہونا سکے جاں گزر
شیاطین کوں چھپ رہنے وہاں نظر

اس قلعدار کا نام سیدی یاقوت تھا۔ اسے جب بادشاہ کے آنے کی خبر ہوئی تو مقابلے کے لیے تیار ہوگیا۔ بادشاہ نے محاصرے کا حکم دیا۔ اس اثنا میں یہ اطلاع ملی کہ صلابت خاں نے قلعدار سے ساز باز رکھا ہے اور گولے بارود وغیرہ سے اُسے مدد پہنچا رہا ہے۔ یہ سنتے ہی محاصرے کے اٹھا لینے کا حکم دیا اور صلابت خاں کی سرکوبی کے لیے کوچ کیا۔ جب قلعۂ بھنود کے نزدیک پہنچے تو معلوم ہوا کہ صلابت مقابلے کے عزم سے قریب ہی میں آپہنچا ہے۔ غرض لڑائی ہوئی اور صلابت کو شکست ہوئی۔ فوج کی بھگدڑ میں وہ گھوڑے پر سے گر پڑا اور ایک سپاہی کے گھوڑے پر سوار ہوکر فرار ہوگیا۔

نصرتی نے اس لڑائی کا بیان یوں ہی لکھا ہے۔ تورگل کے محاصرے کے لیے جب فوج چلتی ہے تو لکھتا ہے۔

شعر۔ ہوی یوں کہتاں بیں گھوڑیاں کی چل
دیکھوڑی ہتاں میں تے نکلے ابل

(مطلب) کوہستان میں گھوڑوں کی ایسی ہل چل ہوئی کہ بلوں
میں سے مکوڑے ابل پڑے

اس مہم سے فارغ ہونے کے بعد کچھ دن بادشاہ نے دارالخلافت میں عیش و آرام سے گزارے، استنے میں محرم آگیا۔ اس موقع پر شاعر نے "قصیدۂ ذوالمطلعین در وصفِ مجلس آرائی عاشور" لکھا ہے۔ پہلے حصے میں شہادت کا کچھ ذکر ہے اور دوسرے حصے میں بیجاپور کے محرم کا حال ہے، جس میں شہر کی آراستگی، حسینی محل کی شان و شوکت، مجالسِ ماتم اور بادشاہ

کی مدح بیان کی ہے۔ اس قصیدے کا پہلا مطلع یہ ہے:

کہتا ہوں اول حمد میں عالم کے سرجنہار کا
افلاک کا اونچا چھجا باندیا ہے کس بستار کا

یہ بڑی شان کا قصیدہ ہے اور (۱۵۰) اشعار پر مشتمل ہے۔
اس کے بعد ملناڑ کی فتح کی داستان یوں شروع ہوتی ہے۔

اماماں کا کر عرس شہ پاکے جس
رکھے ملک گیری کی دل میں ہوس

شجاعت کی جب داد ایس داد آئی
جہم ملک ملناڑ کی یاد آئی

کہ ملناڑ کا راج دھر عقل کچ
بھروسے سوں جھاڑی کے تھا مست گج

یعنی ملناڑ کا کج عقل راجا گھنے جنگل کے بھروسے پر مست ہاتھی بنا ہوا تھا۔ اس مست ہاتھی کے فتح کرنے کو شرزہ خاں بھیجے گئے جنھوں نے اس کی ساری مستی نکال دی۔ (پہلے بادشاہ نے ملا حزم کو بھیج کر راجا کو بہت کچھ سمجھایا مگر وہ سرکشی سے باز نہ آیا تب یہ لشکر شرزہ خاں کی سرکردگی میں بھیجا گیا اور اس کے بعد بادشاہ خود بھی لشکر لے کر اس طرف پہنچے)۔

اب نصرتی کی زبانی اس کا ذکر سنیے:

بسر جاو شرزے کے اودھان کوں
صزوری سوں چھوڑیا نہیں مان کوں

تلک شرزہ انبڑیا چہ سو کر کے لاگ
لگایا جلالت سوں جنگل کوں آگ

وہیں شہ کیتک دن پچھیں سادٔ چیت
چلے گئے دھر اپنے بزرگاں کی ریت

گئے وہاں کہ نہ جا سکے جاں خیال
کیے کام جو تھا سو امرِ محال
سکندر ہو صاحب قرانی کیے
سکندر کی سیوٹ نشانی کیے
لیے تخت لگ ملک اس کا تمام
پھیرا ملک دے بھی رکھے کر غلام

اس کے بعد اس لڑائی کے حال اور فتح کی مبارک باد میں ایک زبردست قصیدہ لکھا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے :

ہوا ہے کون عالم کے شہاں میں شہ ترے بل کا
سچّا توں ناؤں کاری ہے وصیئ شاہ مرسل کا

یہ قصیدہ (۲۲۰) شعر کا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس شان اور کمال کا قصیدہ ہماری زبان میں مشکل سے ملے گا۔ قصیدہ کیا ہے جنگ نامہ ہے۔ اس میں بیشک بادشاہ کی مدح ہے لیکن مدح سے کہیں زیادہ اس جنگ کے تفصیلی حالات موجود ہیں۔ مثلاً راجا ملناڑ کی سرکشی، سرکشی کے اسباب، شرزے خاں کا فوج لے کر سرکوبی کے لیے روانہ ہونا، بادشاہ کا بھی خود لشکر لے کر کوچ کرنا، برسات آجانے سے کچھ دن قیام کر کے انتظام کرنا، برسات کی بدولت جل تھل ہو جانا، جنگل کی بہار، درختوں کی رونق، آسمان و زمین کا نیا رنگ روپ، فوج کا دھاوا، لڑائی کا ڈھنگ، شرزے خاں اور عبدالمحمد کی شجاعت و دلیری، مظفر خاں، سید محمد علی، مولوی احمد کے کارنمایاں، رستے میں قلعۂ سوندھ کا فتح کرنا، پھر راجا ملناڑ کی راجدھانی بدنور کی تسخیر، راجا کا مغلوب اور عاجز ہوکر جان کی امان مانگنا اور شفاعت کے لیے حاجیوں کو بھیجنا اور بادشاہ کا فرطِ رحم و کرم سے معاف کرنا۔ نصرتی نے بدنور میں مسجد کی تعمیر کا بھی ذکر کیا ہے جس کا حوالہ تاریخ میں نہیں ملتا۔

یہ ایسا بے مثل قصیدہ ہے کہ جی چاہتا ہے کہ پورا نقل کر دوں لیکن ڈرتا ہوں کہ پرانی زبان ہونے کی وجہ سے پڑھنے والوں کو لطف نہ آئے گا اور وہ بیزار ہو جائیں گے۔ شرح کرتا ہوں تو وہ لطفِ بیان اور زورِ کلام کہاں سے آئے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے معرکۃ الآرا قصیدے ہماری زبان

میں سوائے سودا کے کہیں نظر نہیں آتے۔

جب علی عادل شاہ نے شیواجی کو مار بھگایا تھا اور قلعۂ پنالہ پر قبضہ کر لیا تھا' اسی زمانے میں شمال کی طرف اورنگ آباد کے صوبہ دار اور افواجِ مغلیہ کے سپہ سالار شایستہ خاں نے اس کو شکست پر شکست دی اور پونا اور دوسرے قلعے اس سے چھین لیے۔ شیواجی نے ایک شب کو محل میں گھس کر شایستہ خاں کو مجروح کیا۔ اورنگ زیب کو اس واقعہ سے سخت رنج ہوا اور اس نے اس مہم پر جسونت کو مقرر کیا۔ شیواجی نے اتنے میں سورت پر دھاوا کیا اور کئی روز تک اس متمول شہر کو دل کھول کے لوٹا۔ اورنگ زیب نے اس پر سخت پیچ و تاب کھایا اور جے سنگھ کو اس کام پر متعین کیا۔

نصرتی نے شایستہ خاں کے مجروح ہونے اور سورت کے قتل و غارت کے واقعات کو تفصیل سے نظم کیا ہے۔ لکھتا ہے:

نظر باز ہنگامۂ راز کا
لکھے کھیل یوں چرخ کج باز کا

کہ جس وقت عادل علی بادشاہ
کیے تھے بنگاپور کوں تخت گاہ

... ...
... ...

سیوبا دیکھ میدان خالی بچار
گھستاں سے بیشک نکل آکے بہار

کھیا یوں آپس دل میں ہو بے شکیب
نکامی ہے شیطاں سٹے پر فریب

... ...
... ...

بڑا جس کوں شاہِ مغل مانتا
قوی بازوے سلطنت جانتا
بڑا رائے زن دور اندیش اچھے
بڑے کام پر تس قدم پیش اچھے
بلند شان کا جس کی دہلی پہ داب
اتھا اُس کوں شایستہ خاں کر خطاب
نہوی جے مہم جنگ و شر شور سوں
کرنہار اونے عقل کے زور سوں
سیویا کھیل اُس سات کرنے لگا
سپہانے کوں فن سوں سنترنے لگا
ملایا مکھنڈ چور خونخوار کئی
آپس سار کے رند و عیار کئی

اس کے بعد رات کا سماں اس واقعہ کی مناسبت سے کھینچتا ہے اور شایستہ پر حملے کا حال لکھتا ہے :۔

سورج وہ کہ جس سامنے ہو زبوں
چھپاتے ہیں چوراں بجالی میں موں
اوتر تخت وہ جب گیا گھر منجھار
بیٹھا تب ہو حاکم چندر اُس کی ٹھار
گیا عیش میں کر سہیلیاں سوں میل
ہوا راج میں اس کے چوراں کا کھیل

(یعنی وہ سورج کہ جس کے سامنے چور بجالی میں منھ چھپا لیتے ہیں جب وہ تخت سے اُتر کر اپنے گھر میں چلا گیا تو چاند اس کی جگہ حاکم بن کر بیٹھا اور اپنے ہمجولیوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے لگا اس کے راج میں چور کھُل کھیلے)۔

جب رات زیادہ ہوئی تو شواجی کو دغابازی سوجھی اور اپنی جماعت کو لے کر شایستہ خاں کے محل کی طرف چلا۔

جو شایستہ خاں تب سہیلیاں میں تھا
کرہنار سکھ خوش رنگیلیاں میں تھا
کر تھے گھر کے چوندھر نگہباں کیتے
ہریک ٹھار انگے بنک و درباں کیتے
نہ اُس ٹھار ابلیس کوں تھا مجال
کیا دہاں تلک بیس لہو کا کھلال
سوتا تھا سو تس نیند جانے اُچٹ
اوچایا کھڑک آپ ات موں پہ سٹ
نہ اوس کوں مقابل پہ آنے دیا
نہ ہتھیار پر ہات بھانے دیا
کھپا کھپ کیے جلد داراں پہ وار
کر گھاداں پہ گھاداں لگے تن منجھار
سرنگ سیج ہوئی لہو سوں سب بے درنگ
رنگیلیاں کیا سب سہیلیا کوں رنگ
اٹھیاں کئی سہیلیاں جو رجپوتنیاں
اپس ست بچانے کوں اودھوتنیاں
دھنی پر بھڑکتے دیکھت آگ یتی
یک یک دھن لگی آگ پڑنے ستی
بچانے کو جیو آپنے پیو کا
سپر تن کریں آپ تس جیو کا

کٹا لئی سو ہر سرو قد گلعذار
رواں جوے خونی ہوی موج مار

بھوت گرچہ گھائل ہو باچیا جیا
جیے لگ وِلے جیو کوں زخمی کیا

کہ تس سامنے تس کے پیاریاں کو کاٹ
چلیا لوٹ سب شرم پھر اپنی باٹ

گیا دے کے یوں داغ شرمندگی
کہ جیتا ہے لگ موت ہوئی زندگی

گیا پل میں ایسے کالے ننگ و نام
کیا سب بچاریا جو تھا دل میں کام

وہیں شرق تے غرب لگ دم منیں
یو ہوئی بات مشہور عالم منیں

(شایستہ خاں اس وقت تک اپنی نازنینوں کے ساتھ لطفِ عیش اڑا رہا تھا۔ گھر کے چاروں طرف نگہبان اور دربان تھے۔ جہاں شیطان کو بھی رسائی کا یارا نہ تھا وہاں اس (شیوا) نے خون خرابا کیا۔ سوئے ہوئے کی نیند جب اچاٹ ہوئی تو اس نے جھٹ منہ پر پانی کے چھینٹے دیے اور تلوار اٹھائی۔ لیکن نہ اُسے مقابلے پر آنے کا موقع دیا نہ ہتھیار پر ہاتھ ڈالنے کی مہلت دی۔ کھپا کھپ وار پہ وار کیے اور گھاؤ پہ گھاؤ لگائے۔ تمام سیج خون آلودہ ہوگئی اور نازنینیں خون سے رنگین ہوگئیں۔ ان میں جو راجپوتنیاں تھیں انھوں نے جب آقا پر آگ بھڑکتی دیکھی تو آگ میں گر کر ستی ہونے پر آمادہ ہوگئیں اور بڑی بہادری سے اپنے آقا کو بچانے کے لیے سپر بن گئیں۔ وہ سرو قد نازنینیں بھی اس قدر زخمی یا ہلاک ہوئیں کہ خون کی ندی بہنے لگی۔ اگرچہ (شایستہ خاں) بہت کچھ گھائل ہو کر بچ نکلا مگر جب تک زندہ رہا اُس کا دل زخمی رہا۔ وہ اپنے پیاروں کو اپنے سامنے کٹتے دیکھ کر مارے شرم کے وہاں سے چلا گیا۔ اسے ایسا داغِ شرمندگی نصیب ہوا کہ جیتے جی موت آگئی۔ وہ (شیوا) پل بھر میں

ننگ و نام لوٹ لے گیا اور جو وہ سوچ کر آیا تھا وہ کر گیا۔ آناً فاناً شرق سے غرب تک یہ بات مشہور ہو گئی)۔

جب یہ خبر دہلی پہنچی تو بادشاہ کا خون خشک ہو گیا اور کہا کہ "آلِ تیمور کی ایسی بدنامی کبھی نہیں ہوئی۔ جب تک اس کا انتقام نہ لوں گا بادشاہی مجھ پر حرام ہے۔"

اب جسونت سنگھ اس مہم پر متعین ہوتا ہے۔

کہ جسونت سنگھ کر کے رجپوت تھا
جتے رج کے پوتاں میں اودھوت تھا

ابھی جسونت سنگھ آنے بھی نہ پایا تھا کہ شیواجی نے جھٹ سورت پر دھاوا کر کے اسے لوٹ لیا۔

سورت بندر کا ذکر اِن الفاظ میں کیا ہے:

کہ سورت نگر ملک گجرات میں
بندر یک اتھا خوب سب بات میں

رھویں بحر و خشکی کے تجّار واں
ملے بست جے نہیں سو عالم میں واں

یک یک کو نچہ یک شہر معمور اچھے
ہریک گھر میں کئی گنج بھرپور اچھے

لیوے ہند نت فیض اس تے نول
کہ جوں ابر کوں آب دریا تے بل

او پچ جگ ہوئی جب تے دو بوستاں
نہ دیکھی تھی چک تب تے بادِ خزاں

(سورت نامی جو گجرات میں ایک بندر ہے وہ ہر بات میں خوب ہے۔ بحری اور بری ہر قسم کے تاجر وہاں رہتے ہیں اور جو چیز دنیا میں کہیں نہ ملے وہ وہاں مل جاتی ہے۔ ہندوستان ہمیشہ اس سے نیا فیض حاصل کرتا ہے جیسے ابر کو آب دریا سے قوت پہنچتی رہتی ہے۔ جب

سے یہ بوستاں دنیا میں پھولا پھلا اس نے کبھی بادِ خزاں کا جھوکا نہ دیکھا تھا)

سورت کی غارت گری کے حال میں لکھتا ہے :

کیا لوٹ یوں پل میں بندر کوں پاک
کہ جوں آگ لگتیں نرہے باج راک

پھری خوب صورت کی صورت نے یوں
جوانی تھے محبوب پیری میں جیوں

(یعنی لوٹ لاٹ کر بندر کا پل بھر میں اس طرح صفایا کر دیا جیسے آگ لگنے پر سوائے راکھ کے کچھ نہیں رہتا۔ سورت کی پیاری صورت ایسی بدل گئی تھی جیسے جوانی کے محبوب کی صورت بڑھاپے میں بدل جاتی ہے)۔

اس واقعہ کے بعد جے سنگھ دکھن کی مہم پر آتا ہے۔

نصرتی آخر علی عادل شاہ کا ملازم اور درباری شاعر ہے۔ وہ یہ اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اپنے بادشاہ کی شان بڑھائے اور اس کے مقابل میں دوسروں کو گھٹائے، اس لیے وہ کہیں کہیں واقعات کو نمک مرچ لگا کر بیان کرتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے کہ جب سورت بندر کے لٹنے کی خبر اورنگ زیب کو پہنچی تو وہ سخت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ جب تک علی عادل شاہ کی مدد نہ ہوگی یہ مہم سر نہیں ہو سکتی۔ اس کا بیان دیکھیے :

پکڑا اپنے دانتوں میں حیرت سوں بونٹ
کہیا چابتا سخت غصے سوں ہونٹ

مگر کچھ ہے یہ آسمانی بلا
کہ ہو لادوا یوں کرے مبتلا

دس آتا ہے نا ہوے ہمن تے علاج
علی کی طرف سے مدد پائے باج

(یعنی اورنگ زیب نے (واقعۂ سورت پر) حیرت سے انگلی دانتوں میں دبائی اور غصّے سے ہونٹ چابنے لگا اور کہنے لگا کہ یہ آسمانی بلا ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے

کہ جب تک علی (علی عادل شاہ) کی مدد نہ ہوگی اس کا علاج نہ ہو سکے گا)۔

یہ سوچ کر اس نے اپنے وکیل بیجاپور بھیجے اور انھوں نے اورنگ زیب کی طرف سے باہمی صلح اور امداد کا پیغام دیا۔ اس کا جواب جو علی عادل شاہ نے دیا ہے وہ نصرتی کی زبانی سنیے، کیا شان برستی ہے۔ گویا اورنگ زیب اس کے سامنے ایک معمولی بادشاہ تھا" کہیا نرپتی تب لکھ لگ لیکھ بات":

کہ ہوں میں سمیٔ نبی کا خلف
دوجا تس پہ ہمنام شاہ نجف

لقب کفر بھنجن ہے مجھ بے گماں
صفت دست گیر فرو ماندگاں

میرے کام پر میں ہوں حاضر سدا
تماری بی کرنی کرو ابتدا

مدد میں ہوں موذی پہ چل بیگ آؤ
لڑو مت تماشا ولے دیکھ جاؤ

کہ مجھ فوج دشمن سوں لڑتی ہے کیوں
ستی جاکے آتش پہ پڑتی ہے کیوں

جو ساداں سوں کیوں دزد گم نام نے
لڑے صف بہ صف آمنے سامنے

نبھانا اپس عہد پر آپ جم
کہ مرداں ہیں وعدے پہ ثابت قدم

سنیا شاہ عادل تے جب یو جواب
وہیں خوش ہو شاہِ مغل بے حساب

کہیا مجھ ہوا اب تے ہادی فلک
کہ وو نرپتی نے قبولیا کومک

اب جو عادل شاہ کی امداد کا اطمینان ہوگیا تو اورنگ زیب نے بڑا دربار کیا اور دکھن کی مہم کے لیے جے سنگھ کا انتخاب کیا، نصرتی نے اس موقع پر جے سنگھ کی تعریف تو کی ہے مگر اس کی مکاری اور حلیہ بازی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے۔ یہ گویا آنے والے واقعات کی پیش بندی ہے۔

ادھر علی عادل شاہ اپنا دربار کرتا ہے۔ اس دربار کی شان و شوکت ہی اور ہے۔ سب سے پہلے چاندنی رات کا سماں کھینچا ہے۔ یہ سماں بالکل فرضی ہے، شروع سے آخر تک تشبیہات و استعارات سے کام لیا ہے۔ یہ فارسی شاعری کی پوری نقالی ہے۔ یہ چودھویں شب ہے۔ ماہِ کامل جلوہ گر ہوتا ہے۔ شفق، ہوا، ثوابت، جوزا، میزان، سنبلہ سب اپنی اپنی خدمت انجام دے رہے ہیں، قاضیٔ آسماں کا اجلاسِ عدالت ہے اور عطارد کارفرمائی کے لیے حاضر ہے۔ اس تمام شان و شوکت کے ساتھ علی عادل شاہ کا دربار ہوتا ہے۔ زہرا گانا گاتی ہے جس سے فلکی اور خاکی دونوں وجد میں آجاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

چاندنی کی تعریف میں ایک شعر اچھا کہا ہے:

صفائی انگے مہ کی شرمندہ سور
نسے روئے خوباں تے لتی نرم نور

(یعنی چاندنی کی صفائی کے سامنے سورج بھی شرمندہ تھا اور وہ صفائی روئے خوباں سے بھی زیادہ نرم معلوم ہوتی تھی)۔

یہاں نرم کا لفظ کیا خوب استعمال کیا ہے۔

اسی دربار میں بادشاہ اپنے امیر خواص خاں کو شیواجی کے مقابلے اور مغلوں کی امداد کے لیے انتخاب کرتا ہے۔

شہنشہ سوں ہمراز خاصاں میں خاص
جسے نام نامی ہے خان خواص

نصرتی نے خواص خاں کی خوب تعریف کی ہے۔ اس کے بعد سرافرازی کا حال سنیے:

سرافراز خلعت سوں کر بے درنگ
عنایت کیے ہت تے اپنے فرنگ
مگر فتح کی وے بشارت دیے
مہم بیگ کرنے اشارت دیے

(خلعت سے سرافراز کرنے کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنی تلوار عنایت فرمائی۔ گویا یہ فتح کی بشارت جلد مہم کرنے کا اشارہ تھا)۔

بشارت یو پایا چہ سو جہبلی
اوٹھیائے فرنگ کہہ مدد یا علی

(اُس بہادر نے جو بشارت پائی تو تلوار اٹھا کر " یا علی مدد" کی آواز لگائی)۔

اور کیا کہتا ہے :

کہ میں کھا بڈیا ہوں علی کا نمک
مغل آئے لگ وہاں مجھے کیا اٹک
کرے آسرے پاے کے تڑ کی کار
وے باگ اپنگ مارتا ہے شکار
یکیلاچ اپڑیوں دھینکانا گروں
پھلی پھوڑ ایسا بھنکانا کروں

میں نے علی (عادل شاہ) کا نمک کھایا ہے میں مغلوں کے آنے تک کیوں رکا رہوں ۔ ن مار آسرا پا کے شکار کرتے ہیں لیکن شیر علانیہ شکار مارتا ہے۔ میں اکیلا پہنچ کر حملہ کروں گا س کی فوج کو توڑ پھوڑ کر تہس نہس کر دوں گا۔)

اس کے بعد کیا اچھا شعر لکھا ہے جس میں رزم کے ساتھ بزم کا مزہ آجاتا ہے۔

کہ ہائی کی مجلس وو ساقی نہ رہے
مغل آئے لگ دور باقی نہ رہے

غرض یہ کہ بہادر افواج کا انتظار کیے بغیر چل پڑا اور کوچ پر کوچ کرتا ہوا اور گنجان اور

خطرناک جنگلوں کو طے کرتا ہوا ایک گھاٹ پر پہنچا جو بہت دشوار گزار تھا اور شیواجی کے سرحد کے قریب ہی میں تھا لیکن اس سے بے خبر تھا کہ شیواجی کہاں اور کس طرف ہے۔ رات کے وقت فوج نے اس جنگل میں جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا، پڑاؤ کیا۔ شیواجی نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر کہ یہ فوج قلیل ہے اور مغلوں کے آنے میں ابھی دیر ہے، رات کو شبخون مارا۔ بیجاپوریوں کے اوسان جاتے رہے لیکن خواص خاں نے بڑی ہمت اور دلیری سے کام لیا۔ فوج کی ہمت افزائی کی اور خود تلوار لے کر آگے بڑھا، سپاہیوں نے یہ دیکھا تو ہمت کر کے ٹوٹ پڑے اور شیواجی کو مار بھگایا۔

نصرتی نے اس لڑائی کا حال بڑی خوبی سے لکھا ہے اور ہیبت ناک کوہستان اور جنگل کی عظمت، اندھیرے اور چاندنی کا سماں دکھانے میں بڑا کمال ظاہر کیا ہے۔ لکھتا ہے:

شعر۔ کوبل تھا کہستان کے مکھ پہ گھاٹ
معمے سے موہوم تھی جس پہ باٹ

(مطلب) کوہستان کے منہ پر نہایت دشوار گزار
گھاٹ تھا جس کا تنگ رستہ معمے سے بھی زیادہ موہوم تھا

شعر۔ کہ جس باٹ مشکل کا لینے میں ناؤں
زباں کا پھسلتا ہے جم مکھ میں پاؤں

(مطلب) اس دشوار رستے کا نام لیتے ہوئے زبان کا
پاؤں ہمیشہ منہ میں پھسل پھسل جاتا ہے

شعر۔ ہور اس گھاٹ کے تل جو ہے کوہ کن
رہوے روز روشن ہو وہاں جو رین

(مطلب) اور اس گھاٹ کے نیچے جو کوکن کا علاقہ ہے
وہاں روزِ روشن رات کی طرح نظر آتا ہے

شعر۔ اندھارا ملیایوں دسے نور سوں
کہ دن جفت ہے شام دیجور سوں

(مطلب) اندھیرا نور سے یوں ملا جلا نظر آتا ہے
گویا دن شام دیجور کا جفت ہے

شعر۔ اندھارے سوں تارے دسین دن تمام
کریں بیٹھ نت وہاں رصد بند کام

(مطلب) اندھیرا اس غضب کا تھا کہ دن کو تارے
نظر آتے تھے اور رصد والے وہاں بیٹھ کر کام کرسکتے تھے

شعر۔ وو روئے زمیں گرچہ محبوب ہے
نظر میں سورج کے بھی محجوب ہے

(مطلب) اگرچہ وہ زمیں محبوب ہے لیکن
سورج کی نظروں سے بھی حجاب میں ہے

شعر۔ زمیں استری ہے سو صاحب جمال
کہے ہے یو قطع ایس مکھ کا خال

(مطلب) زمیں ایک صاحب جمال عورت ہے اور یہ
قطعۂ زمیں گویا اس کے چہرے کا خال ہے

شعر۔ اندھارا تو عالم کا ہے وہاں جہ جمع
دلے یک اندھارے میں کئی لکھ میں شمع

(مطلب) اگرچہ سارے عالم کا اندھیرا وہاں جمع ہے
لیکن ایک اندھیرے میں (پھولوں کی) کئی لاکھ شمعیں روشن ہیں

شعر۔ ہزار انجہ نکلے ہیں یک نس پہ سور
کہ چرابیا ہے یعنی گلستاں کا نور

(مطلب) گویا ایک رات میں ہزاروں سورج نکلے ہوئے ہیں
اور گلستاں کا نور چھایا ہوا ہے

شعر۔ بچھادے ہو فراش نت نو بہار
رنگا رنگ پھولاں تے صدراں ہزار

(مطلب) نوبہار فراش بنی ہوئی ہے اور رنگ برنگ
پھولوں کی ہزاروں مسندیں بچھا رکھی ہیں

شعر۔ پنکھیرو ہریک بھات کے دل فریب
دکھاویں سدا رقص و نغماں سوں زیب

(مطلب) طرح طرح کے حسین پرندے اپنے رقص
اور نغموں سے عجب بہار دکھا رہے ہیں

شعر۔ جوڑے جھاڑ سب مل کے چھائے فلک
ستاریاں کی پکڑی ہے جگ نے جھلک

(مطلب) درخت آپس میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ آسماں کو
چھپالیا ہے اور زمین پر ستاروں کی صرف جھلک نظر آتی ہے

شعر۔ یک یک بانس میں توڑ سٹنے کا خیال
بلند سقف گردوں تے مکڑیاں کے جال

(مطلب) ایک ایک بانس کا یہ حوصلہ ہے کہ [illegible]سماں کی چھت
پر سے مکڑیوں کے جالے اتارنے کا جو[illegible] رکھتا ہے

شعر۔ فلک سوں دسیں بانس پھڑیوں اپار
کہ منصور یک ہور ہزاراں ہیں دار

(مطلب) بانس آسمان سے یوں بھڑے ہوئے نظر آتے ہیں
گویا منصور تو ایک ہے اور دار ہیں ہزاروں ہیں

شعر۔ گویاں بھوئیں تھے خاص باکاں کے گھر
بندے بانس جالیاں سوں موں پر جھجر

(مطلب) اس کی زمیں میں شیروں کے خاص گھر ہیں جن کے
منھ پر بانسوں نے گھنی جالیاں بنا رکھی ہیں

شعر۔ دسیں جا بجا غار و خوں ریز خار
قدم در قدم طشت و نشتر ہزار

(مطلب) جا بجا غار اور خوں ریز کانٹے نظر آتے ہیں
اور ہر قدم پر ہزاروں طشت اور نشتر موجود ہیں

جنگ کا بیان بھی بڑی تفصیل اور بڑے جوش وخروش سے لکھا ہے مثلاً :

شعر۔ کھنا کھن تے کھڑکاں کے یوں شور اٹھیا
جو تن میں پہاڑاں کے لرزا چھوٹیا

(مطلب) تلواروں کی کھنا کھن سے وہ شور اٹھا
کہ پہاڑوں کے تن بدن میں لرزا پیدا ہوگیا

شعر۔ بلا نیند میں تھے سو ہوشیار ہوئی
اجل خوابِ غفلت تے بیدار ہوئی

(مطلب) گویا بلا نیند سے ہوشیار ہوئی
اور اجل خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی

شعر۔ سلاحاں میں کھڑکاں جو دھسنے لگے
اگن ہور رگت مل برسنے لگے
(مطلب) تلواریں جو اسلحہ میں گھسنے لگیں
تو آگ اور خون مل کے برسنے لگیں

شعر۔ ہویاں لہوکیاں چھٹکاں ہوا پر بخار
سٹیں تیغ جیباں تے شعلے ہزار
(مطلب) لہو کے چھینٹے ہوا پر پہنچ کر بخار بن گئے
تلواروں کی زبانوں سے ہزاروں شعلے نکلنےلگے

شعر۔ بھریا لس کا کھڑکاں کی چنگیاں تے روپ
ہوا نرم چند نا سو سب گرم دھوپ
(مطلب) تلواروں کی چنگاریوں سے رات کا روپ ہی کچھ اور ہوگیا
اور نرم نرم چاندنی گرم دھوپ ہوگئی

شعر۔ ہوا پر شراریاں کا ات کھیل تھا
اوڑے لہو سو تس آگ پر تیل تھا
(مطلب) ہوا پر شراروں کا تماشا نظر آتا تھا
اور لہو جو اُڑ رہا تھا وہ گویا آگ پر تیل کا کام دے رہا تھا

شعر۔ فرنگاں پہ لہو کے کھلالے دسیں
انیاں پرتے دھاراں پنالے دسیں

(مطلب) تلواروں پر لہو کے فوارے جاری تھے
اورانیوں پر سے خون کی دھاریں پرنالوں کی طرح بہہ رہی تھی

شعر۔ پون کوں سرنگ رنگ پیدا ہوا
شفق ابر پر سب ہویدا ہوا

(مطلب) ہوا کا رنگ سرخ ہوگیا تھا
اور ابر پر شفق نمودار تھی

یہ چند شعر رزمیہ بیان کی کیفیت دکھانے کے لیے کافی ہیں۔ اس سے نصرتی کا کمالِ شاعری معلوم ہوتا ہے۔

جنگل میں بھاگتوں کی حالت کو کیا خوب بیان کیا ہے۔ صرف تین شعر نقل کیے جاتے ہیں:

شعر۔ لیا تھا ٹنتیاں کا ہو ہر جھاڑ کال
مونڈا ساج کوی کوی سوجھونٹے کے بال

(مطلب) بھاگتوں کا درختوں نے برا حال کیا
کسی درخت نے منڈاسا اتار لیا اور کسی نے سر کے بال

شعر۔ سٹیا آنگ پر جس کے کانٹے نے ہات
لیا کاڑ کپڑیاں کوں چنبڑی سنگات

(مطلب) جس کسی کے بدن پر کانٹے نے ہات مارا
تو چمڑی سمیت کپڑے اتار لیے

شعر۔ جتا جھاڑ پینا دسیا اس گھڑی
رنگا رنگ ٹکڑیاں کی یک گودڑی

(مطلب) اس دم درخت رنگ برنگ کے
چیتھڑوں کی گودڑیاں پہنے نظر آتے تھے

ان اشعار میں درختوں سے الجھنے کی کیا اچھی اور صحیح تصویر کھینچی ہے۔ اس میں تھوڑا سا ظرافت کا پہلو بھی ہے۔

اس لڑائی میں نصرتی نے شاہ حضرت، سیدی سرور اور شیخ میراں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

اتنے میں جے سنگھ کی سرکردگی میں مغلیہ فوج بھی آجاتی ہے اور قلعۂ پورندہ کو فتح کرلیتی ہے۔ نصرتی اس فتح کا ذکر بڑی حقارت سے کرتا ہے یعنی اصل جان جوکھوں کا کام تو بیجاپوری فوج نے کیا تھا اس میں مغل فوج کی کیا بہادری ہے۔ کہتا ہے:

تو فرصت مغل پا کیا گڑھ کوں زیر
کہ اندلے نے جوں چانپ پکڑیا بٹیر

(یعنی مغلوں نے موقع دیکھ کر قلعہ فتح کرلیا۔ گویا اندھے کے ہاتھ بٹیر لگ گئی)۔

جب شیواجی نے یہ رنگ دیکھا اور کوئی مفر نظر نہ آیا تو اس نے پھر دامِ تزویر بچھایا اور جے سنگھ سے سازباز شروع کیا۔ شیواجی آدھی رات کو جے سنگھ سے جاکر ملا اور بعض شرائط پر جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں باہم صلح ہوگئی۔ نصرتی نے اس غداری پر بہت غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔ اس شکست کے بعد شیواجی کے دل کی جو کیفیت ہوتی ہے اور مغلوں سے مل جانے کا جو منصوبہ سوچتا ہے اسے بڑی خوبی سے بیان کیا ہے:

شعر۔ اتا گھر تے ہت دھو بلا ٹالنا
نہ چپ گھر برابر اپس جالنا

(مطلب) (شیواجی اپنے دل میں سوچتا ہے) کہ اب گھر

سے ہاتھ دھوکر (یعنی ملک دے کر)
اس بلا کو ٹالنا چاہیئے۔ گھر کو جلتے
دیکھ کر خود بھی جلنا مناسب نہیں۔

شعر۔ منڈاسا[۱] گنوانا بھلا سر کی ٹھار
کہ باچیا تو یک سر منڈاسے ہزار
(مطلب) سر کے بجائے منڈاسے کا کھودینا بہتر ہے
کہ اگر سر بچ رہا تو منڈاسے ہزاروں

شعر۔ مغل سوں تو میں سخت کیتا ہوں کھوڑ
دوے گھر بجے چپ نہ دیویں گے چھوڑ
(مطلب) میں نے مغلوں سے سخت دغا کی ہے وہ بغیر
گھر (ملک) لیے مجھے یونہی نہ چھوڑیں گے

شعر۔ طمع جیو بچانے کوں ایسا دکھانوں
پڑیں شرم سٹ پھر وو میریچ پانوں
(مطلب) اپنی جان بچانے کو ایسا لالچ دوں گا کہ
وہ بے حیائی سے الٹے میرے ہی پاؤں پڑیں گے

---

[۱] محمد ابراہیم زبیری نے اپنی تاریخ "بساتین السلاطین" میں اس موقع پر بالکل اسی شعر کا ترجمہ لکھا ہے۔ دراصل یہ پرانی کہاوت ہے۔ وہ لکھتا ہے "مثل مشہور است درمیانِ مردم کہ چوں سر سلامت باشد دستار کم نیست" (صفحہ ۴۰۳)

شعر۔ نہ نامرد کے دل پہ انگار آسے
گنوا لاکھ عزت کوں یک جیو بچاے

(مطلب) نامرد کو کچھ بھی غیرت نہیں آتی
وہ لاکھ عزت کھوکر اپنی جان بچالیتا ہے

شعر۔ نہ چھے قدر کچ مال کی چور پاس
پھوکٹ لے گنواوے پھوکٹ اور پاس

(مطلب) چور کے نزدیک مال کی کیا قدر
مفت میں ہاتھ آتا ہے اور مفت میں دوسرے کو دے دیتا ہے

اس کے بعد لکھتا ہے کہ شیواجی نے جے سنگھ کو کیا پٹی پڑھائی۔

شعر۔ کہ تم آج اگر مجھ پکڑتے ہیں ہات
تو کرتا ہوں یک کام اس دھات سات

(مطلب) اگر تم میری دستگیری کرو تو میں ایک
ایسا کام کرتا ہوں

شعر۔ نکوی آج لگ کر سکیا ہے دو کام
تمارے تے ہو آبدی جگ میں نام

(مطلب) کہ آج تک کسی سے نہ ہوسکا اور تمھارا
نام دنیا میں ابدالآباد تک رہے گا

شعر۔ کدھیں فوج دہلی کی اس شان سوں
چلی تھی نہ یوں سازو سامان سوں

(مطلب) دہلی کی فوج نے کبھی اس شان اور
ساز و سامان سے کوچ نہیں کیا تھا

شعر۔ رکھیں پیٹ میری تو کیا کر کہ فن
یدی لیکھ دیتا ہوں ملکِ دکن
(مطلب) اگر تم میری پشتی بانی کرو تو ایک چال
چل کر ملکِ دکن تمھیں دلا دیتا ہوں

شیواجی نے جب یہ سبز باغ دکھایا تو جے سنگھ پر کیا اثر ہوا۔
شعر۔ سنیا جب سیویا تے یو جیسنگ لاف
اپس شہ کے وعدیاں کوں کیتا خلاف
(مطلب) جے سنگھ نے جب شیواجی کی یہ لاف سنی تو
بادشاہ سے جو وعدے کیے تھے ان سب کو بھول گیا

شعر۔ قوی رابطہ مرد صادق سوں توڑ
ملیا کیے ہیں مفسد کے اخلاص جوڑ
(مطلب) مرد صادق سے قوی رشتے کو توڑ کر
مفسد کے کہنے میں آگیا اور اس سے رابطہ قائم کرلیا

شعر۔ کہ تھا اصل میں اس سے ہم جنس نیٹ
منگیا رکھیا کافر نے کافر کی پیٹ
(مطلب) کہ وہ دونوں اصل میں ایک ہی جنس کے تھے
کافر نے کافر کی حمایت کی

شعر۔ طمع ات منافق پہ غالب ہوئی
ڈوبانے کوں تس ناؤں طالب ہوئی

(مطلب) طمع اس منافق پر اس قدر غالب ہوئی
کہ ننگ و نام ڈبونے پر آمادہ ہوگیا

شعر۔ سچے مرد سوں راست بازی کوں چھوڑ
منگیا کھیلنے مل کر جھوٹے سوں ہوڑ

(مطلب) مرد صادق سے راست بازی چھوڑ دی
اور جھوٹے سے مل کر فن فریب کھیلنے لگا

شعر۔ طمع اہل عزت کوں کرتی ہے خوار
کرے جگ میں بےقول و بے اعتبار
وغیرہ وغیرہ ۔

اب نیا دور شروع ہوتا ہے۔ مغلوں اور شیواجی کی باہم صلح ہو جاتی ہے اور علی عادل شاہ کا مغلوں سے مقابلہ ہوتا ہے۔

علی عادل شاہ کو جب اس غداری کی خبر ملی تو سخت پریشان ہوا۔ ملا خرم اور ملا احمد کو بھیجا کہ وہ جے سنگھ سے گفتگو کرکے اُسے راہ پر لائیں لیکن اس گفت وشنید کا کچھ اثر نہ ہوا۔ مجبوراً جنگ کی تیاری ہوئی۔ آس پاس کے زمینداروں اور باج گزار سرداروں کو فوج و حشم لے کر حاضر ہونے کا حکم ہوا۔

شعر۔ مواس و منیوار عالی مقام
لے آئے اتھے پاے دل جو تمام

(مطلب) عالی مرتبت مواس اور منیوار
اپنی پیدل فوجوں کو لے کر حاضر ہوئے

شعر۔ سلامت رہنا کر بڑا شہ کا گھر
اوٹھے تھے سو سب جیو پہ کرنے کھتر
(مطلب) تاکہ بادشاہ کا گھر سلامت رہے وہ
جان جوکھوں کے لیے آمادہ تھے

شعر۔ خوش اس دھات فوجوں پہ فوجاں چلیاں
کہے توں کہ دریا پہ موجاں چلیاں
(مطلب) فوجوں پہ فوجیں اس ڈھنگ سے چلیں
گویا دریا پہ موجیں چل رہی ہیں

بادشاہ نے ایک دور اندیشی یہ کی کہ شہر کے گرد جس قدر باغ، نہریں، حوض، تالاب اور پودے تھے ان سب کو مسمار کر دینے اور توڑ دینے کا حکم دیا۔ اور بادیوں اور کنوؤں میں زہر ملا دینے کا انتظام کیا گیا۔ تاکہ غنیم کو نہ کوئی جائے پناہ ملے اور نہ پینے کو پانی نصیب ہو۔
حوضوں اور تالابوں کے ٹوٹنے سے پانی جو ایک دم زور شور سے بہا ہے تو اس کی کیفیت یوں لکھی ہے:

دسے دورتے یوں وہ پانی جنجال
زمیں حوض ہوی ہور فلک تس کنجال

باغوں کی بربادی کے متعلق لکھتا ہے:

تلف یوں یتے تازہ باغاں ہوے
فلک پر گلاں جن کے داغاں ہوے

پرندیاں کوں کیں باغ و بن نہیں رہیا
چراگاہ ہور کیں وطن نہیں رہیا

نہ تھی دھوپ جہاں وہاں کھڑا آفتاب
لگیا آب کی ٹھار بہنے سراب

(یعنی جہاں کبھی دھوپ کا گزر نہ تھا وہاں آفتاب کھڑا تھا اور پانی کی جگہ سراب بہہ رہا تھا)۔

رہیا سب ہو برباد یوں بے قصور
اوڑایا ہے گویا قیامت کا صور

کفِ دست بھوئیں یوں ہوئی سربسر
دکھیں کوٹ پرتے نظر کر اگر

ڈھلے جس رخن گولہ بہنے کی ٹھار
نہ ٹھارے لگے لگ فلک کے کنار

(یعنی قلعہ پر سے اگر نظر دوڑائی جائے تو ساری زمین کفِ دست کی طرح صاف نظر آتی تھی۔ اگر قلعہ سے گولہ مارا جائے تو انڈے کی طرح لڑھکتا چلا جائے اور جب تک آسمان کے کنارے نہ لگ جائے اس وقت تک نہ ٹھہرے)۔

یہ سارا انتظام میرزا یوسف کے سپرد تھا۔ مرزا کی نصرتی نے بہت تعریف لکھی ہے۔

اس باب کی ابتدا نصرتی نے قلعۂ بیجاپور کی تعریف سے کی ہے اور اس کی شان و شوکت، اس کی سرسبزی و خوشحالی اور ثروت و عظمت کا بیان کرنے کے بعد بادشاہ کے حکم سے اس کے باغوں اور کھیتوں کے برباد کرنے، اس کے پوروں اور آبادیوں کے مسمار کرنے اور اس کے نہروں اور حوضوں کے توڑ ڈالنے کا افسوس ناک ذکر کرتا ہے۔ اسے پڑھ کر افسوس ہونے لگتا ہے اور اہلِ بیجاپور اور اس کے سلطان سے ہمدردی ہو جاتی ہے۔ قلعہ کی تعریف کے صرف چند شعر نقل کرتا ہوں :

فلک یو جو دھرتا ہے دیدے ہزار
نہ دیکھا ہے اتا بڑا کیں حصار

زہے کوٹ عالی بیجاپور کا
کہ ہے برج بیت الشرف سور کا

کرے تٹ بلندی میں کیواں سوں بات
کنگورے چھیتے بامِ ہفتم کوں ہات

(اس کی فصیل اتنی بلند ہے کہ زحل سے باتیں کرتی ہے اور اس کے کنگورے فلکِ ہفتم کو ہاتھ سے چھو لیتے ہیں)۔

فلک دھوپ لگ کر پریشان ہوے
کنگورا ہر یک تس سو ریا پان ہوے

(فلک اگر دھوپ سے پریشان ہو جائے تو اس کا کنگرہ چھتری کا کام دے گا)۔

یون چڑ سکیا نہیں کدھیں تٹ بلند
دھویں کا بی سٹ کنگرے پر کمند

(دھوئیں کی کمند ڈال کر بھی ہوا آج تک اس کی بلندی تک نہیں پہنچ سکی)۔

اگر آسرے تٹ کے نکلے تو چاند
صبا ہوے چڑ آے لگ دیکھ کاند

(اگر چاند اس کی فصیل کے قریب نکلے تو صبح ہوئے تک اسی ایک دیوار تک رہے۔

بدل کا چ ٹکڑا کنگورا دسے
کڑکتی جو بجلی زنبورا دسے

(اس کی فصیل کا کنگرہ بادل کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے اور کڑکتی بجلی اس کنگرے پر کی بندوق ہے)۔

نہیں کوی کنگورا بی ڈونگر تے کم
زنبورا ہر ایک افعیٔ تیز دم

(ہر کنگرہ پہاڑ سے کم نہیں اور اس کی ہر ہر بندوق تیز دُم افعی ہے)۔

زحل دیکھ جس کے غرابے کا پھیر
دسیا لنگ ہو سیر کرنے تے سیر

(زحل اس کی توپوں کا زنجیرہ دیکھ کر سیر کرنے سے تھک کر لنگڑا ہوگیا)۔

بزرگی ہیں جس پھیر کے آسماں
دسے فقط جیوں دائرے کے میاں

(آسماں اس کے گھیرے کی بڑائی کے سامنے ایسا ہے جیسے دائرے کے بیچ میں نقطہ)۔

یہ کیفیت تو قلعہ اور اس کے بیرونی حصے کی تھی، اب اندرونی یعنی شہر کی حالت دیکھیے:

بھتر جلوہ گر باغ دھرتی سو نور
قصوراں سے جہاں قصر خوباں سو حور

بھرے حوض کوثر سے جل سلسبیل
قدم در قدم دجلہ و رود نیل

چمن خاص جھاڑاں سوں یوں بے عدد
دسیں جیوں قلم کار بوٹیاں کے قد

دیکھت پھولبن بولتے دور بین
مگر اوڑ بیٹھی ہے نیلک زمین

ہوا دیکھ ہر قطعہ خوش رنگ کا
خجل تختہ مانی کے ارژنگ کا

ٹھنڈا باؤ بیمار دل کی دوا
کرے روح کا روح تازہ ہوا

دھرے سبزہ خاصیت مشک اپن
چریں بے خطا جہاں ختن کے ہرن

صبا کر کنگی باؤ کے بالے بال
پرو جاے شبنم کے موتیاں کوں ڈھال

بھتے کالوے پھول مالے دسیں
طرے سرو کے روپ آلے دسیں

نسیم صبا آکے خوشبوی لگاے
گگن تس کی مہکار تے مہکاے

ہر یک خانہ کشمیر کا شہر ہے
ہر یک کوچہ یک ماورالنہر ہے

بڑا شہر و خوش چوک ہر ٹھار کئی
یک یک چوک میں چار بازار کئی

. . . .

. . . .

زہے مطلع نور لامع اہے
بزرگی میں مسجد یہ جامع اہے

ہوویں معتکف عرش کے جہاں ملک
مسیحا کو جس حجرہ چوتھا فلک

قیامت کوں بیت المقدس کی ٹھار
کریں انبیا یہاں نماز اختیار

گگن پر پڑے سایہ جس فرش کا
نمونہ ہے تس سقف میں عرش کا

- - - - - - - -

- - - - - - - -

مسافر جو ہوے بحر و بر کا نوا
دیکھنہار ہر ملک کا پھر نوا

جب اس معدنِ کامرانی میں آئے
وطن یہاں پہنچ کر سب جہاں بھول جائے

غرض سب بیرونی انتظام کرنے کے بعد قلعہ کی شکست ریخت، حصار کی درستی، سامانِ رسد کی فراہمی وغیرہ کے تمام انتظام اندرونِ قلعہ کیے جاتے ہیں اور جنگ کے لیے تیاریاں مکمل کرلی جاتی ہیں۔ اس کا بھی کسی قدر تفصیل سے ذکر ہے۔

جب قلعہ کے اندر تمام انتظامات مکمل ہوگئے اور فوج کیل کانٹے سے لیس ہوگئی تو سلطان علی عادل شاہ نے اپنے خاص خاص امراو وزرا اور فوجی سرداروں سے مشورے کے لیے مجلس منعقد کی۔ جن میں (بقول نصرتی) عبدالمحمد، ہیں اخلاص خاں، خان شرزا، عبدالکریم ابن عبدالرحیم، یکوجی فرزند شاہ جی شریک تھے۔ ان سب کی حسبِ لیاقت و درجہ تعریف کی ہے۔ ان سب سے مخاطب ہوکر سلطان نے فرمایا:

رہنا گھر دکن کا تمارے تے تھانب
کہ ہیں سلطنت کے تمیں آج کھانب

(دکن کا گھر اب تمھارے ہی سنبھالے سنبھلے گا کیوں کہ تمہی اس سلطنت کے سہارا (کھم) ہو)۔

ہوا ہے مغل آج بد عہد کل
اوچانے پہ ہے یہاں تلک آکہ غل

اگر پیش رو اہلِ تلبیس ہے
اُسے رہنما نسلِ ابلیس ہے

دکھایا ہے دریا کوں کر یک سراب
رکھیا نام زہرِ ہلاہل گلاب

اگیٹی کوں سمجیا دیا لالہ زار
اناراں کے دانے دے تس انگار

(مغل ہم سے بدعہد ہوگیا ہے۔ اُسے ابلیس نے ایسا بہکایا ہے کہ اُسے سراب دریا اور گلاب زہرِ ہلاہل نظر آتا ہے۔ گلخن لالہ زار اور انگارے انار دانے دکھائی دیتے ہیں)۔

کیا سو جہم پا ہمن تے مدد
ہوا پھر ہمن سوں بد اندیش بد

(ہمیں سے مدد پاکے تو ہم سرکی اور اب ہمیں سے بدگمان ہوگیا ہے)۔

اگر متفق بد سوں بد جنس ہے
دلے مجھ مدد خالقِ انس ہے

ادسے گرچہ بل بت پرستی اچھے
ہمن قربِ ربی کی مستی اچھے

(اگر بد اور بد جنس متفق ہوگئے ہیں (مغلوں اور شیواجی کے اتفاق کی طرف اشارہ ہے) تو ہمیں اپنے خالق سے مدد کی امید ہے۔ اگر اُسے بُت پرستی کا بھروسا ہے تو ہمیں قربِ رب کی مستی کافی ہے)۔

غرض اس قسم کی تقریر سے اصل حقیقت بیان کرکے اپنے امرا اور بہادروں کو جوش دلاتا ہے۔ تقریر کا آخری شعر یہ ہے:

رکھو آج مردی سوں ہو مرد نام
تمن نام ہوے ہور ہمارا سو کام

(اے جواں مردو! آج مردی کی لاج رکھ لو، تمھارا نام ہو اور ہمارا کام)۔

یہ لوگ اس کے جواب میں سلطان کی تعریف، مغلوں کی بے وفائی کی مذمت کرتے ہیں اور اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا اپنے آقا کو اطمینان دلاتے ہیں اور اپنی اور مغلوں کی لڑائی کے ڈھنگ کا مقابلہ کرکے اپنی شجاعت اور ان کی بزدلی کا خاکہ کھینچتے ہیں۔ اس مقام کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

زمانے میں شاہِ یگانہ تُہیں
حقیقت میں شاہِ زمانہ تُہیں

عزیباں نوازی ہے تجھ بندگی
تری بندگی مایۂ زندگی

تری نعمتاں کھا سکے ہم تمیز
نمک او یہی وقت کرنا ہے چیز

مغل اصل نامرد ہور حیلہ گر
شجاعت ہماری ہمیں سب پہ ور

مغل کا ہے ہتھیار تیر و تفنگ
ہمیں قبضہ جمدھار و کُردا فرنگ

لڑیں چھپ مغل لے عرابے کا اوٹ
ہمیں بیس دل میں کریں لوٹ پوٹ

کماں رہے یہ اوسان او چھوڑتے
ہمیں کو نہ ہتھیار سوں چھوڑتے

مغل آکہ اول جو لت کھائے ہیں
دکھن کی لڑائی سے کندرائے ہیں

اپس موت کے وقت فرزند کوں
کہے یاد رکھ پوت اس پند کوں

دکھن کی مہم پر تجو روزگار
کہ زنہار نیں او پھر آنے کی ٹھار

یہ آتے سو اکثر ہیں وو پوت عاق
جو پنچے ہیں ماواں لیے پر طلاق

آخر کے تین شعر قطعہ بند ہیں۔ جن کے معنی یہ ہیں کہ مغلوں کا ہر سپاہی مرتے وقت اپنے بیٹے کو یہ وصیت کرتا ہے کہ یاد رکھو کہ جب کبھی دکھن کی مہم درپیش آئے تو نوکری سے دست بردار ہو جانا کہ وہاں جانے کے بعد واپس آنے کی ہرگز کوئی توقع نہیں رہتی۔ اس

کے بعد کہتا ہے) کہ یہ نوجوان جو مغلوں کی فوج میں ہیں یہ وہ ہیں جنھیں ان کے باپوں نے عاق کر دیا ہے اور مطلقہ ماؤں کی اولاد ہیں۔

اگلے بیان میں اس نے تمام قوموں اور ملّتوں اور خیلوں اور قبیلوں کے نام گنوائے ہیں جن کے بہادر افراد فوج میں شریک ہیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں ہیں۔ کوچ سے پہلے پھر تمام فوج سے خطاب کرتا ہے اور اہلِ فوج اپنی جاں نثاری کی تجدید کرتے ہیں۔

اُدھر سے جے سنگھ کی فوج نے عادل شاہی علاقے پر یورش کی اور قلعہ منگل بیڑھ پر قبضہ کر کے سرافراز خاں کو پانچ ہزار سوار کے ساتھ وہاں متعین کر دیا۔ جب اس کی خبر شرزہ خاں کو پہنچی تو اس نے فوراً ادھر کا رخ کیا۔ بیجاپوری فوج کے پہنچنے پر سرافراز خاں نے (خلاف احکام جے سنگھ) قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ تھوڑی دیر خوب لڑائی ہوئی اور سرافراز خاں عین کارزار میں مارا گیا۔ مغلوں کی باقی فوج قلعے میں جاکر محصور ہوئی۔ اور جب بیجاپوری بندوقوں کی زد میں آ گئے تو گولیاں مار مار کر بھگا دیا۔ لیکن نصرتی اور عادل شاہی مؤرخ یہ لکھتے ہیں کہ شرزہ خاں نے قلعہ پر تسلط کر لیا مگر اتنے میں عبدالمحمد اور محمد اخلاص خاں کا خط پہنچا کہ غنیم سے ان کا دو تین دن میں بڑا معرکہ ہونے والا ہے فوراً چلے آؤ۔ شرزہ خاں نے اسی وقت منگل بیڑھ سے یلغار کی اور عادل شاہی لشکر سے جا ملا۔

اصل لڑائی اب شروع ہوتی ہے۔ جے سنگھ اپنا لشکر لے کر بیجاپور کے قرب و جوار میں آ پہنچتا ہے اور بیجاپوری قلعے میں محصور ہو کر مقابلے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور کچھ فوج میدان میں لڑنے مرنے کے لیے جاتی ہے، اور جو علاقہ مغلوں کے تصرف میں تھا اس پر حملہ شروع کرتی ہے۔

ان لڑائیوں میں کبھی پسپائی ہوئی اور کبھی کامیابی۔ لیکن نصرتی ہر بار اپنی ہی فتح بتاتا ہے۔ ان کی تفصیل یہاں غیر ضروری ہے مگر ہر موقع پر اس نے جو رزمیہ بیان لکھے ہیں وہ بلا شبہ قابلِ تعریف ہیں۔ مثلاً جنگ کی تیاری، بہادروں کی نبرد آزمائی، ہتھیاروں کا چلنا، گھوڑوں کی باد پیمائی، ہاتھیوں کا جوش و خروش، غرض پورا جنگ کا سماں دکھایا ہے۔ رزمیہ شاعری کا

یہ کمال قدیم اردو زبان میں کہیں نہیں پایا جاتا اور ضمیر اور انیس سے قبل کسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگی۔ یہ سچ ہے کہ نصرتی میر انیس یا زمانۂ حال کے بعض رزمیہ نگار مرثیہ نویسوں کو نہیں پہنچتا لیکن یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ اس نے میر انیس وغیرہ سے سوا دو سو برس پہلے ان مضامین پر طبع آزمائی کی ہے۔

یہاں بعض مقامات سے کچھ کچھ شعر نقل کیے جاتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنی فوج کے ہتھیاروں کا ذکر یوں کرتا ہے:

شعر۔ جو ہے تیر ہر یک اجل کی چیٹی
لگے پر لیے جیو بن نہیں چھوٹی

(مطلب) ہر تیر اجل کا پروانہ ہے جو لگنے پر
بغیر جان لیے نہیں چھوڑتا

شعر۔ بھوکا اژدہا رن پلو بھالا دے
دندی کاج جیو تس نوالا دے

(مطلب) بھالا رن میں بھوکے اژدہے کی طرح ہے
دشمن کی جاں اس کا نوالا معلوم ہوتی ہے

شعر۔ جو برچی چھوٹ جا پر ہنار ہے
وو ہو ناگنی اُڑ لڑنہار ہے

(مطلب) برچھی چلنے میں جان کی لیوا ہے
وہ ایک ناگن ہے جو اڑکے ڈستی ہے

شعر۔ کمند ہار ہو جا پڑے جس گلے
انکھیاں میں نہ جیو لیاے بن چپ ٹلے

(مطلب) کمند جس گلے کا ہار ہوکر جا پڑے تو وہ
بغیر آنکھوں میں دم لائے نہیں ٹلتی

شعر۔ فرنگ ہر اجل کی ندی کا ہے پاٹ
ڈوباتا ہے جیو جس کے پانی کا کاٹ
(مطلب) تلوار اجل کی ندی کا پاٹ ہے
جس کی آب کا کاٹ جانوں کو ڈبو دیتا ہے

یہ دو شعر خاص طور پر قابلِ ملاحظہ ہیں :
شعر۔ پٹا رن کے دریا کا دستا نہنگ
کرے دم کی جھڑپوں دو دھڑ بے درنگ
(مطلب) پٹا رن کے دریا کا نہنگ معلوم ہوتا ہے
جو اپنی دم کی جھڑپوں سے دھڑ دو ٹکڑے کر دیتا ہے

شعر۔ دسے جیب اژدر کی سیف آبدار
اوڑیں وار کرنے میں چنگیاں ہزار
(مطلب) سیف آبدار اژدہے کی زبان معلوم ہوتی ہے
جس سے وار کرتے وقت ہزاروں چنگاریاں اڑتی ہیں

قسم قسم کے گھوڑوں کی کیفیت، ان کے رنگوں اور ان کی سرعت کا بھی ذکر آتا ہے :
شعر۔ اچنبک کیتی بھانت اچپل ترنگ
پون پیچ کھاوے اٹھیں پر نسنگ

(مطلب) سیکڑوں قسم کے تیز طرار گھوڑے کہ جن کے
چلنے پر ہوا پیچ و تاب کھاتی ہے

شعر۔ دریائی جو دریا پر سٹتے ہیں دھانوں
نہ دیتے ہیں لگنے کوں پانی پہ پانوں

(مطلب) دریائی (گھوڑے) جب وہ دریا پر دھاوا
کرتے ہیں تو پانوں کو پانی نہیں لگنے دیتے

شعر۔ کنچی، روپ ونتی، چنچل من ہرن
بھولے سد ٹھکاں ان کی دیکھت پون

(مطلب) ایسے دل موہنے والے، چنچل، حسین، طرار
کہ جن کے ناز و انداز دیکھ کر ہوا کے بھی ہوش جاتے رہتے ہیں

شعر۔ سبک سیر ترکی دسیں گرد باد
گزر جائیں گلشن پہ بارے کے ناد

(مطلب) سبک سیر ترکی بگولے معلوم ہوتے ہیں
وہ گلشن پر سے ہوا کی طرح گزر جاتے ہیں

ہاتھی کے بیان میں بہت سے شعر لکھے ہیں، یہاں صرف چند لکھے جاتے ہیں:

شعر۔ چلیں پر دسیں پاکھراں سوں سنور
فرشتے چہ اوڑتے ہیں جیوں کھول پر

(مطلب) جب پاکھروں سے سنورے سنوارے چلتے ہیں تو
یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے پر کھولے اڑ رہے ہیں

شعر۔ سہیں کوہ البرز سے مست گج
یک یک آہنی برج قیامت سوں سج

(مطلب) ایک ایک آہنی برج سے سجے ہوئے
مست ہاتھی کوہ البرز معلوم ہوتے ہیں

شعر۔ لٹکتے چلیں پر لگیں گرد باد
دسیں ہال اٹھنیں غلولے کی ناد

(مطلب) اگرچہ ناز سے چلتے ہیں تو بھی بگولا معلوم ہوتے ہیں
دوڑتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے توپ کے گولے ہیں

شعر۔ مخالف کے دل پر تو دریا کا لوٹ
اپس فوج انگے پن دو چلتا سو کوٹ

(مطلب) مخالف کے لشکر پر دریا کا سا سیلاب ہیں
اور اپنی فوج کے آگے چلتے ہوئے قلعے ہیں

شعر۔ دھریں ملک کی فتح یابی کا آڑ
کلیداں سوں داتاں کی کھولیں کیواڑ

(مطلب) ملک کے فتح یاب کا سہارا ہیں
اپنے دانتوں کی کنجیوں سے کواڑ کھولتے ہیں

شعر۔ کریں پایئں سمکہ تو یک دم میں دور
دھریں سونڈ گویا قیامت کا صور

(مطلب) ان کی سونڈیں قیامت کا صور ہیں
جو سامنے آیا اسے فوراً اٹھا پھینکتے ہیں

شعر۔ نکوی باغ بن رکھ دے دل فریب
نہ گج باج کوی دل پکڑتا ہے زیب

(مطلب) جیسے کوئی باغ درختوں کے بغیر بھلا نہیں معلوم ہوتا
اسی طرح کوئی لشکر ہاتھی بغیر اچھا نہیں لگتا

فوج کے کوچ کو کس خوبی سے بیان کیا ہے :

شعر۔ ہوئی فوج جیوں مستعد جس گھڑی
دمامیاں پہ چوندھرتے لکڑی پڑی

(مطلب) جس گھڑی فوج مستعد ہوئی تو دماموں
پر چاروں طرف سے ضربیں پڑنے لگیں

شعر۔ گگن پر ستارے ہوے حال میں
ہدرتا ہے سیماب جوں تھال میں

(مطلب) آسمان پر ستارے یوں ہلنے لگے
جیسے پارہ تھال میں ہلتا ہے

شعر۔ بجتے بھیر و برغم جو بجنے لگے
سوا لاکھ پربت گرجنے لگے

(مطلب) جتنے قرنا اور نقارے تھے سب بجنے لگے
گویا سوا لاکھ پربت گرج رہے تھے

شعر۔ دسے فوج دریا نمن ہر طرف
لگیں رست چھتریاں کی موجاں پہ کف

(مطلب)　　فوج ہر طرف دریا کی طرح نظر آتی تھی
اور چھتریوں کی قطار ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے موجوں پر کف

اسی طرح بیان کرتے کرتے کہتا ہے کہ زمین فوج کی رگڑ سے اس قدر پیسی گئی اور پائمال ہوئی کہ اس کی گرد کا ایک کرہ آسمان کے طبق میں جا جما۔ یا یوں کہو زمین کے بسترِ خاک کو اونچا کر دیا ہے اور اس کا پردہ افلاک پر جا باندھا ہے۔ آخر میں کہتا ہے:

کہے کیا ابھال آکہ اوتریا ہے یہاں
بڈی ہے زمیں یا نویا آسماں

(گویا دہاں ایک بادل اتر آیا ہے! یا تو زمین اونچی ہوگئی ہے یا آسمان نیچا ہوگیا ہے)۔

اس باب میں اس نے دہلی کی فوج کا بیان بڑے لطف سے کیا ہے۔ لشکر کی بہتات، اس کی عظمت، ہندوستان و ایران و ترکستان کے مختلف اقوام اور قبائل کے لوگوں کی شرکت، ہاتھیوں کے پرے، اسلحہ کی کثرت وغیرہ تفصیل سے بیان کی ہے مگر ساتھ ساتھ چٹکیاں بھی لیتا جاتا ہے اور یہ سارا بیان اچھی خاصی ہجوِ ملیح ہوگیا ہے۔ یہاں میں اس کا اکثر حصہ نقل کیے دیتا ہوں:

شعر۔　　کتا ہوں اتا فوج دہلی کی بات
چلے تھے دکن دل پہ کس دھات سات

(مطلب)　　اب میں دہلی کی فوج کا حال سناتا ہوں
کہ وہ کس ڈھنگ سے دکن کے لشکر پر چڑھی تھی

شعر۔　　کہ جس فوج کو دیکھنے میں سچ
دسے نا کسے انتہا ہور اوبچ

(مطلب) ایسی فوج کہ جس کی انتہا اور
ابتدا سمجھ میں نہیں آتی تھی

شعر۔ ہتھیاں کا عرابہ چلے میل میل
تھا جس میں سردار اصحاب فیل

(مطلب) ہاتھی گاڑیوں کا پرا آہستہ آہستہ چلتا تھا
جن میں کا سب سے چھوٹا اصحاب فیل کے ہاتھیوں کا سردار تھا

شعر۔ سراسر اگر بھار سارا دسے
تو یک فوجدار اس میں دارا دسے

(مطلب) اگر ساری فوج کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک
دیکھا جائے تو ایک ایک فوجدار دارا کے رتبے کا معلوم ہوتا تھا

شعر۔ سبک منصبی ہور بھاری کتے
اتھے کئی صدی ہور ہزاری کتے

(مطلب) کچھ ان میں چھوٹے منصب دار تھے اور کچھ بڑے
بڑے منصب دار؛ کچھ صدی تھے کچھ ہزاری

شعر۔ یک یک ملک کے نام آور جوان
دو اسپہ سہ اسپہ سپہ بے گماں

(مطلب) ان میں ملک ملک کے نام آور جوان تھے
اور اُس میں دو اسپہ سہ اسپہ سب قسم کے سپاہی تھے

اس کے بعد وہ ہر قوم اور قبیلے اور ہر ملک اور شہر کے لوگوں کو جو مغلوں کی فوج میں بھرتی ہو کر آئے تھے، گنواتا ہے اور کہیں کہیں ان کے عادات و خصائل کو ہجویہ رنگ میں بیان کرتا ہے۔

مغولاں کیتے ملک و کے شہر کے
کیتے ہندو کوئی ماورالنہر کے

چغتے قزل باش ازبک بلی
قندھاری کیتے بلخی و کابلی

مروت کے مفلس محبت کے شوم
فراست کوں طوطی نحوست میں بوم

فریب ان کے فن میں بڑا برد ہے
جنم جن کا ابلیس شاگرد ہے

نچھے جن میں اصلاً مروت کی بوے
کریں اس سوں بد جس سے نیک ان پہ ہوے

ٹھگا نیچ دنیا کو مادر کہیں
چھپا لوڑ ظاہر کوں خواہر کہیں

(ٹھگنے کے لیے دنیا کو مادر کہتے ہیں اور نفسانی خواہشات کو چھپا کر ظاہر میں خواہر کہتے ہیں یعنی بڑے ابن الوقت ہیں)۔

بدی باپ سوں اپنی میراث جان
برادر کا خوں شیرِ مادر پچھان

دیکھیں کچ ہے جہاں فائدہ آپ کوں
نہ چھوڑیں سگے بھائی اور باپ کوں

اتھے میرزا اُن میں کشمیر کے
خرابٹ سپاہی بی چوندھیر کے

خراسانی اور اصفہانی کیتے
دماوندی و دامغانی کیتے

کیتک سبزواری بخاری کیتے
ہراتی و طوسی و لاری کیتے

ہویزای و ہروی و ہمگری
سجستانیاں اصل نسل آذری

کتک ترک گرجی کتک رومیاں
سمرقندی شیرازی جہر دمیاں

کمند از کوئی گرز بازی میں چست
تیر انداز کوئی نیزہ بازاں درست

بھوکے ہو کہ جھگڑے کوں پھرتے دلیر
لوہے چابتیں دل نخوئیں ان کے سیر

خلال ان کے داتاں کا بھالا دسے
گراں گرز مکھ کا نوالا دسے

کیتک ذات کے تھے روہیلے ادٹ
زبردست پنجابیاں دل کے گھٹ

بھوت راو رانے اتھے رج کے پوت
عزوری میں شیطان جھگڑے پہ بھوت

سسودی دکچوی و کابی جنوار
سورج ونس و سرسات دگوہل پنوار

امت دیوڑی چندراوت چنڈیل
بیندھل سوم بنسی دکھچی پلو پچھیل

موری جیٹھوی ہور جھالے کیتے
سولنکی و پزمار و ہالے کیتے
کدم کوڑ و کوڑی و کاڑی کیتے
کتک جادڑی ہور کاڑی کیتے
بئیس اور کھیلوٹ کے دھاندلاں
چوہاناں و سورہا کیتے باچھلاں
کیتے بہرئی واجھی واکھیلے
بھٹے ٹانک و بھائی کیتے واڑے
تھرانا و کسونیاں بڑ گجر
کہرواد و بوندیل و جادھو تنور
اہیران و کھاچر و آسیل کتے
دھوری ہور راٹھور و تومیل کتے
براڑی کیتے خاندیسی کیتے
بنگالے کے کوتول بھیستی کیتے

غرض اس طرح وہ فوج کی ہر ذات اور قبیلے اور ملک و دیار کے باشندوں کا شمار کرتا چلا جاتا ہے۔

ان کے لباس کے متعلق لکھتا ہے:

کئی کسوتاں تنگی کوئی آ ہنی
سلاحاں بندی یعنی روئیں تنی
تیلونی کیے جامہ کوئی کیسری
کیے کسوتاں صاف کوئی زرزری
جڑت کے طرے سر پہ گلیاں لگاے
جہن مال کوئی گل مکٹ مال بھاے

لیکن آخر تان اس پر توڑتا ہے :

مغل ہر ہنر میں بڑا کار ساز
لڑائی کے فن پر تو ات حیلہ ساز

اس کے بعد شاعر مغلیہ فوج کی حالت اور شان کا نقشہ کھینچتا ہے :

شعر۔ چلے سات لے دل کا چلتاج کوٹ
سرپ فوج دارو سوں آتش کی موٹ

(مطلب) فوج کا چلتا ہوا کوٹ (قلعہ) ساتھ لے کر چلے اور تمام
فوج گولے بارود کی وجہ سے آگ کا خزانہ بنی ہوئی تھی

شعر۔ زنجیرے کا حلقہ سوں باندے حصار
رچیں جوڑ گج مست برجاں کی ٹھار

(مطلب) زنجیروں کے حلقے سے حصار باندھا ہوا تھا
اور اس حصار کے برج مست ہاتھی تھے

شعر۔ فرنگ نال اوتم چین کے بوم کے
فرنگی فرنگ داز کوئی روم کے

(مطلب) اعلا درجے کی بندوقیں چین کے ملک کی
اور ان کے چلانے والے روم کے تھے

شعر۔ کریں یک رنگہ کر جو گولیاں کی ریز
ہوا ہوے انگیٹی انگاریاں کی تیز

(مطلب) جب یک بارگی گولیاں چلائیں تو ہوا
جلتے ہوئے انگاروں کی انگیٹھی بن جاتی ہے

شعر۔ قطاراں قطاراں ستر نال اچھے
سب اوس کوٹ کوں ہوکہ ہکال اچھے

(مطلب) شتر نالوں (یعنی) وہ بندوقیں جو اونٹوں پر رکھ کر چلائی جاتی ہیں) کی سینکڑوں قطاریں تھیں اور وہ سب اس کوٹ (فوج) کی زینت تھیں

شعر۔ چھوٹے مست ہاتھی تو ڈونگر تے چڑ
فرنگیاں زنبوریچ چو ڈل سو گڑ

(مطلب) مست ہاتھی جو پہاڑوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھے چھٹے ہوئے تھے اور چھوٹی بڑی توپوں سے قلعہ آراستہ تھا

شعر۔ یک یک بستہ دارو کا یک کوہ جان
صندوقانچ گولیاں کی ششیاں کی کھان

(مطلب) گولے بارود کا ایک ایک ڈھیر ایک ایک پہاڑ تھا اور صندوق، گولیوں اور شیشوں کی کان تھے

شعر۔ بڑا توپ خانہ یک یک جس کی توپ
غلولے سوں دھرتی کا ہوے سینہ کوپ

(مطلب) بڑا توپ خانہ تھا جس کی ایک ایک توپ ایسی تھی کہ اس کے گولے سے زمین کا سینہ شق تھا

شعر۔ دیکھت گولہ بسرے کرہ بھویں کا ناز
تھکے دیکھ بھانڈے فلک حقہ باز

(مطلب) ان گولوں کو دیکھ کر کرۂ ارض اپنا ناز بھول جاتا ہے
اور فلک حقہ باز دیکھ کر ششدر رہ جاتا ہے

شعر۔ ہریک توپ بادل ہے بن برق بار
برستی اگن جل میں گولیاں کے گار
(مطلب) ہر ایک توپ برق بار بادل تھی جس کے
گولے آگ کی بارش کے اولے تھے

شعر۔ جو یک توپ دھرتی پہ جب کڑ کڑے
سمندر کا دہشت سوں پانی پڑے
(مطلب) اگر ایک توپ بھی اس زمین پر کڑکڑائے
تو دہشت سے سمندر کا پانی اڑ جائے

شعر۔ شتر۔ بار باناں ہزاراں قطار
دسے بانس پیکیا سو جیوں کوہسار
(مطلب) اونٹوں کی ہزاروں قطاریں تیروں سے لدی ہوئی ایسی
معلوم ہوتی تھیں گویا کوہسار پر بانسوں کے کھیت اگے ہوئے ہیں

شعر۔ ہتی لئے مکوڑیاں تے چمٹیاں تے ٹار
پیاداں کے بھاراں ملخ تے اپار
(مطلب) ہاتھی، مکوڑوں اور چیونٹیوں کی قطار سے بھی
زیادہ تھے اور پیادہ فوج ٹڈی دل سے بھی بڑھ کر تھی

غنیم کی فوج کا یہ ذکر بڑے زور شور سے کیا ہے۔ اپنی اس فوج کو دیکھ کر جے سنگھ کیا کہتا ہے:

شعر۔ یو جب فوج جے سنگھ دیکھیا سنوز
کیا لاف ایسی خدا کوں بسر

(مطلب) جے سنگھ نے جب یہ آراستہ فوج دیکھی تو
وہ خدا کو بھول گیا اور ایسی لاف مارنے لگا

شعر۔ مسلمان تکرار کرتے ڈرے
فرنگی سونے بی تو توبہ کرے

(مطلب) کہ جسے مسلمان کہتے ڈرتا ہے اور فرنگی
سن پائے تو توبہ توبہ کرے۔

دوسری طرف سے بیجاپوری فوج کوچ کرتی ہے اور ایک دوسرے کا آمنا سامنا ہوتا ہے۔ ان دونوں میں شیواجی کی حالت کو پاسنگ سے بڑی اچھی تشبیہ دی ہے، جو موقع پاکر کبھی اِدھر ہوجاتا ہے کبھی اُدھر۔

شعر۔ دونو بھار ہم تول تھے یوں اگر
سیویا ان میں پاسنگ کا تھا پتھر

(مطلب) دونوں فوجیں برابر کی ہم پلہ تھیں
اور شیواجی ان میں پاسنگ کا پتھر تھا

شعر۔ جو یک دل کھڑا رہے یہ یک ٹک چلے
توے یک طرف یک طرف ڈلملے

(مطلب) اگر ایک لشکر کھڑا رہے یا ایک چلے تو یہ کبھی
ایک طرف کو جھک جاتا ہے اور کبھی دوسری طرف کو

شعر۔ تو سنجیدہ لوگ اس کوں پاسنگ جان
منگے ترت کرنے دو پلے کوں کان

(مطلب) تو سنجیدہ لوگ اُسے پاسنگ سمجھ کر
فوراً اپنے پلے کو کان دیدیتے یعنی جھکا دیتے ہیں

اب لڑائی کا سماں شروع ہوتا ہے اور خان شرزا بہادری کے جوش میں آگے بڑھتا ہے کیا دیکھتا ہے کہ مغلیہ فوج توپوں کا حصار اپنے گرد کیے کھڑی ہے ۔ یہ رنگ دیکھ کر خان شرزا کہتا ہے :

کہ بیٹھا اچ ہے لگ کنڈل مار سانپ
سٹیگا اچ بے فکر چھیڑے تو چھانپ
ہمیں ہو کہ نا چپکہ چچکارنا
لمبا کر کے اس مار کو مارنا

یعنی یہ سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے، اگر ذرا بھی چھیڑا تو ڈس لے گا۔ تو ہم کیوں خواہ مخواہ اسے چھیڑیں، مناسب یہ ہے کہ اُسے لمبا کر کے ماریں ۔ یعنی ایسی ترکیب کریں کہ وہ کنڈلی کھول کر آگے بڑھے اور اس وقت ہمارا داؤ چل جائے گا۔ توپوں کے زنجیرے سے محصور ہونے کو سانپ کی کنڈلی مارنے سے کیا اچھی تشبیہ دی ہے۔

غرض بیجاپوری فوج اپنا داؤ کرتی ہے اور پیچھے ہٹتے ہٹتے غنیم کو دور کھینچ لاتی ہے اور پھر مقابلہ کرتی ہے۔

اب جنگ کا میدان گرم ہوتا ہے ۔

شعر۔ ہوا پل میں پیدا کری بے مثال
اگن کا گگن ہور دھوئیں کا ابھال

(مطلب) ہوا نے ایک پل میں آگ کا آسماں
اور دھوئیں کا عجیب وغریب بادل پیدا کر دیا

شعر۔ غنیماں کے بھیجیاں کوں کھانے شتاب
خوش آنے لگیا موں میں کھڑگاں کے آب

(مطلب) دشمنوں کے بھیجے کھانے کے لیے تلواروں کے
منھ میں پانی بھر بھر آتا تھا ۔

شعر۔ کماناں رکھیاں دل کشاکش منیں
او بلنے لگے تیر ترکش منیں

(مطلب) کمانوں نے دلوں کو کشمکش میں ڈال رکھا تھا
اور تیر ترکش سے ابلے پڑتے تھے ۔

شعر۔ پھوکیا تیز یوں سخت بھالیاں کا انگ
کہ پھکتا ہے جیوں باؤ لے کر بھوجنگ

(مطلب) سخت بھالوں کا جسم اس طرح پھنک رہا تھا
جیسے اژدہا ہوا کھا کر پھنکارے مارتا ہے

شعر۔ بھڑکتے ترنگان ہو آگاں دسے
سواراں بھوکے رن کے باگاں دسے

(مطلب) بھڑکتے گھوڑے آگ بگولا نظر آتے تھے
اور بھوکے سوار شیر معلوم ہوتے تھے

شعر۔ نشانی ہے جیوں میہنوں لانے کوں باؤ
دلویں یوں جہراٹے لڑائی کوں تاؤ

(مطلب) جس طرح ہوا بارش لانے کی نشانی ہوتی ہے۔
مرہٹے اسی طرح لڑائی کو گرما رہے تھے

شعر۔ نکلتے ہیں جیوں باگ نخچیر کوں
نکل یوں مہراٹے دونو دھیر سوں

(مطلب) جس طرح شیر شکار پر لپکتا ہے اسی طرح
دونوں طرف سے مرہٹے لڑنے کو نکلتے تھے

آگے چل کر لکھتا ہے:

شعر۔ ہر یک مکھ تے آواز سن مار مار
کیا جیو نے دشمن کے ہونٹاں ہیں ٹھار

(مطلب) ہر ایک کے منھ سے مار مار کی آواز سن کر
دشمنوں کے دل ہونٹوں پر آکر ٹھہر گئے تھے

شعر۔ دیکھیا جب بڑی آکہ بازی یتی
مغل دیئں عرابے کو دیتا بتی

(مطلب) جب مغلوں نے دیکھا کہ بات یہاں تک بڑھ گئی ہے
تو اس نے توپوں کی زنجیروں کو آگ دکھائی

شعر۔ جو یک دم چھوٹی توپ ہر فرد فرد
اوچایا دھواں باؤ ہو اگ کی گرد

(مطلب) جب ایک دم توپیں چھٹیں تو ہوا نے
آگ کی گرد بن کر دھواں بلند کیا

شعر۔ دسے تس میں تروار جھلکے جتی
مگر گرد میں اوڑ رہی ہے پتی

(مطلب) تلوار اس میں جھلکتی ہوئی ایسی معلوم ہوتی تھی
جیسے گرد میں اڑتی ہوئی پتی

شعر۔ ہوا آسماں گرم جیوں لگ کے تاب
سوکا اوٹ کا چشمۂ آفتاب

(مطلب) اس کی حرارت سے آسمان گرم ہوگیا
اور چشمۂ آفتاب اونٹ کر خشک ہوگیا

شعر۔ ہوا پر فرنگیاں کے گولیاں کا ٹھاٹ
نظر کی گزر کا سٹیا باند باٹ

(مطلب) بندوقوں کی گولیوں کا ہوا پر یہ ہجوم تھا کہ
نظر کا رستہ بند ہوگیا تھا (یعنی کچھ سجھائی نہ دیتا تھا)

شعر۔ کہے دیکھ حیران ہو اہلِ عرش
معلق ہوا پر بندیا کون فرش

(مطلب) اہلِ عرش یہ دیکھ کر حیران ہو کے کہتے تھے
کہ ہوا پر کس نے یہ فرش معلق کردیا ہے

شعر۔ دلیراں کریں نعرہ یوں ہو کے آگ
نیستان میں جیوں گرجتے ہیں باگ

(مطلب) دلیر آگ ہوکر یوں نعرہ کرتے تھے
جیسے نیستان میں شیر ڈکارتے ہیں

شعر۔ جھلکنے لگی کھڑگ بھالیاں میں یوں
لگے ہے نیستان کوں آگ جوں

(مطلب) تلوار بھالوں میں یوں جھلکتی تھی
جیسے نیستان میں آگ لگی ہو

شعر۔ پڑے ٹٹ کہ واراں تلیں ہر رخن
ہتی دانت گانڈے کی پیریاں نمن

(مطلب) ہاتھی دانت گنے کی پوریوں کی طرح
کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

اس طرح لکھتے لکھتے ایک شعر لکھتا ہے:

رگت کٹ تے بھالیاں کے نکلیا اپار
لہراں جیوں نکلتیاں ہیں جالیاں کے بھار

یعنی خون بھالوں کے کناروں سے اس طرح بہہ نکلا تھا جیسے پانی کی لہریں جالیوں میں سے ہوکر بہہ نکلتی ہیں۔

شعر۔ یک یک گج تے سینتیاں چھوٹیاں یوں ہزار
کہ برسیاں ہیں بجلیاں بونداں کی ٹھار

(مطلب) ایک ایک ہاتھی پر سے جو ہزاروں برچھیاں چلیں تو یہ
معلوم ہوتا تھا کہ بجائے خون کی بوندوں کے بجلیاں برس رہی ہیں

شعر۔ نکوی کس مدد کر سکے تس گھڑی
ہر یک سر پہ اپنیچ اپسیں پڑی

(مطلب) اُس گھڑی کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکتا تھا
ہر ایک اپنی اپنی مصیبت میں مبتلا تھا

شعر۔ اوٹھیا جیوں کھناکھن کا آواز زور
فلک کان موںچیا نہ سن سک کہ شور

(مطلب) کھناکھن کی آواز اس زور سے اٹھی کہ فلک
اس شور کی تاب نہ لاسکا اور اپنے کان بند کر لیے

شعر۔ کھڑگ کڑکڑاتی سورج ٹھانوں ٹھانوں
سپر بن نہ تھی کچھ بی کس سر پہ چھانوں

(مطلب) چمکتی تلوار جگہ جگہ سورج بنی ہوئی تھی
کسی کے سر پہ سوائے سپر کے کوئی چھانو نہ تھی

شعر۔ دوڑا دوڑ میں آگ کھڑگاں تے جھڑ
سپر چہ موئی جیوں بھونے سو پیڑ

(مطلب) تلواروں سے مسلسل آگ برس رہی تھی
اور ڈھالیں اس کی حرارت سے ایسی ہوگئی تھیں جیسے بھنے پاپڑ

شعر۔ جمیا کوی کھڑے راگ ہنکار کا
رہیا سر کھناکھن کے جھنکار کا

(مطلب) کوئی کھڑا آہ و فریاد کا راگ الاپ رہا تھا
اور اُدھر کھنا کھن کی جھنکار کا سُر جاری تھا

شعر۔ زمیں ہور فلک ہو کہ یک حال میں
لگے ناچنے تیغ کی تال میں

(مطلب) زمیں اور فلک ایک حال میں ہوکر
تیغ کی تال پر ناچنے لگے

شعر۔ ہوا رنڈ جن ٹک کھڑا پانوں گاڑ
دے کھونٹ جیوں ڈال توڑے سو جھاڑ

(مطلب) جو ذرا قدم جما کے کھڑا ہوا وہ ایسا رُنڈ منڈ
ہوگیا جیسے درخت کا ٹھنٹھ

جنگ کا یہ بیان بہت طویل ہے۔ میں نے کہیں کہیں سے چند چند شعر لکھ دیے ہیں کہ شاعر کی قوتِ بیان کا اندازہ ہو سکے۔ چند شعر اسی بیان سے متعلق اور نقل کرتا ہوں:

شعر۔ سلح کوٹ گڑ مرد او پراں ہے
اجل آئے پر ویچہ بھونچال ہے

(مطلب) اسلحہ، فصیل، قلعہ مرد کی حفاظت کے لیے ہیں
لیکن جب اجل آتی ہے تو یہی بھونچال ہو جاتے ہیں

شعر۔ اجل کا جو جس مرد پر ذوق ہے
زرہ کی کڑی موبمو طوق ہے

(مطلب) جس شخص پر اجل کی نظر ہوتی ہے
تو زرہ کی کڑیاں اس کے لیے طوق بن جاتی ہیں

شعر۔ ہوا بار سفرہ پتا مرگ کا
بھریا موں نوالیاں تلیں کھڑگ کا
(مطلب) موت کا خوان اس قدر بھرپور تھا کہ
تلوار کا منھ کھاتے کھاتے بھر گیا

اس کے ساتھ وہ مغلوں کی شکستہ حالی اور درماندگی کا بھی ذکر کرتا ہے۔ اس میں مبالغہ کے ساتھ تکلّف اور تصنّع پایا جاتا ہے۔ مثلاً وہ لکھتا ہے کہ مغل ہمارے گھر مہمان آئے ہیں، ہم نے ان کی خاطر مدارات کا سامان یہ کیا ہے :۔ زمین ان کی مسندِ رنگین ہے (یعنی خون سے) اور اجل کی شراب ان کی تفریح کے لیے ہے۔ نُقل کے لیے دانت بجائے مغز بادام اور لب بجائے انگور ہیں۔ سر کے کاسوں میں بھیجے ان کے کھانے کے لیے اور غم پینے کے لیے ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد لکھتا ہے :

شعر اجل کی کیتے خواب میں خرّ خرّائیں
کیتے ہوئیں آسودہ کوئی تڑ پھڑائیں
(مطلب) بہت سے خواب اجل میں غرق خراٹے لے رہے تھے
بہت سے ٹھنڈے ہو گئے تھے اور بہت سے تڑپ رہے تھے

شعر۔ ہوے ہو سلح گرم سینے تنور
اگن دھک کے جلتی تھی پھنسلیا ہو چور
(مطلب) اسلحہ کی گرمی سے سینے تنور ہو رہے تھے اور
پسلیوں کے ایندھن سے آگ دھک دھک جل رہی تھی

شعر۔ تنوراں تے سینیاں کے اُر لہو کی دھار
ہوے رن میں طوفاں ادک ٹھار ٹھار

(مطلب) سینوں کے تنوروں سے لہو کی دھاریں اڑ رہی تھیں
اوراس سے میدانِ جنگ میں جگہ جگہ طوفان بپا تھا

شعر۔ زمیں پر رگت کا اکھنڈ حوض بھر
یکایک جو چڑیا چلیا پور بھر

(مطلب) زمین پر خون کا مسلسل حوض بھرا ہوا تھا
اس سے جو یکایک سیلاب چڑھتا چلا تو

شعر۔ سورج سخت طوفان کا دیکھ اوبال
منگیا چڑنے چندر کی کشتی نکال

(مطلب) سورج نے اس شدید طوفان کا ابال دیکھ کر
سواری کے لیے چاند کی کشتی کو نکالنے کا حکم دیا۔

شعر۔ ہلاوے جو پرزور آنے لگے
ہتی تول میں ڈلملانے لگے

(مطلب) اب جو پرزور ریلے آنے لگے تو
ہاتھی بے قابو ہوکر ڈگمگانے لگے

شعر۔ نقارے رگت پر جو اولٹے پڑے
دسے بڑ بوڑے باو اوندے کھڑے

(مطلب) نقارے جو خون کے اس سیلاب پر الٹے پڑے تھے
وہ ایسے نظر آتے تھے جیسے حباب

شعر۔ دسیں یوں زرہ پوش لہو میں جنجال
مچھی جیوں توڑا لیکھ نھاٹی ہے جال

(مطلب) زرہ پوش لہو میں لتھڑے اس طرح نظر آتے تھے
جیسے مچھلی جال تڑاکر بھاگ جاتی ہے

شعر۔ رگت جل میں ٹکڑے زرہ کے کنجال
گونگے خود و دستانہ سینپیاں مثال

(مطلب) خون کے سیلاب میں زرہ کے ٹکڑے مثل کائی کے تھے
خود مثل گھونگے کے تھے اور دستانے مثل سیپیوں کے

شعر۔ کماناں پڑیاں ٹٹ کہ چلّے الوپ
کہ جیوں دھامنیاں بھار لیتیاں ہیں دھوپ

(مطلب) کمانوں کے چلّے اس طرح ٹوٹے پڑے تھے جیسے
دھامنیں دھوپ کھانے کے لیے باہر آپڑتی ہیں

شعر۔ ملے یوں وو چلّے رگت بیچ میں
ہزاراں ہیں جیوں کیچوے کیچ میں

(مطلب) خون میں وہ چلّے اس طرح لتھڑے
پڑے تھے جیسے کیچڑ میں کیچوے

موت کا وہ بازار گرم ہوا کہ :

شعر۔ ملایک کے ہت تے گیا کام بھار
کر آتے تھے جیو یک کے بانٹے ہزار

(مطلب) فرشتوں کی قدرت سے یہ کام باہر ہوگیا اس لیے
کہ ایک ایک کی تقسیم میں ہزار ہزار جانیں آتی تھیں

شعر۔ ہوا سب یہ ارواح سوں بھر رہی
پون پر ادک مارتے پر رہی

(مطلب) تمام ہوا ارواح سے بھر گئی تھی اور ہوا
میں زور زور سے پر مار رہی تھیں

شعر۔ چھوٹا زور ارواح کا باد جب
فلک کی یو فانوس گرداں ہیں تب

(مطلب) ارواح کی آندھی جب زور سے چلی تو اس
ڈر سے کہ فلک کے فانوس گرداں میں سورج کی

شعر۔ یو شمع سورج تاکہ ہوے کر بڑی
لیا پردۂ ابر اوتار اس گھڑی

(مطلب) شمع تاریک نہ ہو جائے فوراً
ابر کا پردہ ڈال دیا گیا

مخالفین کی حالت ملاحظہ ہو :

شعر۔ مخالف نے دیکھیا کہ یوں رن پڑیا
اپس کا تو لوک اس میں اوگن پڑیا

(مطلب) غنیم نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو
اس کی حالت بہت زبوں اور بری ہوگئی

شعر۔ دسے نیمہ فوج آئی تھی جو عظیم
رہی سو بی زخموں سے ہوے نیمہ نیم
(مطلب) وہ فوجِ عظیم جو آئی تھی اب آدھی رہ گئی
اور اس آدھی میں سے بھی آدھے زخمی پڑے تھے

شعر۔ ہوے تھے سو آدیاں تے سب جان اوڑیا
جو سارے اتھے اُن تے اوسان اوڑیا
(مطلب) آدھے تو ایسے تھے جو جان کھو چکے تھے
اور باقی جو سالم تھے ان کے اوسان جاچکے تھے

شعر۔ کھڑے تھے جو ہمت سوں جہاں پانوں گاڑ
ناطاقت رہی پانوں لینے اکھاڑ
(مطلب) جو ہمت کرکے پاؤں گاڑے کھڑے تھے ان میں
اتنی سکت نہ رہی کہ وہاں سے پاؤں اٹھائیں

شعر۔ سب اعضا نے قوت کوں ساری سٹے
ہتھیاراں بی ہر ہٹ تے یاری سٹے
(مطلب) سب اعضا نے ہمت ہار دی اور ہتھیاروں
نے بھی ہتھیار بندوں کی دستگیری چھوڑ دی۔

شعر۔ نوایاں کماناں نے سر مان ہار
تھکے تیر، سوفار کے موں پسار

(مطلب) کمانوں نے ہار مان کر اپنے سر جھکا دیے
تیروں کے سوفاروں نے تھک کر منھ پسار دیے

شعر۔ اوڑیاں بانک داراں جھڑے ہت تے سانگ
سلح ڈھل پڑے ڈرسوں پتلے ہو آنگ

(مطلب) خنجر اور نیزے ہاتھوں سے گر گر پڑے
سپاہی ڈر سے ایسے دبلے ہو گئے تھے کہ ہتھیار
خود بخود بدن پر سے گرے پڑتے تھے

شعر۔ ہوئے ٹٹ علی بند آوارہ ڈھال
ٹوٹی بیل پر پات ہوئیں جوں نڈھال

(مطلب) علی بند اور ڈھالیں ٹوٹ کر اس طرح
رہ گئیں جیسے ٹوٹی بیل کے پتے نڈھال ہو جاتے ہیں

شعر۔ بسرج کوں رجپوت دانتوں مجھار
دھرن آئے برچھیاں کوں کاڑی کے ٹھار

(مطلب) راجپوت بے غیرتی سے دانتوں میں تنکوں
کی بجائے برچھیاں رکھے ہوئے تھے۔

شعر۔ گئے بھول قانون اپنا قدیم
نہ کچھ کام آیا عرابہ عظیم

(مطلب) اپنا پرانا قاعدہ سب بھول گئے اور
ان کے بڑے توپ خانے کچھ بھی کام نہ آئے

مغل فوج کو شکست ہوئی اور جب وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلی تو شاعر نے ایک نیا سماں دکھایا ہے۔ میدانِ جنگ میں ایک بڑا جشن ہوتا ہے یعنی بڑی ضیافت درندوں اور جانوروں کی ہوتی ہے۔ اس موقع پر شاعر نے بھی بڑی جدّت سے کام لیا ہے۔ میدانِ جنگ جو خون سے بھرا ہوا تھا درندوں کی مسند اور فرش بنا۔ شیر بڑے رعب داب اور شان و شوکت سے درندوں کی فوج لے کر آتا ہے اور تختِ شاہی پر جلوہ افروز ہوتا ہے۔ اس کے بعد شاعر نے ہر درندے کی خصوصیت اور اس کے لباس وغیرہ کی کیفیت بڑے مزے سے بیان کی ہے۔ مثلاً بادشاہ (شیر) کے کرسی نشین ہوتے ہی ریچھ اپنی خاکی (دھوئیں کے رنگ کی) وردی پہن کر چوبداروں کی طرح آکھڑے ہوئے۔ پلنگ اور چیتے اپنی اپنی خوشنما بیل بوٹوں کی پوشاک پہن کر آئے۔ بھیڑیے صوف کے چل قد زیر بر کیے ہوئے تھے۔ خار پشت ترکش لگائے آیا۔ لومڑی خوب بن سنور کر آئی اور اپنی چوٹی کی دم کو پھندنے سے آراستہ کیے ہوئے تھی۔ سیہ گوش کلاہ پہنے اور صوف پوش نظر آتے تھے۔ خدا ترس ترّس (چرخ) ہڈیاں ڈھونڈتے ہوئے تشریف لائے۔ جب سب جمع ہو گئے تو نقیبان شغال نے صلائے دعوت دی اور اب کوے، کتے، چیلیں، گدیں وغیرہ بھی حاضر ہو گئے۔ میدانِ جنگ جو مغل فوج کی لاشوں سے سفرۂ عام بنا ہوا تھا، اس پر وہ سب ٹوٹ پڑے۔ شاعر نے اس مقام پر ان کی کلیلوں اور خوش فعلیوں کی بھی تصویر کھینچی ہے اور یہ بھی دکھایا ہے کہ کون کیا کھاتا اور کس کس طرح سے کھاتا ہے۔ جب گوشت اور ہڈیاں بھنبوڑ بھنبوڑ کر اور خون پی پی کر بدمست ہوئے تو گانے بجانے اور رقص و سرود کی سوجھی۔ سروں کے کاسوں کے طنبورے بنائے اور ان پر رودوں کے تانت باندھے۔ اونٹ کی پسلیوں سے کمانچے تیار کیے، غرض اس طرح بہت سے ساز بنا لیے۔ کوّوں نے اپنی خوش آوازی اور گیدڑوں نے اپنی الاپ سے محفل کو خوب رجھایا۔ ناچ کے لیے بھتنیاں آتی ہیں۔ اپنے کپڑے اتار کر نیا لباس اور زیور پہنا۔ پھریروں کی چنریاں بنائیں، جھنڈوں کے کپڑے

کھول کر تہہ بند بنالیے۔ ہاتھی دانت کے کڑے اور ناخنوں کی چوڑیاں بنائیں۔ گج موتی چن چن کر گلے میں پہنے۔ خون کا غازہ منھ پر ملا۔ پاکھروں سے آئینے نکال کر آرسیاں بنائیں۔ بہادروں کے طرے سروں پر لگائے اور ان کی مالائیں گلوں میں پہنیں۔ القصہ اس طرح آراستہ ہو کر انھوں نے اپنے رقص کا کمال دکھایا ہے۔ کیا خوب شعر کہا ہے:

سراپا اگن ہو بھڑکتی چلی
ادک بیجلیاں تے کڑکتی چلی

یعنی وہ سر سے پاؤں تک آگ ہو کر بھڑک رہی تھی اور بجلیوں سے بھی زیادہ کڑکتی ہوئی چلی۔

اس رقص کو دیکھ کر تمام جانور اور درندے بے خود ہو گئے۔ ریچھ مستی سے آپے سے باہر ہو گیا اور حال میں آکر ہر تال پر قدم چومنے لگا۔ چیتے کے ہوش جاتے رہے۔ لومڑیوں کی ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ ببر نے ناچنے والوں پر (لاشوں کی) آنکھوں کے گوہر نثار کیے۔ کتوں نے انتڑیوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالے۔ گیدڑوں نے چربیوں کی شالیں اڑھائیں۔ شیر نے خوش ہو کر سرخ مخمل کی مسند انعام میں بخش دی۔ جب جشن قریب ختم ہوا تو سب نے بادشاہ (علی عادل شاہ) کے اقبال و دولت کے گیت گائے۔

یہ بیان بہت لطف اور جدت آمیز ہے اور اس سے نصرتی کی ظرافت اور بیان کی خوش اسلوبی ظاہر ہوتی ہے۔ رزم میں اس نے جا بجا بزم کا لطف دکھایا ہے اور سارا بیان بہت ہی ظرافت آمیز ہے۔

اس فتح کی خبر کھنے ملک کے ذریعے سے بادشاہ کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ وہ وزرا رکا نامہ لے کر جاتا ہے اور زبانی بھی حالات عرض کرتا ہے۔ یہ نامہ دربار میں پنڈت دھرماجی پڑھ کر سناتا ہے۔ اس پر بہت خوشیاں منائی جاتی ہیں اور جشن کیا جاتا ہے۔ اور خاص خاص لوگوں یعنی شاہ ابراہیم خلف شاہ منجلے، علی رضا وغیرہ کو خلعت سے سرفراز کیا گیا۔

اس کے بعد کے باب میں مغلیہ فوج کی بے سروسامانی، تنگی اور بددلی اور جے سنگھ کی پریشانی کا نقشہ کھینچا ہے۔ ہر طرف سے رستے بند ہیں اور رسد کے نہ پہنچنے سے سب بد دل

اور پریشان ہیں۔

لیا کونڈ چوندھر تے فوجاں مسند
ہوا باٹ تے باؤ آنے کوں بند

یعنی فوجوں نے چاروں طرف سے رستے اس سختی سے بند کر رکھے کہ اس رستے سے ہوا تک نہیں آسکتی تھی۔

اس بیان میں نصرتی نے سپاہیوں، بہیر بنگا، گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کی شکستہ حالی پر خوب خوب پھبتیاں کسی ہیں۔

اس پریشان حالی میں جے سنگھ کو یہ خوش خبری پہنچتی ہے کہ رسد کا بہت بڑا سامان آرہا ہے اور ہزاروں اونٹ، گدھے اور بیل لدے چلے آرہے ہیں۔ اس رسد کا پہنچانے والا صلابت خاں (دہلوی) تھا۔

سکندر لگر تھا اول ناؤں جس
خطاب آج خان صلابت ہے تس

یعنی پہلے اس کا نام سکندر تھا اور اب صلابت خاں کے خطاب سے مشہور ہے۔

شرزہ خاں کے جاسوس ہر طرف لگے ہوئے تھے۔

پھریا جا بجا جیوں ہے جگ میں پون
پھریں تس کے جاسوس یوں ہر رخن

یعنی جس طرح دنیا میں ہوا جا بجا پھرتی ہے اسی طرح اس کے جاسوس ہر گوشے میں پھرتے تھے۔

جب شرزہ خاں نے یہ کیفیت سنی تو وہ فوج لے یلغار کرتا ہوا دشمن کے سر پر جا پہنچا۔ دشمن کے ہاتھ پانوں پھول گئے۔

شعر۔ یدی آئی کر فوج عادل سوای
ہوی سارے لشکر میں چوندھر اوای

(مطلب) سارے لشکر میں دہائی مچ گئی
کہ عادل شاہ کی فوج آ پہنچی

شعر۔ پڑیا غلبلا ہو کہ یک بات میں
منڈاسا یکس سرکا یک ہات میں
(مطلب) بات کی بات میں ایسی افراتفری پڑی
کہ ایک کی پگڑی دوسرے کے ہاتھ میں تھی

شعر۔ ترنگاں پہ اُلٹھے کیتک زین بھاے
لگاماں بسرموں میں دمچیاں لگاے
(مطلب) گھبراہٹ میں بہت سوں نے گھوڑوں پر الٹی زینیں
باندھ دیں اور لگاموں کی جگہ دمچیاں منہ میں لگا دیں

شعر۔ نہ فرصت کمر باندنے پاے کوں
نہ ہتھیار لے ساندنے پاے کوں
(مطلب) نہ کسی کو کمر باندھنے کی فرصت ملی اور
نہ ہتھیار باندھنے کا موقع ملا۔

غرض بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی اور دونوں طرف کے بہادروں نے دادِ شجاعت دی۔ اس لڑائی کا حال نصرتی نے بہت طویل لکھا ہے۔ دو ایک مقامات سے چند چند شعر نقل کیے جاتے ہیں:

شعر۔ نچھل دھوپ میں ملکہ کھڑگاں کی تاب
ہوا موج زن ہو کہ دریا سراب

(مطلب) روشن دھوپ سے تلواروں کی چمک نے مل کر یہ
کیفیت پیدا کی گویا سراب کا دریا لہریں مار رہا ہے

شعر۔ ہوا کا پھریا عکس کھڑگاں تے روپ
مگر کسوت ابرک لیے پہین دھوپ
(مطلب) تلواروں کی چمک کا عکس جو ہوا پر پڑا تو یہ معلوم ہوتا
تھا کہ دھوپ نے ابرک کا لباس پہن رکھا ہے

شعر۔ ترنگاں کے تل تے دھولاراں اوٹھیا
ہکاٹاں کے ہر دم تے بارا چھوٹیا
(مطلب) گھوڑوں کے نیچے سے گرد و غبار اٹھا
اور پیہم نعروں کی آواز سے ایک آندھی اُٹھی

شعر۔ گگن کی اگیٹی پہ جا پڑ کہ گرد
کری داب انگارے کوں سورج کے سرد
(مطلب) آسماں کی انگیٹھی پر اتنی گرد جاکر پڑی
کہ سورج کا انگارا دب کر ٹھنڈا پڑ گیا
لڑائی کا سماں دیکھیے:
شعر۔ دونوں صف کے میانے بڑا دھم ہوا
ادک دیکھ غوغا فلک گم ہوا
(مطلب) دونوں صفوں کے درمیان بڑا تہلکہ پڑا
کثرتِ شور و غوغا سے فلک کے کان بہرے ہوگئے

شعر۔ غلولیاں کے جھینڈ وزنبوریاں کوں داٹ
نپٹ ادم نکلنا رہیا موں کی باٹ
(مطلب) گولوں اور توپوں کے ہجوم کی وجہ سے
منھ کے رستے صرف دم نکلنا باقی تھا

شعر۔ دسے عکس جوشن تے ابلق ہوا
فرنگاں کے پرتوتے ہوئی شق ہوا
(مطلب) جوشن کے عکس سے ہوا ابلق نظر آتی تھی
اور تلواروں کے پرتو سے ہوا شق ہوگئی

شعر۔ برسنے لگے ملکہ ات تیر و تیغ
رگت کاچ برسات ہو برق و میغ
(مطلب) تیر و تیغ ، برق و بادل
بن کر خون کی بارش برسانے لگے

شعر۔ ہریک تیغ تے آگ جھڑ بے شمار
سلاحاں ہوے لعل جلبل انگار
(مطلب) ہر ایک تلوار سے بے شمار آگ جھڑنے لگی
اور ہتھیار جل بل کے لال انگارے ہوگئے

شعر۔ لیے آگ چنگیاں تے بھالیاں کے بانس
جلیں تیر دستے ہو پولیاں کی گھانس
(مطلب) بھالوں کے بانسوں میں چنگاریوں سے آگ لگ اٹھی
اور تیر گھاس کے پولوں کی طرح جل رہے تھے

شعر۔ ہوا پر کھڑے ڈونگراں ہو کہ دھول
شراریاں کے رُکھ لہو کی چھٹکاں سوں پھول

(مطلب) پہاڑ ہوا پر دھول بن کے کھڑے تھے
شراروں کے روکھ لہو کی چھینٹوں سے پھول بن گئے تھے

شعر۔ رگت بھوئیں پہ جم جا ہوا پر دھواں
زمیناں ہویاں آٹھ دس آسماں

(مطلب) خون زمین پر جم گیا اور دھنواں ہوا پر
اس سے زمینیں آٹھ ہو گئی تھیں اور آسمان دس

چند اشعار کے بعد تیغ کی دورنگی کو کیا خوب بیان کیا ہے :۔

شعر۔ جو ہے تیغ میں آب و آتش نہاں
دونوں کی بی صورت ہوئی تب عیاں

(مطلب) تیغ میں آب و آتش کی جو دونوں خاصیتیں
پوشیدہ ہیں وہ اب ظاہر ہوئیں

شعر۔ کریں وار تو تب جھڑے آگ داٹ
ڈبے جیو پانی نے کرنے میں کاٹ

(مطلب) وار کرنے میں اس سے آگ جھڑتی ہے اور
آب کی کاٹ سے جانیں ڈوب جاتی ہیں۔

تلوار ہی کے متعلق پھر لکھتا ہے :۔

شعر۔ فرنگ اژدہا ہو دمِ آتشیں
چھٹکنے لگیا اگ دندیاں پر یقیں

(مطلب) تلوار اژدہا ہوکر اپنے دمِ آتشیں سے
دشمنوں پر آگ برسانے لگی۔

شعر۔ برستے وجوداں پہ کھڑگاں کا آب
رگاں تے لراں بہ چلیا خون ناب

(مطلب) تلواروں کا پانی جب غنیم پر برسنے لگا تو
ان کی رگوں سے خونِ ناب کی لہریں چلنے لگیں

شعر۔ لگے دینے سنمکہ ہو شمشیر و تیر
سوالاجواباں یکس یک توں پھیر

(مطلب) تلوار اور تیر ایک دوسرے کے رو برو ہوکر
ایک ایک کے سوال کا جواب دینے لگے

اس خونخوار جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کی فوج کو شکست ہوگئی اور صلابت خاں میدانِ جنگ میں قتل ہوا۔ یہ سن کر جے سنگھ کے دل پر جو بنی وہ نصرتی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :

شعر۔ سونیا سوچ لو بات بیٹھی کمر
گئی موں کھٹا ہوکہ افیوں اتر

(مطلب) یہ سنتے ہی اس کی کمر ٹوٹ گئی، افیون
کا نشہ اتر گیا اور منہ سیٹھا ہوگیا

شعر۔ چھپیا روز روشن اندھارا پڑیا
فلک ٹٹ کہ جیوں سر پہ سارا پڑیا

(مطلب) روزِ روشن چھپ گیا اور اندھیرا چھاگیا
اور اس کے سر پر آسمان ٹوٹ پڑا

شعر۔ رین دل میں ہو چک تے تارے توٹے
سلگ آگ انجو ٹھار انگارے توٹے

(مطلب) دل میں رات چھاگئی، آنکھوں سے تارے
ٹوٹ کے گرے اور بجائے آنسوؤں کے انگارے گرنے لگے

شعر۔ ہوا حال جیوں رکھ کے توڑے پہ بیخ
طناباں سٹے سب اوکھاڑے پہ میخ

(مطلب) اس کا حال اس درخت کا سا ہوگیا جس کی جڑ
اکھڑ گئی ہو یا ان طنابوں کا سا جن کی میخیں اکھڑ جائیں

شعر۔ نہ ڈیرا کھڑا رہ سکے پانو گاڑ
نہ قائم رہوے مول اپس لے کہ جھاڑ

(مطلب) ایسی حالت میں ڈیرا کھڑا رہ سکتا ہے
اور نہ درخت اپنے آپ کو قائم رکھ سکتا ہے

اس جنگ میں نصرتی نے شرزہ خاں کے نوجوان بیٹے مخدوم شاہ کا بھی ذکر کیا ہے جو میدانِ جنگ میں بڑی بہادری سے لڑا۔

مغلوں اور بیجاپوریوں کی جنگ میں اب ایک نیا واقعہ پیش آتا ہے۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ

نے سلطان علی عادل شاہ ثانی کو خط لکھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ راجا (جے سنگھ) آپ کی قلمرو میں گھس آیا ہے اور شرارت و فساد اور ناسزاوار حرکتیں کر رہا ہے لہٰذا ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی مدد کے لیے اپنی فوجیں بھیجیں۔ علی عادل شاہ نے اس مدد کو قبول کیا۔ چنانچہ جواب پہنچتے ہی گولکنڈہ سے نیک نام خاں کی سرکردگی میں قطب شاہی لشکر روانہ ہوا۔ جب بیجاپور کے قریب پہنچا تو وزیر سلطنت عبدالمحمد ممتاز سرداروں اور چیدہ سپاہ کے ساتھ استقبال کے لیے چلا۔ قطب شاہی اور عادل شاہی لشکر باہم ملتے ہیں اور ہر دو لشکر کے سردار ملاقات کرتے ہیں۔ عبدالمحمد نے بادشاہ کی طرف سے نیک نام خاں اور دوسرے سرداروں کو خلعت ہائے فاخرہ دیے۔ دونوں لشکر مل کر بلدۂ بیجاپور کی طرف چلے۔ سلطان نے علی برج سے ان کا نظارہ کیا اور سلامی لی۔ اس کے بعد بادشاہ نے عبدالمحمد کو حکم دیا کہ نیک نام خاں کو بارگاہِ سلطانی میں حاضر کرے۔ چنانچہ نیک نام خاں اور اس کے ساتھ کے سرداروں نے حضور کی عزت حاصل کی اور شاہی نوازشوں اور خلعتوں سے سرفراز ہوئے۔

نصرتی نے اس واقعہ کو بڑے دھوم دھام سے بیان کیا ہے۔

اب دونوں لشکر متحد ہو کر جے سنگھ پر دو طرف سے حملہ کرتے ہیں اور اسے پائمال کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جے سنگھ کی حالت بڑے خطرے میں ہے۔

نصرتی نے اس باب کی تمہید طلوعِ آفتاب اور صبح کے ظہور سے شروع کی ہے۔ جو بہت دل کش شاعرانہ انداز میں ہے۔ (اسے میں کسی دوسرے موقع پر نقل کروں گا)۔ بادشاہ تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے، تمام وزیرانِ مملکت و سردارانِ لشکر حاضر ہوتے ہیں۔ بادشاہ مخاطب ہو کر ان کو لڑنے مرنے، شجاعت اور جاں نثاری دکھانے اور غنیم کی فوج کو تباہ و برباد کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ وہ وفاداری اور جاں نثاری کا ادّعا کرتے ہیں اور دشمن کو شکست دینے اور ملک سے نکال دینے پر کمر ہمت باندھتے ہیں۔ اس کے بعد شاعر دونوں فوجوں کے کوچ کی شان دکھاتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی وہ مغلوں کی فوج اور شجاع سپاہیوں کی شکل و صورت اور بہادری کا نقشہ بھی کھینچتا ہے۔ مثلاً لکھتا ہے:

کہ ہر مرد جیوں کوہ البرز ہے
تبر کس کے ہت کس کے جم گرز ہے

کتیاں کا تو تیر و کماں اصل ساز
کمنداز کوئی نیزہ کوئی تیغ باز

دہر بہار ہر مرد کو تہ امید
دل رستم و جسم دیو سفید

نہ آتش کدہ تے شکم اُن کے کم
جو مکھ میں پڑیا سو گیا ہو بھسم

شراب ان کوں یک مشک تھوڑا دسے
سپچ نُقل دنبے کا جوڑا دسے

تراش اپنی داڑی مچھیاں دے کہ چھوڑ
کریں موں بچھو ڈانک ڈالی سوں توڑ

کمان آپکڑنے کے سکتا ہے فن
اینو پاس تے ارجن و لچھمن

تو کاہے جنن تیر انگے تیر بخش
جنن جنگ کن کرہ رستم کا رخش

کریں گرگشش رستمی لے کماں
رگ وپے ٹوٹیں کڑکڑیں استخواں

یہ درپردہ اپنی بہادری کی تعریف ہے جو ایسے بہادروں کو شکست دیتا ہے۔

یہ بہت سخت لڑائی تھی اور حقیقت میں جے سنگھ کو بڑی مشکل پڑ گئی تھی۔ نصرتی نے بھی اس کا بیان بڑی شان سے لکھا ہے۔ اگرچہ نصرتی اور عادل شاہی مورخوں نے اپنی فتح لکھی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بڑی شدید جنگ ہوئی دونوں طرف کے لشکروں نے دادِ مردانگی دی، آخر میں جے سنگھ کی فوج نے دکھنی لشکر کو مار کر بھگا دیا۔ مگر اس میں جے سنگھ

کی بھی کوئی نمایاں فتح نہیں پائی جاتی ہے یعنی دشمن کو ہٹا کر بھگا تو دیا مگر اس سے آگے کچھ حاصل نہ ہوا۔

نصرتی مغلوں کی نامردی اور دکھنیوں کی بہادری کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

شعر۔ مغل کی ہے تلوار دکھنیاں پہ یوں
تبر سامنے جیوں کہ انگلی کے نھنوں

(مطلب) مغلوں کی تلوار دکھنیوں کے سامنے ایسی ہے
جیسے تبر کے سامنے انگلی کا ناخن۔

شعر۔ لگت دس ہتھوڑیاں کھڑی کر سونار
ادک دس تے ہوے یک جو مارے لوہار

(مطلب) سنار تان تان کر دس ہتوڑیاں مارتا ہے لیکن
لوہار کی ایک چوٹ اس کی دس سے بڑھ جاتی ہے

اگرچہ نصرتی نے فتح دکھنیوں ہی کی لکھی ہے لیکن اس جنگ کی شدت اور دکھنی فوج کی بپتا کا اس نے بھی اعتراف کیا ہے۔ چناں چہ لکھتا ہے کہ جب جے سنگھ کی فوج نے زور سے حملہ کیا اور میدانِ جنگ میں قیامت برپا کردی تو دکھنیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

بپت آ پڑی اہلِ اسلام پر
کھڑی فکر ادک خاص ہور عام پر

کٹھن حال پا خان شرزا نوی
کر اپنی کھڑگ کو عصا موسوی

جے سنگھ کی فوج میں جادو راؤ اور کیسری سنگھ کا اور عادل شاہی فوج میں شرزہ خاں، خواص خاں، بہلول خاں اور عبدالمحمد کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

بہرحال نصرتی اور عادل شاہی مورخوں کے بیان کے موافق دکھنیوں کی فتح ہوئی۔

آخر میں میدانِ جنگ میں درندوں کے آنے اور لاشوں کے کھانے کا تماشا دکھایا ہے۔

اس کے بعد ایک اور لڑائی ہوتی ہے۔ بہلول خاں، شرزہ خاں، خواص خاں فوجیں لے کر جاتے ہیں۔ بہلول خاں ایک طرف لڑ رہے تھے اور شرزہ خاں اور خواص خاں دوسری طرف۔ ان دونوں کے مدِ نظر غنیم کے خاصے کی فوج تھی۔

وے خان شرزا و خان خواص
نظر میں رکھے فوج خاصے کی خاص

دونوں طرف کے لشکر ایک دوسرے کے انتظار میں تھے۔ یہ چاہتے تھے کہ غنیم بڑھ کر میدان میں آئے اور وہ اس کے منتظر تھے کہ دکھنی آگے آ کر حملہ کریں۔ غرض اس انتظار انتظار میں شام ہو گئی تو شرزہ خاں اور خواص خاں ناچار اپنے ڈیروں کو واپس چلے۔ دونوں ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ جہاں جہاں میدان ہموار آتا یہ دونوں برابر برابر رہتے اور جہاں نشیب و فراز اور درخت آ جاتے وہاں ایک دوسرے سے اوجھل ہو جاتے۔ ایک ایسے ہی موقع پر جب خواص خاں اپنے لشکر کے ساتھ ایک طرف چلا گیا اور شرزہ خاں دوسری سمت تو اتفاق سے لشکرِ غنیم کی ایک جماعت ادھر سے گزر رہی تھی۔ شرزہ خاں کے بیٹے سید حبیب کی نظر ان پر پڑی۔ اگرچہ خورد سال تھا لیکن بہادری اور شجاعت میں کسی سے کم نہ تھا، بے کہے سنے جھٹ ان پر جا پڑا اور شمشیر زنی کے جوہر دکھانے لگا۔ شرزہ خاں نے جو نعرۂ جنگ کی آواز سنی تو گھوڑا جھپٹا کر پہنچا۔ دونوں نے لڑ بھڑ کر اس جماعت کو بھگا دیا۔ دونوں خوشی خوشی پھر اپنے ڈیروں کی طرف روانہ ہوئے۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ یک بیک شرزہ خاں اپنے گھوڑے سے گر کر زمین پر آ پڑا۔ دیکھا تو روح پرواز کر چکی تھی۔

شعر۔ شجاعت کے تب گھر میں ماتم ہوا
جنم میں بڑا جس پہ یے غم ہوا

(مطلب) اس سے شجاعت کے گھر میں ماتم بپا ہوا
اس پر کبھی ایسی آفت نہیں آئی تھی

شعر۔ کھڑگ میاں کے بیٹھ کونے منیں
گنوانے لگیا آب رونے منیں
(مطلب) تلوار میان کے کونے میں بیٹھ
رو رو کر اپنی آب گنوانے لگی

شعر۔ زرہ کے پڑے دل پہ کئی دکھ کے چھید
کیا رو کر جوشن نے دیدے سفید
(مطلب) زرہ کے دل میں دکھ سے چھید پڑگئے اور
جوشن کی آنکھیں روتے روتے سفید ہوگئیں

شعر۔ ترنگاں کو پیدا ہوا عذرِ لنگ
پکڑنے منگے نعل سینیاں میں زنگ
(مطلب) گھوڑوں کو عذرِ لنگ پیدا ہوا
اور نعلوں کے سینوں پر زنگ لگ گیا

شعر۔ رہیاں موں میں عالم کے ہو تلخ آب
لگے زہر چاکھے تو کوئی شہدناب
(مطلب) اہلِ دنیا کے منھ میں پانی کڑوا معلوم
ہونے لگا اور خالص شہد زہر لگنے لگا۔

اسی رنگ میں اور چند شعر خان مرحوم کے ماتم میں لکھے ہیں۔ لیکن ان سب میں تصنّع اور آورد پائی جاتی ہے۔ خصوصاً " ترنگاں کو پیدا ہوا عذرِ لنگ " بہت ہی بے محل اور مبتذل ہے۔

علی عادل شاہ کو جب اس حادثے کی خبر پہنچی تو بہت افسوس ہوا اور اسی وقت خان مرحوم کے دونوں بیٹوں (سید مخدوم و سید حبیب) کو خطاب شرزہ خانی اور منصب و دولت سے سرافراز کیا۔

اس کے بعد آخری جنگ کا بیان ہے جس میں بہلول خاں اور شرزہ خاں کے دونوں بیٹوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ اس جنگ کی کیفیت ویسی ہی ہے جیسے اس سے پہلے کی لڑائیوں میں بیان ہو چکی ہے۔ فوج کے کوچ کے متعلق لکھتا ہے:

چڑیا ہم سوں جھگڑے کے لینے میں باؤ
ترنگاں میں تیزی سواراں میں تاؤ

گرجتیں و بجتیں نقارے د بھیر
گرجنے لگے مست ہو نرہ شیر

فلک پر صدا تے ہوا کاج باج
زمیں پائی خوش نقش نعلاں کی تاج

رنگا رنگ ڈھالاں دیکھت اہلِ ہوش
کہے آج ہوئی ہے ہوا دلق پوش

پھر لڑائی کا ذکر اسی زور شور سے ہے اور غنیم کی شکست پر خاتمہ ہے۔ نصرتی اور عادل شاہی مورخوں کا بیان ہے کہ اس ہزیمت کے بعد جے سنگھ نے مقابلے کی ہمت نہ کی اور اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

چلے کھا کے اوس دن تو ایسی شکست
لگے ملک دہلی تلک یک دو رست

نہ آب اون کوں میداں میں پینے دیے
سراب اون پہ جمنا کا پانی کیے

مغلوں سے یہ لڑائی علی عادل شاہ ثانی کے عہد کی آخری جنگ تھی۔ اس کے بعد ہی علی عادل شاہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ لڑائی ۱۰۷۶ھ میں ہوئی اور علی عادل شاہ کی وفات

۱۰۷۸ھ میں۔

آخری باب میں جو کتاب کا خاتمہ ہے بادشاہ کی مدح اور علی نامہ کا ذکرِ خیر ہے۔ باب کے عنوان کا شعر یہ ہے:

صفت شعر علی نامہ و خوش ختم کتاب
مدح عادل کا کہ ہے جس پہ عطا جس یونول

اس کے بعد بادشاہ کی مدح میں دو شعر لکھنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

فلک پر نوا کام جیوں خواب ہے
نہ رہے یاد جو نقش بر آب ہے

ہنرمند ہوتا ہے تا بے نظیر
کرے نقش کوں اُس پتھر پر کی کیر

(کیسا ہی نیا کام ہو وہ مثلِ خواب کے ہے۔ جو بات یاد نہ رہے (محفوظ نہ رہے) وہ نقش بر آب ہے مگر جب کوئی باکمال ہنرمند آتا ہے تو اسے پتھر کی لکیر بنا دیتا ہے)۔

روش ہے کہ گرچہ طبائع کا رکھ
کریں بارور دیکھ شاہانچ سکھ

وے تا ابد اس کے پھل کا سواد
دیوے ان کے جینے کی خوبی کی داد

(اگرچہ یہ عام قاعدہ ہے کہ طبیعت کا شجر بادشاہوں سے آسائش پاکر بارآور ہوتا ہے لیکن اس کے پھل کا مزہ ابد تک رہتا ہے اور ہمیشہ ان کی زندگی کے کاموں کی داد ملتی رہتی ہے)۔

اسی بخت ور کے ہیں طالع دوگن
کہ صاحب سخن کوں منگیا سبتے چن

سخن ور نہ ملتا ہے بختوں کے باج
ملیا جس سو پایا ابد لگ رواج

(اسی صاحبِ نصیب (بادشاہ) کے طالع بڑے ہیں جس نے سب لوگوں میں سے صاحبِ سخن کو انتخاب کیا یعنی جس نے شاعر کو اپنا منظورِ نظر بنایا۔ ورنہ سخن نصیبوں سے ملتا ہے اور جیسے ملا اس کا نام ابد تک قائم رہا)۔

بزرگی تو ہے جان ہور جسم کی
بڑائی پن اس تے ادک اسم کی

سخن ورتے رہ گئے زمانے میں یاد
فریدوں کیا نہیں تو کیا کیقباد

صفت کر گیا گر سخن آفریں
اجھوں لگ ہے رستم پہ نت آفریں

(یوں تو بزرگی جسم و جان سے ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر بزرگی نام کی ہے۔ فریدوں اور کیقباد کے کارِ نمایاں سخن ور کی بدولت زمانے میں یادگار رہ گئے۔ یہ سخن ور کی ہی تعریف کا طفیل ہے کہ اب تک رستم پر ہمیشہ آفریں کی جاتی ہے)

اس کے بعد کہتا ہے کہ اس جنگ نامے میں میں نے ہر ایک کے کام کی داد دی اور ان کی محنت و مشقت کو سراہا ہے اور جن جن کا نام میں نے لکھ دیا ہے وہ دنیا میں ابد تک مقبول و معزز رہیں گے۔

لیا ناؤں جس بخت ور کا نواز
رہیا تا ابد جگ میں وو سرفراز

معزز جو تھے لوگ شہ کے پسند
کرم ہور عنایت سوں اقبال مند

اوہی ناداراں میں میں ٹھانوں ٹھانوں
لیا ہوں کیتک نیک بختاں کے ناؤں

بھوت ٹھار تجویز سوں کر تمیز
مشقت کیا کام گاراں کی چیز

پھر چند شعر اس تاریخ کی تحریر کے متعلق لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اکثر بڑے کام نہیں چھپائے اور جو جو ضروری باتیں تھیں وہ سب بیان کر دیں۔ اس میں میں نے کسی کی رو رعایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ حق کو پیشِ نظر رکھا اور کسی کے کام کو ضائع نہیں کیا، خصوصاً شرزہ خاں شہید کے نمایاں کام، جس نے بہت بڑی جاں نثاری کی۔ اس بیان کو نصرتی کے اشعار میں ملاحظہ کیجیے :

بڑے کام اکثر رکھیا نہیں نہاں
ضروری جو تھے سو کیا کر بیاں

نظر میں خدا کاج نت حق رکھیا
رعایت تے دور اپسے مطلق رکھیا

جکچ تھا سو اکثر کہیا بے ریا
نہ ضائع کیا کام کس کا کیا

میرے شعر کے گھول امرت میں بات
دلیراں کے نانواں کو بخشیا حیات

خصوصاً لکھیا جو یہ نامہ سعید
کہ تو خان شرزا ہوا تھا شہید

فدا تھا دو گر شہ کے نت کام میں
نبھا کر گیا کر نکو کام میں

رہے تا ابد پای تس روح شاد
رکھیا تس کی کرتی کو عالم میں یاد

اس کے بعد اس مثنوی اور اپنے کلام کی تعریف میں چند شعر لکھتا ہے :

شعر۔ عجب فن کی بولیا ہوں یہ مثنوی
کہ کئی بھانت ہے اس ہنر میں نوی

(مطلب) یہ مثنوی میں نے عجیب و غریب لکھی ہے اور
اس صنف میں یہ کئی لحاظ سے نئی ہے

شعر۔ سنواریا ہوں کئی بزم کی انجمن
کھیلایا ہوں خوش رزم کے پھولبن

(مطلب) اس میں میں نے کئی طرح کی بزمیں آراستہ کی ہیں
اور رزم کے کئی چمن کھلائے ہیں

شعر۔ بھریا ہوں ہنر سوں سراسر کتاب
رکھیا ہوں نزاکت سوں سب بھر کتاب

(مطلب) یہ کتاب سراسر کمالات سے بھری ہوئی ہے
اور نزاکت سے بھرپور ہے

شعر۔ قصائد لڑایاں کے کئی معتبر
یک یک وقت بولیا جو تھا سربسر

(مطلب) جنگ کے کئی بڑے بڑے قصیدے لکھے ہیں اور
ان میں وہی لکھا جو حقیقت میں واقع ہوا تھا

شعر۔ نوی طرز کوں میں جو تزئین دیا
کیتک برمحل ووچ تضمیں کیا

(مطلب) میں نے جدید طرز کو زینت دی ہے
اور اسے برمحل استعمال کیا ہے

شعر۔ پکڑ اصل تاریخ لکھتیاں کی چال
لکھیا قصہ در قصہ ہیں حسبِ حال

(مطلب) میں نے موّرخین کے اصول کی پیروی میں
واقعات کو حالات کے مطابق لکھا ہے

شعر۔ لڑائی کی ہر بیت یو بے گمان
سپاہی کو تعلیم خانہ ہے جان

(مطلب) اس میں لڑائی کی ہر بیت بلاشبہ
سپاہی کے لیے گھر بیٹھے تعلیم کا کام دیتی ہے

شعر۔ ملوکاں کی مجلس کا یو ساز ہے
وزیراں کوں سوندل کا انداز ہے

(مطلب) یہ بادشاہوں کی مجلس کی زینت ہے
اور وزیروں کے لیے جنگ کا انداز ہے

شعر۔ نہیں کس لطافت میں یو بات کم
الٰہی اچھو پن یہ مقبول جم

(مطلب) یہ کسی خوبی میں کم نہیں، خدا
کرے یہ ہمیشہ مقبول ہو۔

شعر۔ کہیں سب ہی معشوق کا حسن وساز
دکھایا ہوں میں دہن کا صورت میں ناز

(مطلب) کہیں میں نے معشوق کے حسن و آرائش کو دکھایا ہے اور اس کی صورت میں ناز کا نقشہ کھینچا ہے

شعر۔ طبیعت کا ہر ٹھار دکھلا کے کس
ستیا لے کے گانڈے کا رس سب بکس

(مطلب) ہر مقام پر میں نے طبیعت کا زور دکھایا ہے اور گنے کا رس لے کر باقی پھوک پھینک دیا ہے

شعر۔ نظر رکھ کے ہر بات کے نغز میں
لیا بھید معنیاں کے جا مغز میں

(مطلب) میں نے ہر بات کی لطافت پر نظر رکھی ہے اور معنی کے مغز میں پہنچ کر اس کے اسرار کو حاصل کیا ہے

شعر۔ گلاں سیتی گفتار کی بے حساب
خلاصہ لیا کاڑ یعنی گلاب

(مطلب) میں نے پھولوں کا بہت کچھ ذکر کیا ہے اور ان کا نچوڑ یعنی گلاب نکال لیا ہے

شعر۔ خیالاں میں ات موشگافی کیا
جو باریک تھا اس میں صافی کیا

(مطلب) خیالات میں میں نے بڑی موشگافی کی ہے اور جو بہت دقیق تھے انھیں صاف کر دیا ہے

شعر۔ مضامین سوں جا بجا بات بول
دیکھایا سکت فیض کا حق کی کھول

(مطلب) میں نے جا بجا مضامین پیدا کیے ہیں اور
فیضِ حق کی قدرت کو کھول کر دکھایا ہے

اسی ضمن میں نصرتی نے ایک بات خوب نکالی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ محمود غزنوی نے بہت بڑی مثنوی لکھوائی لیکن خود محمود میں وہ کمالات اور جوہر نہ تھے جو دنیا کے نامور لوگوں میں ہوتے ہیں اس لیے دوسروں کی مدح لکھوانی پڑی۔ لیکن میرا بادشاہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے کارِ نمایاں لکھوانے کے لیے فرمایا اور اب مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنا ہنر ایسا دکھاؤں کہ ہر بیت پر لاکھوں خزانے ملیں۔ تب عجب نہیں کہ یہ دیکھ کر فردوسی کی روح شاد ہو اور اپنا غم بھول جائے۔

عجب کیا کہ فردوسیٔ پاک زاد
اپس غم بسر اب کرے روح شاد

پھر بڑے فخر کے ساتھ اس مثنوی کو (جسے وہ شاہنامہ کے نام سے موسوم کرتا ہے) دکن کی جان کہتا ہے:

کتا ہوں سخن مختصر بے گمان
کہ یو شاہنامہ دکن کا ہے جان

جن صاحبوں نے اپنی تحقیق میں اسے "شاہنامۂ دکن" لکھا ہے وہ نصرتی کے اس شعر کو نہیں سمجھے۔

آخر میں خود ہی کتاب کا سنہ تصنیف بتا دیا ہے:

لکھیا شہ کا میں جس جو یو کر اوس
ہزار یک ہو ستر پہ تھے چھے برس

یعنی ۱۰۷۶ ہجری۔

اگرچہ نصرتی نے کئی بار کتاب کے دوران میں اس مثنوی کو "فتح نامہ" سے موسوم کیا ہے لیکن درحقیقت اس کا نام "علی نامہ" ہی ہے۔ سب سے ابتدائی دو شعروں میں جو کتاب کا عنوان ہیں نیز آخری باب کے عنوان میں وہ اسے "علی نامہ" کہتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ نصرتی کی یہ مثنوی نہ صرف قدیم دکھنی اردو میں بلکہ تمام اردو ادب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اس پر جو اس نے بار بار فخر کیا ہے کچھ بیجا نہیں۔ خاتمے پر میں اس کے چند فخریہ اشعار سنا دینا چاہتا ہوں۔

شعر۔ کیا میں بچن بیل کو یوں بڑی
بڈی سو فلک کا چ منڈوا چڑی

(مطلب) میں نے سخن کی بیل کو یہاں تک بڑھایا
کہ وہ فلک کے منڈوے پر جا چڑھی

شعر۔ چندر ہور ستارے رہے دیکھ بھول
مضامین معنیاں کے مجھ پھل و پھول

(مطلب) چاند اور ستارے میرے مضامینِ معانی
کے پھل اور پھول دیکھ کر دنگ رہ گئے

شعر۔ یک یک قصہ بولیا ہوں جس ٹھار!
دکھایا ہوں مجلس دو نظراں میں لا

(مطلب) جس جس مقام پر جو جو قصہ میں نے کہا ہے
اس کی تصویر نظروں کے سامنے کھینچ دی ہے

شعر۔ سنواریا ہوں کر فہم کی حاکمی
ہر یک رزمیہ بزمیہ رستمی

(مطلب) میں نے فہم و فراست سے ہر رزم و
بزم کو بڑی شان سے سنوارا ہے

شعر۔ سنے پر یو خوش طرز مردانہ قال
اُبل شوق ہوے شیر مرداں کو حال
(مطلب) اس خوش طرز مردانہ قال کے سننے پر
فرطِ شوق سے شیر مردوں پہ حالت طاری ہوگئی

شعر۔ سخن میں نہ ہوے یو کرامت جلک
کوانا نہ ہرگز سخن ور تلک
(مطلب) کلام میں جب تک یہ کرامت نہ ہو اس
وقت تک اپنے کو سخن ور کہلانا سزاوار نہیں

شعر۔ میری بات میں لاف نیں بے خلاف
کہ نادان کا ہے ہنر عین لاف
(مطلب) میری بات میں ہرگز لاف نہیں ہے،
لاف مارنا نادان کا ہنر ہے

شعر۔ کہ یو شعر میں آج اس دھات سات
کہیا سو بڑے دبدبے کے سنگات
(مطلب) کہ میں نے آج اس طرز کے شعر
بڑی شان کے ساتھ کہے ہیں۔

شعر۔ کسی کا بی نا ہات اپڑنا ںگکر
رکھیا ہوں بی طاق گردوں اُپر

(مطلب) ہیں نے انھیں طاق گردوں پر لے جا رکھا ہے
جہاں کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی۔

دیکھیے ذیل کے اشعار میں وہ ہندی اور فارسی رزمیہ کا ذکر کس عنوان سے کرتا ہے:

شعر۔ کیا ہیں تو قطع نظر لاف سوں
ولے داد ہے اہلِ انصاف سوں

(مطلب) میں نے تو خیر لاف سے قطع نظر کی ہے لیکن
اب انصاف اہلِ انصاف کے ہاتھ میں ہے

شعر۔ کہ کیوں میں پکڑ آج بھانت ایک نوی
زبوں بات کوں کر دکھایا قوی

(مطلب) کہ کیوں میں نے آج ایک نئی طرز اختیار کی
اور ادنیٰ بات کو اعلیٰ کر دکھایا۔

شعر۔ اگر کوئی معنی کوں کر وارسی
پڑے رزمیہ ہندی و فارسی

(مطلب) اگر کوئی مغزِ معنی کو پہنچے اور ہندی
اور فارسی رزمیہ مثنویوں کو پڑھے

شعر۔ اگر او ہے کامل سبج کا دھنی
تو اس یک سوں ہووے دو ہنر کا غنی

(مطلب) اور اگر وہ فہم و ذوق میں کامل ہے تو
اسے پڑھ کر دونوں کی خوبیوں کا مزہ پائے گا

شعر۔ کہ دونوں کی خوبی مجھ انکھیاں میں آن
خلاصہ نکالیا ہوں خوش مایہ چھان
(مطلب) دونوں کی خوبیاں میری نظر میں ہیں اور
میں نے دونوں کی خوبیوں کا عطر نکال لیا ہے

شعر۔ رتن دیکھ لیتے ہیں صاحب نظر
کہ اندھے کنے کیا رتن کیا پتھر
(مطلب) صاحب نظر جواہر کو پرکھ لیتے ہیں
اندھے کے آگے پتھر اور جواہرات دونوں برابر ہیں

فصاحت کے ساتھ مضمون یا خیال کے ہونے کو لازم قرار دیتا ہے کہ اس میں کلام کا حسن ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں نے اس مثنوی میں دونوں کا خیال رکھا ہے۔

شعر۔ بزرگی ہے ہندی میں اکثر سکائی
وگرنیں تو مضمون کی کا بڑائی
(مطلب) ہندی میں اکثر بزرگی سکھائی ہے اگر
یہ نہیں تو مضمون کی بڑائی کہاں رہی،
یعنی مضمون کی بلندی سے کلامِ ہندی کی بزرگی ہے

شعر۔ فصاحت ہے گر شعر کے بن کا روپ
وے شعر کا جیو ہے مضمون انوپ

(مطلب) اگرچہ فصاحت شعر کے چمن کا روپ ہے
لیکن مضمون کی ندرت اس کی جان ہے

شعر۔ معزز ہے تن جیو دھرتا ہے جو
نہ بیجاں کی صورت کوں پینا ہے دھو

(مطلب) جسم وہی معزز ہے جس میں جان بھی ہے ورنہ
بے جان صورت کوئی دھو کے پیے

شعر۔ اچھے کاٹ کا گرچہ پتلا سدنگ
نہ کام آدمی کے سکے کر اپنگ

(مطلب) کاٹ کا پتلا کیسا ہی خوبصورت ہو وہ
آدمی کے سے نادر کام نہیں کر سکتا

شعر۔ کہ میں فتح نامہ لکھیا ہوں سو آج
نہ اکثر کیا بات مضمون باج

(مطلب) میں نے جو یہ فتح نامہ لکھا ہے، اس میں
میں نے اکثر بغیر مضمون کے بات نہیں کی

شعر۔ نظر میں مری جاں دسیا کچھ بھی کام
سخن کی کیا دیکھ جھڑتی تمام

(مطلب) جہاں کہیں میں نے کوئی کام کی بات دیکھی
تو سخن کا پورا جائزہ لے کر اسے ادا کیا۔

شعر۔ گھڑیا ہوں سلامت سوں یک یک بچن
معنا ین کی مد میں اوتیا رتن

(مطلب) ایک ایک بات میں نے بڑی سلامتی سے کی ہے
اور معنا مین کی مد میں جواہرات ڈھونڈکے نکالے ہیں

شعر۔ نکالیا ہوں کے نگ طبیعت کے اوت
دیا خوب سورج کے مہرے کی جوت

(مطلب) طبیعت کے جواہر کھود کھود کے نکالے ہیں اور
انھیں سورج کے مہرے کی جوت دی ہے

تاریخِ اسکندری

علی عادل شاہ ثانی کا انتقال ۱۰۸۳ھ (۱۶۷۲ء) میں ہوا اور اس کے ساتھ ہی بیجاپور کی شان و شوکت بھی رخصت ہوگئی۔ اس کا بیٹا سکندر اس وقت چار سال کا تھا۔ تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی لیکن حکومت ناتجربکار اور خودغرض وزرا کے ہاتھ میں رہی۔ آخر آپس کی ناچاقیوں اور خودغرضیوں نے سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

علی عادل شاہ اپنی عیاشی اور بے اعتدالیوں کی بدولت ایسا بیمار پڑا کہ صحت نے جواب دے دیا اور حکیموں کی حکمت کارگر نہ ہوئی۔ جب وہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگیا تو ایک روز عبد المحمد کو بلاکر کہا کہ مجھے اب زندگی کی امید باقی نہیں رہی، سلطنت کی حالت اندیشناک ہے، ایک طرف مغل سر پر کھڑے ہیں، دوسری طرف سیوا گھات میں لگا ہوا ہے؛ نہ معلوم میری آنکھ بند ہوتے ہی کیا صورت پیش آئے اس لیے میری مصلحت یہ ہے کہ تم شہزادے کو تخت پر

بٹھا کر کاروبارِ سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لے لو۔ اس کے بعد کسی کو مخالفت کی مجال نہ ہوگی، بادشاہت محفوظ ہو جائے گی اور میں اطمینان سے اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا۔

عبدالمحمد بارہ سال سے حکومت کا سارا کاروبار چلا رہا تھا، اس کی کاردانی اور وفاداری مانی ہوئی تھی۔ علی عادل شاہ ثانی کے عہد میں سلطنت کے استحکام اور حفاظت میں عبدالمحمد کے تجربہ، شجاعت اور لیاقت کو بہت بڑا دخل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہ کو جو اعتماد اس پر تھا وہ کسی پر نہ تھا۔ لیکن عبدالمحمد کی نظرِ دور اندیش نے دیکھ لیا تھا کہ اب دربار کا رنگ کچھ اور ہے اور بادشاہ کے مرنے کے بعد یہ رنگ اور شوخ ہو جائے گا۔ اس لیے اس نے اس بارِ امانت کے قبول کرنے سے عذر کیا۔ ہر چند دیانت راؤ اور سلطنت کے دوسرے بہی خواہوں نے سمجھایا کہ بادشاہ کا یہ عین منشا ہے کہ شاہزادے کو تمھارے سپرد کر کے اپنے جیتے جی استقلال سلطنت کو دیکھ لیں، تم کسی وسوسے کو دل میں نہ لاؤ ورنہ سارا کام درہم برہم ہو جائے گا۔ عبدالمحمد راضی نہ ہوا اور خود ہی یہ تجویز کی کہ خواص خاں شہزادے کو تخت پر بٹھا کر دارالخلافہ اور اس کے آس پاس کے علاقے کا انتظام کرے۔ مجھے شمال مشرقی علاقہ (قلعہ شاہ درک و گلبرگہ وغیرہ) سپرد کر دیا جائے تاکہ مغلوں کی روک تھام کرتا رہوں۔ عبدالکریم بہلول خاں کو مغرب (یعنی مرج اور قلعہ پنالہ وغیرہ) کی طرف بھیج دیا جائے تاکہ وہ شیواجی کے مقابلے کے لیے تیار رہے۔ مظفر خاں کو سمتِ جنوب (بدنور وغیرہ) کا صوبہ دار بنا دیا جائے تاکہ جنوب کے ہندو راجاؤں پر نظر رکھے اور ہم سب خواص خاں کے احکام کی تعمیل کریں۔ عبدالمحمد کی یہ قرارداد بیجاپور کی تباہی کا پیش خیمہ تھی۔

خواص خاں نے اسے لطیفۂ غیبی سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ دونوں جانب سے قسما قسمی اور قول و قرار ہوئے کہ بادشاہ کی وفات کے دوسرے ہی روز اس پر عمل درآمد ہوگا۔ بادشاہ کا مرض بڑھتا گیا اور اسی کے ساتھ اندر سازشوں کا جال پھیلتا گیا۔ صرف عبدالمحمد ایک شخص تھا جو اپنے قول پر ثابت قدم رہا۔ آخر کئی مہینے مرض الموت کی صعوبت جھیلنے کے بعد ۱۳ شعبان ۱۰۸۳ھ کو بادشاہ نے انتقال کیا۔ خواص خاں نے شاہزادہ سکندر کو تخت پر بٹھایا اور زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ دوسرے روز عبدالمحمد نے پیغام

بھیجا کہ باہم جو قول و قرار ہوا تھا اب اس پر عمل ہونا چاہیئے۔ خواص خاں نے کہلا بھیجا کہ بادشاہ بچّہ ہے یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ شاہی قلعے تم لوگوں کے حوالہ کر دوں۔ عبدالمحمد اس بدعہدی کو دیکھ کر بہت دل شکستہ ہوا اور آخر بالکل قطع تعلق کر لیا۔ یہ سلطنتِ بیجاپور کی بدنصیبی تھی۔

غرض بادشاہ کی خورد سالی اور کم حوصلہ لوگوں کی صاحبِ اختیاری نے ارکانِ سلطنت میں تزلزل پیدا کر دیا اور شیرازۂ انتظام درہم برہم ہو گیا۔ اطراف و جوانب کے قابو جو جو تاک میں بیٹھے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے اور ہر طرف شور و فتنہ بپا ہو گیا۔ سب سے اول بغلی دشمن شیواجی بھونسلہ نے جو علی عادل شاہ ثانی کے آخر زمانے میں بعض شاہی قلعوں اور علاقوں اور بعض مغلیہ اضلاع پر قابض ہو گیا تھا، سر اٹھایا۔ اب جو اسے معلوم ہوا کہ اُن ارکانِ سلطنت میں سے جن پر قیامِ مملکت کا دارومدار تھا، کوئی نہیں رہا تو اس نے دست درازی شروع کی۔ پہلے قلعہ پنالہ پر تصرف کیا اور بعد ازاں عادل شاہی مملکت کی تسخیر کے لیے ہر طرف لشکر روانہ کیے۔

خواص خاں نے جب یہ دیکھا تو عبدالکریم بہلول خاں کو اس کے مقابلے پر بھیجا۔ جب وہ امرانی کے قریب پہنچا تو شیواجی کے لشکر نے اس پر حملہ کیا اور قتل و خوں ریزی کا ہنگامہ بپا کر دیا۔ بہلول خاں بڑی ثابت قدمی اور پامردی سے مقابلہ کرتا رہا اور باوجودیکہ اس کی فوج کم تھی اور غنیم کا لشکر بہت زیادہ تھا، صبح سے شام تک بڑی بہادری سے مصروفِ پیکار رہا۔ دونوں طرف بہت سے مقتول و مجروح ہوئے۔ آخر شیواجی کا لشکر منتشر ہو گیا۔ بہلول خاں نے اسے غنیمت سمجھ کر تیکوتہ کی طرف کوچ کیا۔ جب بیجاپور سے تازہ مدد پہنچی تو وہاں سے کوچ کر کے دشمن پر حملہ کیا اور شیواجی کے لشکر کو شکست دی۔ شیواجی کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس کے غم و غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اور اپنے سرداروں کو سخت ملامت اور سرزنش کی۔ اسی جنگ کا حال نصرتی نے اپنی اس مثنوی میں لکھا ہے۔

جہاں تک تحقیق کیا گیا ہے دنیا میں اس مثنوی کا صرف ایک ہی نسخہ ہے جو میرے کتب خانے میں ہے۔ نام اس کا "تاریخ اسکندری" ہے جو خود نصرتی نے اپنے ایک شعر

میں بتا دیا ہے۔

کہنہار یو تاریخ اسکندری
لگے جس کی گفتار یوں سرسری

سنہ تالیف ۱۰۸۳ھ ہے جو نصرتی کے اس مصرع سے ظاہر ہے

سہس ہور اسی پر جو تھے تین سال

نصرتی کی یہ مثنوی گلشنِ عشق اور علی نامہ کے مقابلے میں بہت ہی مختصر ہے۔ یعنی اس میں صرف ۵۵۴ شعر ہیں۔ کلام میں وہ زور اور شگفتگی بھی نہیں جو اس کی دوسری مثنویوں میں پائی جاتی ہے۔ یہ نصرتی کا آخری کلام ہے اور اس کے اور بیجاپور کے انحطاط کا زمانہ ہے۔ نہ اگلی سی شان و شوکت تھی نہ پہلے بادشاہوں کا سا جاہ جلال تھا اور نہ ان کے سے پرعظمت کارنامے تھے' اس لیے شاعر کی طبیعت کو ابھارنے والی کوئی بات نہ تھی۔ بہلول خاں کی فتح' نصرتی نے جس کے گن گائے ہیں' برائے نام فتح تھی۔ اس کے بعد ہی نفاق و مخالفت کی گرم بازاری شروع ہوگئی اور سلطنتِ بیجاپور کے اقبال کا ستارہ گہنانے لگا۔

اس کتاب کا ذکر کسی تذکرہ نویس نے نہیں کیا' البتہ میرزا ابراہیم زبیری صاحب بساتین السلاطین نے اس کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔" ملک الشعرا میاں نصرتی در تاریخِ اسکندری کہ بزبانِ ہندی منظومہ پرداختہ است کہ بجنگ امراں مشہور گشتہ است دادِ تہور و شجاعت عبدالکریم خاں سخن وری فصاحت و بلاغتِ خویش آں چناں دادہ است کہ سخن دانانِ انصاف کیش و ہنرشناسانِ معانی اندیش گوہر ہائے تحسین ولآلیٔ آفریں بر آں نثار می کنند۔"

اب ہم اصل مثنوی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ابتدا حمد سے کی ہے اور اس کے دو ہی شعر لکھے ہیں لیکن جیسا کہ نصرتی کا دستور ہے کہ وہ حمد بھی مضمونِ مثنوی کی مناسبت سے لکھتا ہے' یہاں بھی ان دو ہی شعروں میں اس نے اس زمانے کی خفیف سی جھلک دکھا دی ہے۔

سرانا جتا سو خدا کوں سرے
کہ وہ عینِ حکمت ہے جوں اُن کرے

جو اچھتا سرج دن کوں نت برقرار
تو کیوں نس کوں آتا چندر پر مدار

(یعنی خدا کی جتنی حمد وثنا کی جائے اس کو سزاوار ہے، وہ جو کچھ کرتا ہے عینِ حکمت ہے۔ اگر سورج ہمیشہ آسمان پر قائم رہتا تو چاند شب کو کیسے آتا)۔

پہلا شعر اگرچہ خالص حمد کا ہے لیکن جس نہج سے یہ حمد کی گئی ہے اس سے صاف افسردگی اور پژمردگی ٹپکتی ہے۔ دوسرے شعر میں ایک بادشاہ کے جانے اور دوسرے کے آنے کی طرف اشارہ ہے جسے اس نے تیسرے شعر میں کھول کر بیان کر دیا ہے۔

بڑے بادشہ گر نہ ہوتے سلف
نہ پاتے شہی شاہزادے خلف

اس کے بعد کے تین شعر یہ ہیں :

بہنار ہے جس زمیں پر جو خوں
پہے کیوں نا ہووے سبب کچھ زبوں

نپاتا زبوں وقت گر کس تے کس
رہتا کیوں قیامت لگ اس نرکا جس

جنم ہے اُسی مرد کا زندہ نام
پڑی جس تے ہے نیک نامی تمام

(یعنی جس سرزمین پر خوں ریزی ہونے والی ہے اُس کا کوئی نہ کوئی زبوں سبب ہوتا ہے اگر زبوں وقت کو کسی سے اعانت نہ ملتی تو قیامت تک اس بہادر کی شہرت کیوں قائم رہتی ۔ ہمیشہ اسی مرد کا نام زندہ رہے گا جس نے بڑی نیک نامی حاصل کی ہے)۔

اس کے بعد ایک شعر میں کتاب کا نام اور دوسرے شعر میں سنہ تالیف بتایا ہے۔ اور اس کے بعد صرف ایک شعر میں نئے بادشاہ کی تخت نشینی کا ذکر ہے :

جو ملکِ دکن میں ہوا شاہ نو
لباس آپ دنیا کری تازہ نو

ان اشعار میں نہ جوش ہے نہ مسرت جو اس موقع کا تقاضا تھا، جس سے صاف ظاہر ہے کہ شاعر اپنے ماحول سے متاثر ہے اور دل امنگ سے خالی ہے۔

ارکانِ سلطنت کی ہوس کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

ہوس تن جو ہر تن کوں گھر گھر جدا
کہ ہونا شہی کے اپیں کد خدا

یعنی ہر ایک کو یہ ہوس تھی کہ بادشاہی ہمارے ہاتھ آجائے۔

سلگ نیں سکی کس نے فتوے کی اگ
ٹھنڈا ہو کر بیٹھا سب یک پل میں جگ

کسی کے فتنے کی آگ نہ سلگ سکی اور ان سب کے جوش ٹھنڈے پڑ گئے۔

آخر زمامِ حکومت خواص خاں کے ہاتھ آئی۔

لیے ہاتھ سو کام خان خواص
کیے شکر اکثر سو ٹر لوک خاص

اس شعر میں "اکثر" کا لفظ پر معنی ہے۔

یہی بول ہر مکھ تے آتا ہوا
کہ بد نیتاں کا نہ بھاتا ہوا

(ہر ایک کی زبان پر یہی بات تھی کہ اچھا ہوا بدنیت لوگوں کا چاہا نہ ہوا)۔

کریں لگ خرد مند بیعت درست
ہوے لوگ بدعہد پیماں کے سست

(یعنی عقل مندوں کے بیعت کرتے کرتے بدعہد لوگ اپنے عہد و پیمان سے پھر گئے)۔
اور مفسدوں نے فساد برپا کرنا شروع کیا۔

شریراں شرارت ہویدا کیے
اثر جیو میں مستی کا پیدا کیے

دبی تھی سو آتش اوٹھی پھر سلگ
پڑیا دغدغے کی حرارت میں لگ

اور سب سے بڑھ کر مفسدِ اعظم (یعنی شیواجی) نے سر اٹھایا۔

خصوصاً سیوا کافرِ بے نظام
جو فرعون کا ہے سو سایہ تمام

جلگ جگ میں مہلت ہے ابلیس کوں
تلک چال ہے تس کی تلبیس کوں

اس کے بعد اس کے لشکر کی کثرت اور اس کی دست درازیوں کا حال بیان کرتا ہے چند شعر ملاحظہ ہوں:

نچھے پیس جانلگ پون کوں مجال
اچھے واں تلک تس کے گھڑیاں کی چال

جو جانلگ ہے چلنے کو چیٹی کی جھیل
جنم تس پہ اوس کے حشم کا ہے کھیل

نپچے آسماں کے جو گڑ تھے بلند
لیا چڑ سٹیا واں سو فن کا کمند

(وہ قلعے جو بلندی میں آسمان کے بیچ سمجھے جاتے تھے، ان پر مکر و حیلہ سے چڑھ کر قبضہ کر لیا۔

کریا چڑ جہازاں جو دریا پہ دوڑ
کیا لوٹ بندر فرنگیاں کے چوڑ

(جہازوں میں چڑھ کر سمندر پر حملہ کیا اور فرنگیوں کے بندر لوٹ کر تباہ کر دیے)۔

سدا تس تے دریا و[1] طوفاں دسے
زمیں نحس تس پگ تے ویراں دسے

(اس کی وجہ سے ہمیشہ دریا میں طوفان رہتا ہے اور اس کے منحوس قدموں سے زمین ویران نظر آتی تھی)۔

مسٹے باٹ سارو جو اوس بھویں پہ پانوں
ملے نا یک یک ہفتہ بستی کا ناوں

(اگر مسافر اس سرزمین میں قدم رکھے تو اسے ہفتے ہفتے بھر کسی بستی کا نشان نہ ملے گا)۔

جو اوس میں جتے فوجداراں لڑے
لوٹے کے وتے یا سنپڑ بند پڑے

(جتنے فوجدار اس سے لڑے وہ یا تو لوٹے گئے یا اس کے ہاتھوں قید ہوئے)۔

پن اُس دل میں تھا خان کا سخت دھاک
کیے تھے جو یک بار اُسے بھی ہلاک

(باوجود اس کے دل میں بھی خواص خاں کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی کیوں کہ اسے ایک بار چرکا دے چکے تھے)۔

نہ آسیں گکر آج گھر کس پہ چھوڑ
نہ لڑسیں اپنگ مجھ سیتی فوج جوڑ

(یہ سمجھ کر کہ وہ کاروبارِ سلطنت کو چھوڑ کر نہیں آئے گا اور مجھ سے لڑنے کے لیے فوج جمع نہیں کر سکے گا)۔

بھروسے پہ کر یہ مقرر خیال
وطن تے نیکل لیکے فوجاں دنبال

---

[1] یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے "و" کی جگہ "میں" ہونا چاہیے۔

جو یک عمر لگ تھا سو قابو طلب
پڑیا دیکھو قابو موافق سبب

قدم در قدم ملک میں فن سو پیٹھ
پکڑ یک کو بل ٹھار آمد میں بیٹھ

وہیں ملک سب مار کر لے تلف
بٹھایا ہزاراں سوں دل ہر طرف

یعنی اس یقین پر کہ خواص خاں امورِ سلطنت کو کسی دوسرے پر چھوڑ کر مقابلے کے لیے نہیں آسکتا وہ لشکر لے کر نکلا۔ وہ ایک مدت سے ایسے موقع کی تاک میں تھا اور اب اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ملک میں گھسنا شروع کیا اور وہاں سے ملک کو تباہ و تاراج کرنا شروع کیا۔

یہ رنگ دیکھ کر خواص خاں بے چین ہو جاتا ہے۔

سبب دیکھ خاں مملکت کے مدار
غضب میں ہوے پن کہے یوں پچار

کہ نیں آج ممکن جو میں اٹھ کے دوڑ
جو بھی کر سٹوں مار فوج اس کی چوڑ

چوں کہ خود مقابلے کے لیے جانا ممکن نہ تھا اس لیے ایک دوسری تدبیر کی۔

دوسرا باب بادشاہ کے دربار کے متعلق ہے جس میں بہلول خاں کو خلعت عطا فرما کر شیواجی کے مقابلے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

اس باب کے تمہیدی اشعار یہ ہیں:

دل افروز یک روز فیروز تھا
فرح بخش جوں عیدِ نوروز تھا

ادک تازگی پا زمین و زمن
ہوا تھا رنگا رنگ گلشن نمن

ظفر بخش اس دن کی پا خوب قدر
شہنشاہ فرما شہانی صدر

اس کے بعد بادشاہ، محل اور تخت وغیرہ کی تعریف کرتا ہے۔ خواص خاں اپنے رفقا کے ساتھ آتا ہے۔ لوگ اس کے سلام کے لیے حاضر ہیں۔ سب سے مقدم شیواجی کا معاملہ ہے جس کی خان کو بڑی فکر ہے۔

سیوانے جو پکڑیا ہنر ناپسند
سیکھانے اوسے ات اوک خوب پند

کن ایسا ہے کرمرد اپس من میں لیاے
تو کر یاد نواب کوں ویں بلاے

یعنی شیواجی نے جو یہ ناشایستہ حرکت شروع کی تو خواص خاں سوچنے لگا کہ اس کی گوشمالی کے لیے ایک معقول شخص کی ضرورت ہے اس وقت اُسے نواب (عبدالکریم بہلول خاں) کا خیال آیا اور فوراً بلا بھیجا۔ یہاں شاعر بہلول خاں کی شجاعت اور علم و ہنر وغیرہ کی تعریف کرتا ہے۔

اتنے میں جب بہلول خاں آتا ہوا نظر آیا تو
وہیں خان اپس مجلسِ خاص سوں
بھوت دے کے تعظیم اخلاص سوں

جو بیٹھے سو ہو مل کے خاطر فراغ
ہوے دیکھ یک یک کوں خوش باغ باغ

معمولی مزاج پرسی وغیرہ کے بعد اصل معاملے پر گفتگو ہوتی ہے۔

بیاں کر کے یک دلبری کے نکات
نیکالے وہیں راج کارن کی بات

کہے خان کافر خر بے لگام
سیکھیا ہے جنم چر کہ کھانے حرام

جیکوی لاہنارے ہیں شیراں کو ڈر
توکاں ان کی نظراں میں اچھتا ہے خر

ولے زود جو ہے سو خر پر[1] تمیز
کہ جس وقت پاتا ہے فرصت عزیز

نہ رکھ کچھ دھنی کے زیاں پر نظر
کرے خوار سب باغ شاہی کو چر

غرض یو کہ اہلِ غرض نابکار
لگے ترتے کم دیکھنے میں بچار

کہ جس گھرتے جیکوی بڑیا ہو انگے
پچھیں توڑنے پھر وہی گھر منگے

زیاں کار کوں کچھ نہ اس سود ہے
پڑیا گھر تو آپیں بھی نابود ہے

بد اندیش بدکیش یعنی سیوا
ہوا شاد عمل دیکھ شہی کا نوا

... ...

... ...

یتی ملک میں آگ سلگی ہے سانچ
کہ سب شہر بیکل ہے لگتے ہی آنچ

ہوئے فرض ایتا یوں کہ یہ آگ آج
سلگنے نہ دینے کی کرنا علاج

کہ ہے دل تمارا جو تیراں کا میغ
بجاتا جھڑپ اس برف برق تیغ

---

[1] غالباً کاتب غلطی سے "بے" کی جگہ "پر" لکھ گیا ہے۔

(خواص خاں بہلول خاں سے کہتا ہے کہ اس خر بے لگام (یعنی شیوا جی) نے چر کر حرام کھانا سیکھا ہے۔ لیکن جن کی دھاک شیروں کے دل میں ہے وہ کب اس گدھے کو خیال میں لاتے ہیں۔ یہ خرِ نامشخص اپنے آقا کے نقصان کا خیال نہیں کرتا اور جب موقع پاتا ہے شاہی باغ کو خراب کر ڈالتا ہے۔ غرض گدھے سے بھی کمتر ہے، کیوں کہ جس گھر کی بدولت اس نے عروج پایا اسی کے توڑنے کی فکر میں ہے۔ لیکن زیاں کار کو اس سے کچھ فائدہ نہیں کیوں کہ جب گھر ہی برباد ہوگیا تو یہ خود ہی نیست و نابود ہو جائے گا۔ یہ بداندیش بدکیش نئی بادشاہت کے عمل کو دیکھ کر خوش ہے (کہ اسے ہاتھ رنگنے کا خوب موقع ملے گا)...... اس فساد کی آگ ملک میں ایسی بھڑکی ہے کہ اس سے تمام شہر بیکل ہے۔ اب یہ ہمارا فرض ہے کہ اس آگ کو سلگنے نہ دیں اور ابھی سے اس کی تدبیر کریں۔ تمھارا لشکر جو تیروں کا بادل ہے وہ فوراً اُس پر برف باری کر کے بجھا دے)۔

بہلول خاں یہ تقریر سن کر جواب دیتا ہے:

کہے جب سخن مملکت کے مدار
سنیا سوچ بولیا دو یوں کامگار

"سیوا گرچہ اس بوم کا بوم ہے
کیتی تس بزرگی سو معلوم ہے

تمارا جو شاید ہے خاطر شریف
تو کیا ہے وہی جو ملیا کوئی حریف

کہ ہے ان گنت فوج اُس پاس اگر
دلے چور کاں آئے ساواں کے سر

(یعنی گو اس کے پاس بے شمار فوج ہے لیکن چور سا ہوؤں یعنی کھرے لوگوں کے سامنے کہاں آسکتا ہے)۔

ہمیں جاں کھڑے رہیں تو کر اختیار
رکھیں نا نظر میں دندی کا شمار

مرا ہر سپاہی سو سردار ہے
بھری ترکش اُس کی سویک بھار ہے

... ...

... ...

لگیا ہے مری تیغ کا جس کو داک
دیکھت موج پانی کا ہووے ہلاک

بیجاپور کی نیں صفت یہ نوی
کہ ہے شیر و شرزیاں کی کہنی گوی

سیوا آج موڑی جو فوجاں کو نیٹ
چلایا ہے آگیں اپیں دکھ جو پیٹ

(وہی سیوا آج فوجیں سامنے لارہا ہے جو پہلے پیٹھ دکھا کر بھاگا تھا)۔

سراس کا کوچل یوں کروں اس کو گم
کہ جیوں سانپ کا سیر کوچلے پہ دم

(اس کی فوج کا سر کچل کر اُسے ایسا بے کار کردوں گا جیسے سانپ کا سر کچلنے پر اس کی دم بیکار ہوجاتی ہے)۔

نہ چلسی ہمارے پہ کافر کا حد
کہ ہے دینداراں کوں حق کا مدد

یہ جواب سن کر خواص خاں کو بڑا اطمینان ہوا اور وہ اسے بادشاہ کے حضور میں لے جاتا ہے بادشاہ اُسے خلعت و منصب سے سرفراز کرتے ہیں اور فوج کی سالاری پر مقرر کرکے مہم پر روانہ کرتے ہیں۔

بہلول خاں لشکر کی تیاری میں مصروف تھا کہ جاسوس خبر لائے کہ شیواجی کا بے شمار لشکر چلا آرہا ہے۔ وہ اپنی فوج کے جمع ہونے کا حکم دیتا ہے اور اس کے سامنے تقریر کرتا ہے کہ یہ جاں نثاری اور وفاداری کا وقت ہے۔ غنیم چڑھا چلا آرہا ہے' اپنے ملک اور وطن کی حفاظت

ہمارا فرض ہے۔ اس کے ساتھ اہلِ لشکر کی مذہبی حمیت کو بھی جوش میں لاتا ہے۔ سپاہی اپنے سردار کی شجاعت کی تعریف کرتے ہیں اور اس کے ساتھ لڑنے مرنے اور جان دینے کا عہد کرتے ہیں۔

اس کے بعد بہلول خاں کے سوار ہونے اور لشکر کی روانگی کو بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔ لکھتا ہے:

جو نواب چوڈھل کا گج چڑ چلیا
کہے توں کہ بھویں کے اوپر کڑ چلیا
کہے سب نے دیکھ اس تجلی سوں دھور
کہ نیکلیا گگن پر جو مطلع تے سور

(یعنی جب نواب ہاتھی پر عماری میں سوار ہو کر چلا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا زمین پر قلعہ چلا جا رہا ہے۔ سب نے اس بہادر کی یہ شان دیکھ کر کہا کہ مطلعِ آسمان سے آفتاب نکلا ہے۔

پھر باجوں کی گرج، نقاروں کے شور، دماموں کے بجنے، جلاجل اور دوسرے باجوں کی کیفیت بیان کی ہے۔ اس کے بعد لشکر اور اہلِ لشکر کا کچھ ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

لگے ہر ہتی یوں وہ پاکھر کے نال
کہ اوتریا ہے ڈونگر پہ آ جیوں ابھال

دسیں ہر جھلکتی سنیں اوس میں برق
نہ تھا گاجنے ہور گرجنے میں فرق

ہتھیاں پر رنگا رنگ ڈھالا دسیں
کہستاں پہ جیوں نونہالاں دسیں

چلے تو ہتی ڈلملے سب دھرن
گرابے (کی) گاڑیاں تے ہدریا گگن

(ہر ایک ہاتھی جس پر پاکھر پڑی ہوئی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پہاڑ پر بادل اُتر آیا ہے۔

ہر ایک چمکتی ہوئی برچھی میں بجلی نظر آتی تھی' اب باجوں کے بجنے اور گرجنے میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ ہاتھیوں پر رنگ برنگ کی ڈھالیں پڑی تھیں جو ایسی معلوم ہوتی تھیں جیسے کوہستان پر تونہال۔ جب ہاتھی چلتے تھے تو زمین زلزلے میں آجاتی تھی اور جب (سامانِ جنگ) کی گاڑیاں چلتی تھیں تو آسمان ہلنے لگتا تھا۔)

اب اصل جنگ کی کیفیت بیان کرتا ہے۔ یہ جنگ بہت مختصر اور صرف دو روز کی ہے۔ ہر روز کی لڑائی الگ الگ بیان کی ہے۔ اس لڑائی کو وہ چور اور ساہو کی لڑائی سے تشبیہہ دیتا ہے۔

کھڑے چور ہور ساؤ لڑنے کوں ساند

اول اس نے غنیم کی فوج کی کثرت، اسلحہ کی بہتات، گھوڑوں اور ہاتھیوں کے ہجوم کا بیان شاعرانہ انداز میں کیا ہے۔ کہتا ہے کسی جنگل کے درختوں کی ڈالیوں میں اتنے پتے نہیں جتنے اس فوج کے رنگ برنگ کے جھنڈے ہیں۔

نہ کیں بن کے ڈالیاں پہ اتنے ہیں پات
نشاناں تو اوس تے ادک دھات دھات

اور نہ کسی کوہستان میں اتنے سنگ ریزے ہیں جتنے اس کے ہاں مست ہاتھی پڑے جھوم رہے ہیں۔

نھویں کس کہستان میں سنگ یتے
کھڑے تھے یتے ہست جھولتے تے

نہ کسی سرزمین سے اتنی چیونٹیاں ابلتی ہوں گی جتنا اس کے ساتھ لاؤلشکر تھا۔

نہ کس بھویں پہ چیٹیاں ابلتیاں ہیں جم
چلے ہاند رنتا یتا کچھ حشم

نہ کسی عفونت میں اتنے مچھر ہوں گے جتنے اس کے ساتھ سپاہی تھے۔

اسی طرح ایک ایک دو دو شعر ہتھیاروں اور گھوڑوں وغیرہ کی نسبت لکھتا ہے۔ گھوڑیوں کے وصف میں دو شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

شعر۔ اتھیاں مادوانچہ ناگن بھریاں
پریاں تیوں نتھیاں پن دسیں چوں پریاں

(مطلب) وہ گھوڑیاں ناگن بھری تھیں
پریاں تو نہ تھیں لیکن پریاں سی معلوم ہوتی تھیں

شعر۔ چھنے گرم ہوویں تو آتش سے تاؤ
سبک پن میں کرتیاں پون پر پڑاؤ

(مطلب) گرمی میں آگ سے بڑھ کر
اور سبکی میں ہوا سے زیادہ ہیں

اب لڑائی شروع ہوتی ہے۔ جب غنیم نے عادل شاہی فوج کو دیکھا تو وہ اپنا لشکر لے کر چلا اور یہ ارادہ کیا کہ بیجاپوری لشکر کو چاروں طرف سے محصور کرلے۔

کہیاں یوں کہ چوندھر تے فوجاں چلاؤں
جزیرہ کر ادل بیچیں سب ڈوباؤں

نواب غنیم کی چال کو سمجھ گیا اور فوراً حکم دیا کہ۔

جو ہے سب عرابا یو آتش کا موٹ
بندو فوج کے گرد سب اوس کی کوٹ

یعنی تمام گاڑیوں کا جن پر توپیں رکھی ہوئی ہیں فوج کے گرد ایک حصار باندھ دو۔ فوج کو اس حصار کے پیچھے رکھ کر تیر باری کا حکم دیا۔ خود نواب ہاتھی پر تھا۔ جب دونوں طرف سے لڑائی کا بازار گرم ہوا اور سوار گھوڑے دوڑا کر ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے تو اس سے گرد و غبار کا جو طوفان برپا ہوا' اسے شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

شعر۔ اوٹھے جب ترنگ مار چوندھیر یل
اوڑی گرد تب یوں مدور نکل

(مطلب) جب بہادر گھوڑے اٹھا کر چاروں طرف
سے حملہ آور ہوئے تو گرد مدوّر شکل میں اٹھی!

شعر۔ اوچایا ہے شیطان جوں گرد باد
کہ جاتا فلک اوڑ کہ خیمے کی ناد
(مطلب) گویا شیطان نے ایک بگولہ اٹھایا
ہے جو خیمے کی صورت میں فلک تک پہنچ گیا ہے

شعر۔ حرکت زمانے کی رہی کوئی گھڑی
کہ یوں جگ میں گردوں تے ماٹی اڑی
(مطلب) دنیا میں آسمان سے اتنی دھول اڑی
کہ زمانے کی حرکت رک گئی

شعر۔ نکل جا کے سورج کے دیدے تے جوت
ہلال یوں دسیا جیوں ہوجای سو پوت
(مطلب) سورج کی آنکھوں سے روشنی جاتی رہی
اور ہلال بے رونق پوت کی طرح دکھائی دیتا تھا

گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو گرد اڑی اور گولوں کے چھٹنے سے جو دھواں پھیلا، اس کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے:

شعر۔ گھڑی یک میں سب آسمان ہور زمیں
دھنویں اور اگن میں بھری تب یقیں

(مطلب) گھڑی بھر میں تمام آسمان اور زمین
دھنویں اور آگ سے بھر گئے

شعر۔ بھری بھویں ہو گلشن کے جاگیاں پہ نار
سمندر لیے چین بھنوریاں کی ٹھار
(مطلب) زمین پر گلشن کی جگہ آگ بھر گئی
اور باغ میں بھنوروں کی جگہ سمندر نے لی

شعر۔ ہوا پر جمے یوں دھنویں کے تھوے
جو بیٹھے بگوے ہو نکلے کوے
(مطلب) ہوا پر دھنویں کے ایسے طبق جم گئے تھے
کہ بگلے جو بیٹھے تھے وہ کوے ہوکر نکلے

شعر۔ اوٹھیاں سے جو باناں روش ناگ کے
بندیاں پل ہوا کے اوپر آگ کے
(مطلب) بان جو ناگ کی طرح اڑکر بلند ہوئے
تو انھوں نے ہوا پر آگ کے پل باندھ دیے

شعر۔ غلولے چلے تھے جدھر دے کے سیس
سٹے پاڑ فوجاں پہ فوجاں کوں پیس
(مطلب) گولوں نے جدھر کا رخ کیا اُدھر
فوجوں کی فوجیں پیس کر رکھ دیں

شعر۔ کیاں شور باناں جدھر کے اوٹھیاں
ہتی ڈر سوں جنگل پھرے لے پراں

(مطلب) بانوں کے شور سے ہاتھی ڈر کر
اپنی جان بچانے کے لیے جنگل میں بھاگ گئے

شعر۔ دھنویں کا جلک سد اتھا درمیاں
دونوں دل تو قائم اتھے جاں کے واں

(مطلب) جب تک دھویں کی دیوار بیچ میں حائل تھی
دونوں لشکر جہاں کے تہاں کھڑے رہ گئے

اتنے میں زور کی ہوا آتی ہے اور اس دیوار کو اڑا لے جاتی ہے اور پھر دونوں طرف کے بہادر ہتھیار درست کر کے حملہ شروع کرتے ہیں :

نکلیا جو میانے تے بارا حجاب
ہلے کٹار تے جھانک راوت شتاب

اس موقع پر نصرتی بہلول خاں کی تیراندازی کا نقشہ کھینچتا ہے جو بلاشبہ قابلِ تعریف ہے اور اس سے اس کی شاعرانہ قوتِ بیان کا اندازہ ہوتا ہے۔

شعر۔ وہیں دیکھ خاصہ پکڑ ہت کماں
کیا ہاں اے ترکس بنداں ہو نہاں

(مطلب) نواب نے یہ دیکھ فوراً اپنی کمان اٹھائی
اور کہاکہ اے ترکش بندو! ہاں!

شعر۔ جو دھرتے تھے تیراں چلانے کی لاف
کرو آ کے یک تیر کی صف تے صاف

(مطلب) وہ جو تیر اندازی کی لاف مارتے تھے
وہ اب آیئں اور صفوں کو صاف کریں

شعر۔ پکڑ کر کشاکش کے گوشے میں ٹھانوں
اپیں سعد وقاص کالے کے نانوں
(مطلب) اس نے کمان کے گوشے میں ہاتھ ڈال کر
سعد وقاص کا نام لیا

شعر۔ خدنگ جوڑ چلّے میں کھینچیاں کماں
دیا بوسہ تس ہات اوپر آسماں
(مطلب) اور پھر جو چلّے میں تیر جوڑ کر کھینچتا ہے
تو آسماں نے (بے اختیار) اس کے ہات کو چوم دیا

شعر۔ نہ قوسِ قزح تب رکھی کس سوں تاب
نہ چلنے کے اتنے ہیں تیرِ شہاب
(مطلب) اس وقت قوس قزح بھی اس کی تاب نہ لاسکی
اور نہ اتنے تیرِ شہاب تھے جو چلتے

شعر۔ کماں اپنے قبضے میں پکڑیا جو دھس
رگ و پے میں اوس کے بھریا آپ کس
(مطلب) اس بہادر نے جب کمان کو اپنے قبضے میں پکڑا تو
خود بخود اس کے رگ و پے میں قوت سرایت کر گئی

شعر۔ نظر کی صفائی کو رکھ شست میں
دیکھا تیر کی راستی دست میں
(مطلب) شست میں نظر کی صفائی کو رکھ کر
تیر کی راستی کو ہاتھ میں دیکھا

شعر۔ چلایا تھے دور انداز تیر
کہ چھوٹتا سو نہین اوس کیا جس اسیر
(مطلب) اور پھر اس دور انداز نے اتنے تیر چلائے
کہ جس پر پڑا وہ بچ نہ سکا

شعر۔ کہ ہوتا جو لگتا تو گنبد پہ مار
کبوتر کے انڈرے تے سک اس کے پار
(مطلب) اگر وہاں گنبد بھی ہوتا تو اس پر لگ کر
کبوتر کے انڈے میں سے پار ہو جاتا

جب سپاہ نے نواب کی یہ سرگرمی دیکھی تو انھوں نے بھی تیر چلانے شروع کیے۔

چلے تیر خاصے کے جیوں پیش امام
خدنگ مقتدی تھے سپہ کے تمام

اس کے بعد وہ ان کی تیر اندازی شمشیر زنی اور گولہ باری کے کمال اور دشمن کے پامال ہونے کا ذکر کرتا ہے۔ آخر میں نواب کی قابلیت اور بہادری کی تعریف کرتا ہے۔

شعر۔ تردد پہ خاصے کے لاکھ آفریں
رکھیا تھا نظر میں جو وو سب زمیں

(مطلب) نواب کی جد و جہد پر لاکھ آفریں ہے کہ
وہ میدانِ جنگ پر ہر طرف نظر رکھتا تھا

شعر۔ دیکھے تو اپیں سن میں تھا نوجواں
پن استاد تھا پیر مرداں کو واں

(مطلب) دیکھنے میں تو نوجوان تھا لیکن
بڈھوں بڈھوں کا استاد تھا

شعر یو ہے حق میں دھوراں کے خوب یک مثل
کہ لڑنے تے آپیں لڑانا کو بل

(مطلب) بہادروں کے حق میں یہ کیا اچھی مثل ہے
کہ لڑنے سے لڑانا بہت مشکل ہے

شعر۔ کرے گا لڑائی یو یک دو پہ وار
لڑاوے لڑاوے تو لوٹاں ہزار

(مطلب) جنگ میں ایک شخص زیادہ سے زیادہ دو پر
وار کرے گا لیکن لڑانے والا ہزاروں کو سلادیگا

شعر۔ مگر تھا اوسی تے وہ چو ڈھل اوپر
کہ رکھنا اپیں ہر طرف پر نظر

(مطلب) شاید اسی خیال سے وہ عماری پر سوار
تھا کہ ہر طرف نظر رکھ سکے

شعر۔ جدھر تے جو کام آکہ مشکل پڑے
کرنے توڑ نا اوس میں ہرگز اڑے

(مطلب) تاکہ جدھر سے بھی کوئی مشکل آپڑے تو فوراً وہ
اس کا توڑ کرے اور کبھی قاصر نہ رہے

نواب کی بہادری دیکھ کر سپاہی بھی جان توڑ کر لڑے اور ہر شخص اپنے سردار پر جان فدا کرنے کے لیے تیار تھا۔ اب دونوں طرف سے خوب جم کے لڑائی ہوئی :

شعر۔ جمی آدو دھر تے لڑائی عظیم
لینے دم کھڑا جیوں ہو ماندا غنیم

(مطلب) دونوں طرف سے جم کر بہت بڑی لڑائی ہوئی
اور غنیم تھکا ماندا سا ستانے کو ٹھیر گیا

شعر۔ عرابے پہ یک فوج کا بند حصار
دھریا آگ کا آکہ چوندھر تے مار

(مطلب) فوج کے گرد عرابوں کا حصار باندھ لیا
اور چاروں طرف سے آتشبازی شروع ہوگئی

شعر۔ غلولیاں کا ہر دم چھوٹے یوں تھوا
انگاریاں تے اوس ہوئی انگیٹھی ہوا

(مطلب) گولوں کی مسلسل اس قدر بھر مار ہوئی
کہ ان کے انگاروں سے ہوا انگیٹھی بن گئی

شعر۔ پڑے صف پہ یوں تیر پکڑے پہ اوج
کہ جیوں کھیت چرنے کوں تولاں کی فوج

(مطلب) تیر چڑھ چڑھ کر صفوں پر اس طرح گرتے تھے
جس طرح ٹڈی دل کھیت پر گرتا ہے

شعر۔ جھجریوں نشاناں ہوے دھات دھات
کہ جیوں ٹنول بیٹھے پہ جھاڑاں کے پات

(مطلب) جھنڈے اس طرح جھر جھرے ہو گئے تھے
جس طرح ٹڈیوں کے بیٹھنے سے درختوں کے پتے

شعر۔ مگر دل میں کچھ وہم خاصہ نہ لیاے
نہ وو میہوں ہے جان فرغل منگاے

(مطلب) لیکن نواب نے مطلق پرواہ نہ کی اور حالانکہ مینہ برس
رہا تھا مگر اس نے یہ بھی نہ کیا کہ فرغل منگا کر پہن لیتا۔

شعر۔ زباں میں نہ تھی مار بن کچھ بی بات
نہ تیر و کماں تے نیکالیا وو ہات

(مطلب) اس کی زبان پر سوائے "مار" کے کوئی بات نہ تھی اور
نہ اس کے ہاتھ سے تیر و کمان ایک دم کے لیے چھٹا

شعر۔ نظر میں اتھا ہو نشانہ غنیم
رکھے دل پہ بھویں مار پڑتا سو بیم

(مطلب) اس کی آرزو یہ تھی غنیم نشانہ بنے اور
ایسا ڈر بیٹھے کہ اس کا لشکر زمین پر تڑپتا ہو۔

آخر میں نواب کی خوش خلقی اور مقبولیت کے متعلق لکھتا ہے :

جو خوش خلق نواب جگ میت کا
اتھا سب سوں اخلاص کی ریت کا

نہ خویشا نچہ اتھے اس پہ آجیو سوں بیش
کہ تھے پاس لوگ اس کے بیگانے خویش

(نواب جو خوش خُلق اور مقبولِ زمانہ تھا اس کی رسم وراہ سب سے بڑا اخلاص تھی ، صرف خویش و اقارب ہی اُسے عزیز نہ تھے بلکہ بیگانے بھی اس کے نزدیک خویش و اقارب کے برابر تھے) ۔

اور اسی پہ نصرتی نے پہلے روز کی جنگ ختم کر دی ہے ۔ اس نے کہیں یہ نہیں لکھا کہ شیواجی کی فوج کو شکست ہوئی یا اس کی فوج منتشر ہو گئی جیسا کہ صاحبِ بساطین السلاطین یا دوسرے بیجاپوری مورّخوں نے لکھا ہے ۔

دوسرے روز کی جنگ غنیم کی تیر باری سے شروع ہوتی ہے ۔ خاص کر اس بارش کا نشانہ نواب کی چوڈول ہے ۔

ہوئی تھی ادک ریز چوڈھل پہ یوں
برستا ہے برسانت ڈونگر پہ جیوں

(یعنی چوڈول پر تیروں کی بارش اس طرح ہو رہی تھی جیسے پہاڑ پر مینہہ برستا ہے) ۔

اہلِ لشکر میں جو خیر اندیش تھے انھوں نے پکار کر نواب سے یوں خطاب کیا ۔

شعر ۔ کی بیٹھا سو ہر مار کا ہو نشان
توں پکڑیا ہے کیا گھر ڈوبانے کی شان

(مطلب) تو ہر مار کا نشانہ بنا کیوں بیٹھا ہے
کیا گھر ڈبونے کی ٹھیرائی ہے

شعر۔ یتا مار چو ڈھل ہوئی جو تلک
رہے گا تو دھانچہ کر کو تلک

(مطلب) چوڈول پر اتنی تیروں کی بارش ہوئی ہے
اب تو وہاں کب تک رہے گا

شعر۔ توں بانچ اب ہمن مار اپنے حضور
کرنیں کہ لڑائی رہے باج دھور

(مطلب) تو اپنے آپ کو بچا اور ہمیں مرنے دے
کیوں کہ بغیر سپہ سالار کے لڑائی نہیں قائم رہ سکتی

شعر۔ نہ ڈرسیں بلا میں جو کھالے گا توں
موے پر قبیلے کوں پالے گا توں

(مطلب) اگر تو ہمیں جنگ میں جھونکے گا تو ہم نہیں
ڈریں گے کیوں کہ (ہم جانتے ہیں کہ) مرے
پیچھے تو ہمارے قبیلے کی پرورش کرے گا

شعر۔ اوتر ہست ہور بیگ تازی سوار
کہ کر حملہ دشمن کوں لیتے ہیں مار

(مطلب) اب ہاتھی سے اُتر آ اور جلد گھوڑے پر سوار ہو
اور ہم ابھی حملہ کر کے دشمن کو مارے لیتے ہیں

نواب نے جب یہ سنا تو یوں جواب دیا:

سنے سوچ نواب یو بات کے
کہ تمنا کوں یاراں نہ معلوم ہے

(مطلب) نواب نے یہ بات سن کے کہا کہ
یارو شاید تمھیں یہ معلوم نہیں ہے

شعر۔ کہ دارا کوں آ شاہ اورنگ سوں
پڑی تھی لڑائی سو سوندل کے جیوں
(مطلب) کہ دارا کو شاہ اورنگ سے
اسی طرح کی لڑائی کا سابقہ پڑا تھا

شعر۔ اتھا شاہ دارا جو ہاتھی سوار
پڑیا جیوں غلولیاں کا چوندھرتے مار
(مطلب) شاہ دارا جو ہاتھی پر سوار تھا
اس پر جب چاروں طرف سے گولیوں کی مار پڑی

شعر۔ نلیا تاب اوترگج ترنگ جیوں چڑیا
لکھا فوج کوں تب کہ خاصہ پڑیا
(مطلب) تو تاب نہ لاکر ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر
سوار ہوا، تو فوج سمجھی کہ بادشاہ مارا گیا

شعر۔ ہوئی پل میں اس دھات لشکر کی موڑ
کہ نیں لڑسکے پھر کہ بھی فوج جوڑ
(مطلب) پھر کیا تھا پل بھر میں سارا لشکر تتر بتر
ہوگیا اور پھر اسے جمع کر کے نہ لڑا سکا

شعر۔ وہی کام سنبھال دانا کرے
جو ناداں کرنے تے عزت دھرے

(مطلب) کام ایک ہی ہے، دانا سوچ سمجھ کر کرتا ہے مگر
نادان اس طرح کرتا ہے کہ اپنی عزت کھو بیٹھتا ہے

شعر۔ تمیں جانتے ہیں کہ تیں یو مثل
چھپے تو بی نا ہوے اجل کوں وجل

(مطلب) کیا تم نے یہ مثل نہیں سنی
کہ ہزار چھپو اجل نہیں ٹلتی

شعر۔ بزرگاں کے رکھ قول پر خوش مدار
یہی سب برتتا ہوں میں بار بار

(مطلب) بزرگوں کے اس قول پر میرا اعتقاد
ہے اور ہمیشہ اس پر عمل کرتا ہوں

شعر۔ اگر تیغِ عالم بجنبد ز جائے
نبرد رگے تا نخواہد خدائے

(مطلب) اگر دنیا بھر کی تلواریں آکر پڑیں ، تو بھی
اگر خدا نہ چاہے تو ایک نس تک نہیں کٹتی

شعر۔ سمجھتا ہوں کہ حق تے یاری ہے آج
میرے بال کوں کچھ نہ بھاری ہے آج

(مطلب) میں سمجھتا ہوں کہ آج خدا کی طرف سے
میری مدد ہے اور میرا بال بیکا نہ ہوگا

شعر۔ اگر ہو تو بھی کچھ خدا کی رضا
رضاوند ہوں جیوں وہ اپڑے قضا
(مطلب) اگر کچھ ہوا بھی تو خدا کی رضا، اور
میں اس کی رضا پر راضی ہوں۔

شعر۔ دِلے میں رکھیا ہوں سو بڈتا قدم
جدھر تے بھی دھسنا اگے نا کہ کم
(مطلب) لیکن میں نے بڑھتا ہوا قدم رکھا ہے، جدھر
سے بھی گھسوں گا آگے بڑھوں گا نہ کہ پیچھے

شعر۔ جو ہوے بیدھڑک ہول تے سربسر
اوسے کیا ہے غوغائے محشر تے ڈر
(مطلب) جو خوف سے نڈر ہے اُسے
غوغائے محشر سے بھی ڈر نہیں۔

شعر۔ ہتی پر جو ہوں میں تو بیریاں پہ داب
کہ یک نیزہ جیوں سر پہ ہے آفتاب
(مطلب) میں جو ہاتھی پر ہوں تو اس سے دشمنوں پر رعب ہے۔ میں
ان کے سروں پر اس طرح ہوں جس طرح آفتاب کا ایک نیزے پر آجانا

شعر۔ فلک پر تو نہ اُڑ سکیں لئی ہے فرق
منگے بھویں جو پڑ کے ہوویں گے غرق

(مطلب) آسمان پر تو اُڑکے جا نہیں سکتے کہ وہ بہت دور ہے، اور اگر زمین پر رہے تو غارت ہو جائیں گے

شعر۔ جو ہلتے ہیں جاگے تے بھی چھوڑ ٹھانوں
کہ جیوں مرنسک جھاڑتے ہاتھ پانوں

(مطلب) اور اگر جگہ چھوڑ کر ذرا بھی ہلے تو ہاتھ پانوں ہلائے بغیر نہیں مر سکتے۔

شعر۔ پتنگاں کے پڑتے نہ بوجسی ہلال
مریں جل جو پکڑیں بوجانے کا خیال

(مطلب) پتنگوں کے گرنے سے ہلال کی شمع بجھ نہیں سکتی اور اگر وہ بجھانے کا خیال کریں گے تو خود جل مریں گے

شعر۔ نجانو کہ بھالے کر اُن کے ہیں بھار
ہرن ہیں کرو بیگدی سگ شکار

(مطلب) یہ خیال نہ کرنا کہ ان کے بھالے دار بڑے قوی ہیں، وہ ہرن ہیں کتوں سے جلد شکار کرو

شعر۔ رکھو مار یو فوج کافر پلید
رکھو کھیت یا سب ہو مسلم شہید

(مطلب) اس فوج کافر کو مار تہس نہس کر ڈالو۔ یا تو ان کا یہیں خاتمہ کر دو ورنہ سب شہید ہو جاؤ

یہ تقریر سن کر اہلِ لشکر میں جوش پیدا ہوا اور وہ پہلے سے زیادہ آمادۂ پیکار ہو گئے اور اس بے جگری سے لڑے کہ مخالف بھی ان کا لوہا مان گئے اور پریشان ہو کر کہنے لگے کہ ان سے لڑنا مشکل ہے۔

شعر۔ لڑے جب یو دہلی کے فوجاں سے چھوٹ
لیے ہیں گے امرا دیک دم میں لوٹ

(مطلب) یہ لوگ جب دہلی کی فوج سے لڑے تو انھوں نے آناً فاناً میں سب امرا کو لوٹ لیا

شعر۔ اگر مردِ میدان بہلول ہے
ہمن دسویں حصے کا کاں تول ہے

(مطلب) اگر مردِ میدان بہلول ہے تو ہم اس کے دسویں حصے کے برابر بھی نہیں

شعر۔ دکھن کا یو یک دھور نیں ہے پچاس
نہ لشکر سب اوس کا ہی ہے اس کے پاس

(مطلب) دکھن کا یہ بہادر ایک نہیں بلکہ پچاس کے برابر ہے حالاں کہ ابھی اس کا پورا لشکر اس کے پاس نہیں

شعر۔ کھڑا یو سو ویں آگ کا ہو ابھال
ستیا برق بونداں سوں عالم کوں جال

(مطلب) جہاں یہ کھڑا ہوا آگ کا بادل چھا جاتا ہے اور بجلی کی بوندوں سے ایک عالم کو جلا دیتا ہے

شعر۔ ہمیں آج کھاٹیں تو ناموس یوں
صبا مکھ دیکھانا دھنی پاس کیوں
(مطلب) اگر ہم آج اسے نہ جھیل کر کر کے بھاگے
تو کل اپنے آقا کو کیا منھ دکھائیں گے

شعر۔ ایتا کام سیوٹ پہ ہے یہ روا
کہ لینا عرابا یو یک کر ڈھوا
(مطلب) اب آخر میں اتنا کام کرنا لازم ہے کہ
ایک ہلّہ کر کے عرابوں پر قبضہ کریں

یہ کہہ کر انھوں نے زور شور سے حملہ کیا اور پھر ایک بار قتل و غارت کا بازار گرم ہوگیا۔

شعر۔ لھویاں پر دھسے کر دلیری یتی
پڑے جیوں کہ جلتی اگن میں ستی
(مطلب) تلواریں لے کر بڑی دلیری سے گھس پڑے
جیسے جلتی آگ میں ستی جا پڑتی ہے۔

شعر۔ کھڑک ہل رہے جب یو بھالے پڑے
دھڑک آگ اٹھی جب ونثالے پڑے
(مطلب) جب تلواریں رہ گیئں تو بھالے اٹھائے
اور اس سے آگ اور بھڑک اٹھی

شعر۔ رکھے توپ گجدل کوں بھالیاں کی مار
سیئے کے یکس یک میں دو دو سوار

(مطلب) بھالوں کی مار سے ہاتھیوں کے دل کو کوٹ ڈالا
اور ایک ایک بھالے میں دو دو سوار پرو دیے

شعر۔ ہزاراں سوں بھالے جدھر آسٹے
اُدھر یک بیک فوج الٹھا سیٹے

(مطلب) جدھر ہزاروں بھالے لے کر آپڑے
اُدھر ساری فوج ایک دم میں درہم برہم کر دی

شعر۔ اتھارین راوت جو گھوڑے کی پیٹ
کیا دو کوں یک نیزہ بیٹھا سو نیٹ

(مطلب) جو بہادر سوار گھوڑے کی پیٹھ پر تھا
اس پر نیزہ اس صفائی سے پڑا کہ ایک کے دو ہو گئے

شعر۔ زرہ تارکھی تن کوں بھالے تے جھانپ
کہ انکڑے نہ مکڑی کے جالے تے سانپ

(مطلب) زرہ بھالے سے جسم کو نہ بچا سکی
کہ سانپ مکڑی کے جالے سے نہیں رک سکتا

شعر۔ بھالا آکر جھلکیا سو جس تن کے آڑ
بوڑی رکھ اودھر جا رہیا تن کے پار

(مطلب) جس پر نیزہ آکر لگا، بوڑی تو ادھر رہ گئی
اور باقی نیزہ جسم کے اُس پار نکل گیا۔

شعر۔ موی گوسفند آگ کوں نیں ڈری
عرابے کی خندق رگت سوں بھری
(مطلب) مردہ گوسفند آگ سے نہیں ڈری، اور
عرابے کی خندق خون سے بھر گئی

ہوتے ہوتے یہ لڑائی وہاں تک پہنچ گئی جہاں نواب بہلول خاں کھڑے تھے اور اب معرکہ بہت شدید ہوگیا۔

شعر۔ ہتی پر وہیں خلاصہ برچی سنبال
کہیا مارلو دیکھتے کیا ایتال
(مطلب) نواب نے وہیں ہاتھی پر برچھی سنبھالی
اور للکار کر کہا دیکھتے کیا ہو، مارو!

شعر۔ سگل کوٹ پاڑو اسی ٹھور میں
کہ آئے ہیں اپنے پگوں گور میں
(مطلب) سب کو مار کر یہیں تمام کردو کہ وہ
اپنے پاؤں چل کر اپنی قبر میں آئے ہیں

شعر۔ سنے سوچ شمشیر بنداں یو بات
ہوئے پاوں اوتارا فرنگاں لے ہات

(مطلب) جب شمشیر زنوں نے یہ بات سنی تو پیدل
اتر کر تلواریں ہاتھوں میں سنبھالیں

شعر۔ سٹے جس پہ شمشیر کا وار آ
ترنگ ہور اوسے بھویں پہ بیسلاے لیا
(مطلب) جس پر تلوار کا وار کیا تو وہ
گھوڑے سمیت زمین پر آرہا۔

شعر۔ سنبالیا سو بھالے لے ثابت کٹار
کیا پھوڑ بکتر کوں چھاتی کے پار
(مطلب) بھالے لے کر کٹار سنبھالی جو بکتر کو
توڑ کر چھاتی کے پار نکل گئی

شعر۔ چلاویں اگر دھنک ہاتی پہ توڑ
پڑے وو ہتی دیکھ اپس جیو چھوڑ
(مطلب) ہاتھی پر جب وہ وار کرتے تھے تو
وہ فوراً بیدم ہو کر گر پڑتا تھا۔

شعر۔ دیکھاویں تو سنداں پہ توڑاں کے بھانت
اوڑیں ہو کہ چنگیاں متے گج کے دانت
(مطلب) ان کے وار ایسے تھے جیسے گھن پر ہتوڑے کی ضربیں کہ اس
مارے مست ہاتھیوں کے دانت چنگاریوں کی طرح اڑتے تھے

شعر۔ کمر پر سٹیں ہیں تو نیں لگ خبر
نیکل جاے یک دل کو دو پھانک کر

(مطلب) کمر پر جب ہاتھ پڑتا تھا تو اس وقت خبر نہیں ہوتی
تھی جب تک تلوار دو ٹکڑے کر کے نہیں نکل جاتی تھی

... ...

... ...

شعر۔ زرہ کا تو ہے وار بہنے میں حال
کہ بھر لوٹ انگے لرکے کاں رہے کنجال

(مطلب) زرہ کا حال پتلا تھا؛ پر زور سیلاب
کے آگے کائی کہاں ٹھہر سکتی ہے

شعر۔ سٹے کاٹ یوں کافراں کو کٹھن
کہ قربانی بکریاں کو جیوں حج کے دن

(مطلب) ان شدید کافروں کو کاٹ کر اس طرح ڈال دیا
جیسے عیدِ قربان میں بکرے قربانی کرتے ہیں ۔

لیکن اُدھر کے بہادر بھی کچھ کم نہ تھے، انھوں نے پھر قدم جما کر لڑنا شروع کیا۔

شعر۔ دسے عین اجل پن دیکھت نیں ڈرے
کہ ناموس کوں بیش انگے جیو کرے

(مطلب) موت نظر آرہی تھی مگر اس پر بھی وہ نہیں ڈرے
کہ ناموس کے آگے جان کوئی چیز نہیں

شعر۔ روش ہے عرابے سوں لڑتا سو دھور
کھیدیڑے پہ دشمن کوں نا جاے دور

(مطلب) قاعدہ ہے کہ جو بہادر عرابوں کے حصار باندھ کر لڑتا ہے
وہ دشمن کو پسپا کر کے تعاقب میں دور نہیں جاسکتا

شعر۔ کہ جوڑے پہ قابو سوں گاڑیاں کو ڈاٹ
بلیں تب بکھرتا ہے یک دم دو پھاٹ

(مطلب) اس لیے کہ گاڑیوں کو اس طرح جوڑ کر مضبوط کھڑا کیا
جاتا ہے کہ اس سلسلے کو توڑیں تو انتشار پیدا ہو جاتا ہے

اگرچہ غنیم بیجاپوریوں کے حملوں سے پریشان ہوگیا تھا اور اس میں مقابلے کی تاب نہ رہی تھی لیکن ایک مشکل یہ آپڑی تھی کہ ندی پر اس کا قبضہ تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ بیجاپوری کیسے ہی بہادر کیوں نہ ہوں پیاسے لڑنا آسان نہیں ہے۔ ادھر دھوپ کڑاکے کی پڑنے لگی جس سے اہلِ لشکر کی بے تابی اور بڑھ گئی۔

شعر۔ کہ جانے تھے چلتا تو نیں کچھ علاج
ولے ہوویں گے عاجز تو پانی کے باج

(مطلب) وہ جانتے تھے کہ یہ معاملہ لا علاج ہے
پانی بغیر وہ خود بخود عاجز ہو جائیں گے

شعر۔ دیکھے ڈھونڈ تو بر جائے تھا وہ قیاس
جیوے گا بھوکا نا جیوے مار پیاس

(مطلب) غور سے دیکھو تو ان کا یہ قیاس بجا تھا
آدمی بھوکوں جی سکتا ہے لیکن پیاس کا مارا نہیں جی سکتا

شعر۔ کہ آصبح تے واں بھری یک جو دھوپ
کھڑے تھے ہمی ہم سوں لڑنے جو چوپ

(مطلب) صبح ہوتے ہی دھوپ کا عمل شروع ہوگیا لشکر کی
محض ہمت کے بل پر کھڑے لڑ رہے تھے

شعر۔ پچھوری تھی دھوپ یک تو آسر پہ اک
سلگتی تھی دوسری دروںنے میں دھک

(مطلب) ایک تو سرپر دھوپ پڑ رہی تھی
دوسرے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی

شعر۔ سیوا کا وو لشکر تو صورت حرام
مگر نسل شیطان کا تھا تمام

(مطلب) سیوا کا صورت حرام لشکر شاید
نسلِ شیطان سے تھا

شعر۔ کہ یک پیش آتے کوں کرنے کو پس
دسیں پھر اوسی یک کی جاگے پہ دس

(مطلب) کہ ایک کو سامنے سے ہٹاتے تھے تو
اس کی جگہ اور دس آجاتے تھے۔

شعر۔ دل اسلام کا تھا سو معدود تھا
کومک غیر حق ان پہ نابود تھا

(مطلب) اسلام کا لشکر گنا چنا تھا اور سوائے
خدا کے کسی کی مدد کا آسرا نہ تھا

شعر۔ لڑائی تو پل پل کوں ایسی کٹھن
پڑی یوں کہ دیکھیا نہ ہوئے عمر کن
(مطلب) لڑائی ہر لحظہ ایسی کٹھن ہوتی جاتی تھی
کہ کسی نے اپنی عمر میں کبھی نہ دیکھی ہوگی

حال یہ تھا کہ ہوا تیروں سے بھر گئی تھی، سنگ لاخ زمین گولوں سے پٹ گئی تھی، ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے اور زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ اگرچہ لڑنے کی تاب و طاقت نہیں رہی تھی مگر صرف ہمت کے بل بوتے پر لڑ رہے تھے۔ یہاں شاعر نے گرمی کی تپش اور پیاس کی شدت کو شاعرانہ رنگ میں بڑی خوبی سے بیان کیا ہے۔

شعر۔ وجوداں میں روحاں دھری چٹپٹی
تندور آسماں تھا زمیں تھی بھٹی
(مطلب) روحوں نے جسموں میں کھلبلی مچا رکھی تھی
آسمان تنور بن رہا تھا اور زمین بھٹی

شعر۔ لگے جوش کھا سر میں پکنے دماغ
زرہ جل کے دینے لگی تن پہ داغ
(مطلب) سر میں بھیجے جوش کھا کر پکنے لگے
اور زرہ تپ کر جسم پر داغ دینے لگی

شعر۔ گیا سوک سب امرت کا چشمہ دہن
پڑی جیب بے آب ماہی نمن

(مطلب) دھن کے امرت کا چشمہ سوکھ گیا اور
زبان ماہئ بے آب کی طرح تڑپنے لگی

شعر۔ ہوا خشک لہو لیا نہ محنت سوں تاب
کھڑک بن نہ تھا کس بے جاگے پہ آب

(مطلب) سختی کی تاب نہ لاکر لہو خشک ہوگیا اور
سوائے تلوار کے کسی جگہ پانی نظر نہ آتا تھا

شعر۔ کھڑے تھے تو دھر یک تے یک دل میں جوگ
ولے آب بن تلملیا سب ہی لوگ

(مطلب) اگرچہ ایک سے ایک لو لگائے کھڑا تھا مگر
بغیر پانی کے سب ہی بے قرار تھے

نواب نے خیال کیا کہ اگرچہ فتح خدا کی عنایت سے ہماری ہے لیکن اس کا کیا علاج کہ ظالموں نے ہم پر پانی بند کردیا ہے' لہٰذا اب ایک آخری حملہ کرنا لازم ہے یا تو یہیں شہید ہوئے یا پھر اس مصیبت سے نجات پائی۔ اس بیان کو نصرتی کے الفاظ میں سنیے :

شعر۔ سمج ہوی یو نواب کے دل میں راز
خدا تو دیا فتح کو سر فراز

(مطلب) تب نواب کے دل میں یہ بات آئی کہ
خدا نے ہمیں فتح سے تو سرافراز کیا

شعر۔ پن اوس دینداراں پہ ظالم بلا
بسائے ہیں لیا محنت کر بلا

(مطلب) لیکن ظالموں نے دینداروں پر کوبلا
کی سی صعوبت نازل کر رکھی ہے

شعر۔ کہ پکڑے ہیں لگ لر وو کافر پلید
ہوے آہ سب پانچ مارے شہید

(مطلب) پلید کافروں نے نہر پر قبضہ کرلیا ہے،
افسوس ہم سب یہیں شہید ہوجائیں گے

شعر۔ ہوا مج اپتا حملہ کرنا ضرور
کہ تب لگ بلا یو نہوے سرتے دور

(مطلب) اب مجھ پر حملہ کرنا لازم ہوگیا کیوں کہ
اُس وقت تک یہ بلا سر سے نہیں ٹلے گی

شعر۔ وہیں دھور بولیا کہ اے یکہ تاز
سپاہی تیر انداز شمشیر باز

(مطلب) پھر فوراً اس بہادر نے للکار کر کہا کہ
اے یکہ تاز، تیر انداز شمشیر باز سپاہیو،

شعر۔ لڑائی تو مارے ہمیں پن ہے دھاک
مبادا کہ بے آب ہم ہوئیں ہلاک

(مطلب) ہم نے اگرچہ لڑائی مار لی ہے لیکن اندیشہ
یہ ہے کہ کہیں ہم بے آب ہلاک نہ ہوجائیں

شعر۔ اگر اُن کی جاہت لگے لر کا آب
دے ناامیدی سوں تمنا سراب

(مطلب) اگر ان کی بجائے صرف نہر کا پانی تمھارے ہاتھ لگا
تو وہ ناامیدی کی وجہ سے تمھیں سراب نظر آئے گا

شعر۔ نہ پانی کہ جس ہوے تو امرت کی چاہ
چلو میں لولاتا ہوں بن خضر راہ

(مطلب) نہ کہ وہ پانی جو امرت کی خاصیت رکھتا ہے
آؤ اب میں خضرِ راہ بن کر اسے لاتا ہوں

شعر۔ کروں میں جو حملہ تو باغی یہ ساند
دیکھوں کیوں رہتے لر کے پانی کو باند

(مطلب) اب میں باغیوں پر حملہ آور ہوتا ہوں
دیکھوں اب وہ کیسے پانی روکتے ہیں

شعر۔ کھیا سوچ سنمک تے گاڑے نیکال
شتر نال ہست نال لے مکھ پہ گھال

(مطلب) یہ کہتے ہی سامنے سے عرابے نکالے اور
شتر نال اور ہت نال ان کے منھ پر چلانے شروع کیے

اس کے بعد آخری بات "فتح یافتن نواب بہلول خاں برلشکر شیواجی و ادراہزیمت دادن" کے عنوان سے ہے اور اسی پر مثنوی کا خاتمہ ہے۔ اس حملے اور فتح یابی کی کیفیت خود نصرتی کے الفاظ میں بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے:

شعر۔ دہیں خاصہ نواب جب چل دیا
دو نو دھیر کی فوج کوں ہو گیا

(مطلب) جب نواب اس طور سے نکلا تو دونوں
طرف (یمن و یسار) کی فوج کو بڑھایا

شعر۔ چھوٹے شیر یک دم جو زنجیر تے
ہوے آ جو غرش میں جو پھیر تے

(مطلب) جب یک بارگی زنجیر سے شیر
چھٹے تو ہر طرف غرانے لگے۔

شعر۔ ترنگاں کے تل تے یتی گرد اوڑی
کہے یوں زمیں جا فلک سوں جوڑی

(مطلب) گھوڑوں کے نیچے سے اس قدر گرد اُڑی
گویا زمین آسمان سے جا لگی

شعر۔ ستاریاں کی روئی جو ہو بے خلاف
فلک اور زمیں مل ہوا یک لحاف

(مطلب) ستارے روئی ہو گئے اور زمین
اور آسمان مل کر لحاف بن گئے

شعر۔ کھڑا ہو جو جاں ساندتا تھا غنیم
لڑائی پھر آناندتا تھا غنیم

(مطلب) غنیم جہاں کھڑے تھے وہیں جمع ہوگئے
اور پھر انھوں نے لڑائی شروع کی

شعر۔ دسے فوج اون کی گرد جو رواں
ہوے تیرہ تپ تس کے لیکھے جہاں

(مطلب) اُن کی فوج گردِ رواں کی طرح نظر آتی ہے
اور اُن کے حسابوں زمانہ تاریک ہوگیا تھا

شعر۔ پھوٹے کرہ نایاں نے دشمن کے گوش
گیا مغز بھیجا ہو جاگے تے ہوش

(مطلب) قرناؤں کی آواز سے دشمن کے کان بہرے ہوگئے
تھے اور ہوش و حواس بجا نہیں رہے تھے

شعر۔ نقاریاں تے میدان ہدرنے لگیا
کھڑا تھا سو جل رقص کرنے لگیا

(مطلب) نقاروں کی گونج سے میدان ہلنے لگا
اور پانی جو کھڑا تھا رقص کرنے لگا

شعر۔ بہادر کے دشمن بہ طابع پڑے
دھڑاں میں دلاں دھاک سوں دھڑ دھڑے

(مطلب) دشمن پر بہادر نواب کے طالع غالب آئے اور دل اُن کے جسموں میں خون سے دھڑ دھڑ کر رہے تھے

شعر۔ ہوئی دل میں ہشیار نخوت کی گت
گھٹ اوسان کی ہوئی دلاں میں شکست

(مطلب) اب ان کے دلوں میں نخوت پیدا ہونی شروع ہوئی لیکن اوسانوں کو دلوں میں پہلے ہی شکست ہو چکی تھی۔

شعر۔ بڑی دھور کی جب صلابت کی چھاؤں
لگے اوڑنے بارے پہ دشمن کے پاؤں

(مطلب) جب نواب کی بہادری کا ظہور ہوا تو دشمن کے پاؤں ہوا میں اڑنے لگے۔

شعر۔ جو نواب کر رخ مخالفت کے دھیر
برسنے لگیا صف سوں یک مٹھ ہو تیر

(مطلب) نواب نے جب مخالف کی طرف رخ کیا تو صفِ لشکر سے تیروں کے مٹھے برسنے لگے

شعر۔ دیے چھوڑ سو مرغ تیراں شتاب
پیے بیٹھ ان سر کے کانسیاں میں آب

(مطلب) اور سیکڑوں تیروں کے مرغ چھوٹے جو ان کے سروں کے پیالوں میں گھس کے پانی پینے لگے

شعر۔ جمی فوج یک پل میں ہوئی پھوٹ پھاٹ
یک یک نھاسنے کوں دسے لاکھ باٹ

(مطلب) جمی جمائی فوج ایک پل میں تتر بتر ہو گئی
اور بھاگنے کے لیے ایک ایک کو لاکھوں رستے نظر آنے لگے

شعر۔ کہے تو کہ گدڑے پہ ہاتی چھوٹا
بھریا تھا ہنگامہ سو یکدم پھوٹا

(مطلب) گویا گدھے پر ہاتھی چھوٹ گیا ہے اور وہ
بھرپور ہنگامہ ایک دم میں منتشر ہو گیا

شعر۔ پھوٹے جمع تھے سو ہوے نا امید
دسی پل میں کالی زمیں سب سفید

(مطلب) یہ منتشر مجمع نا امید ہو گیا اور
وہ زمین جو کالی تھی سب سفید نظر آنے لگی

شعر۔ پڑے سو کھید پڑے پہ کھندلاٹ میں
دسے وو برابر ہو جا باٹ میں

(مطلب) بھاگڑ میں جو گر پڑے وہ کھندے گئے
اور رستے میں زمین کے برابر ہو گئے

شعر۔ جتن کر وو پھر چھوڑ یوں لر چلے
نتھا نیر واں لہو اپس بھر چلے

(مطلب) جب سب جتن کرنے کے بعد وہ نہر چھوڑ کر بھاگے
تو نہر میں پانی کے بجائے اپنا لہو بھرا ہوا چھوڑ گئے

شعر
ہوئی لال بھویں یوں وہ کالی سکٹ
بیجاپور کن جیوں کہ جوگی کا مٹ
(مطلب) وہ کالی کلوٹی زمین اس طرح لال نظر آتی
تھی جیسے بیجاپور کا جوگی کا مٹ

شعر۔
نظر رن کے مردیاں کو دیکھت تھکی
کہے توں کہ پردا ہے یک ناٹکی
(مطلب) نظر میدانِ جنگ میں مردوں کو دیکھتے دیکھتے
تھک گئی، یہ معلوم ہوتا تھا گویا وہ ناٹک کا پردہ تھا

شعر۔
ہوا کیچ یوں لہو کہ ٹھانوں ٹھانوں
پھسلنے لگے بھویں پہ تیراں کے پانوں
(مطلب) جگہ جگہ لہو کے بہنے سے اس قدر کیچڑ ہوگئی تھی
کہ زمین پر تیروں کے پانو پھسلنے لگے

شعر۔
دیکھت تب کہ نواب دشمن سگل
چلیا لے کہ جیو سامنے تے نیکل
(مطلب) جب نواب نے دیکھا کہ تمام دشمن
جان سلامت لے کر بھاگ گئے ہیں تو

شعر۔ کیے حکم سب پر کہ اب بس کرو
چکائیاں پہ ظاہر نکلا کس کرو

(مطلب) حکم دیا کہ اب بس کرو اور
بزدلوں پر زور نہ دکھاؤ

شعر۔ بھلے مرد کا مرد پر وار ہے
نگوڑیاں کوں چپ دیکھنا عار ہے

(مطلب) بھلے مرد کی لڑائی مرد سے ہونی چاہیے
ان کم بختوں کا تو دیکھنا بھی موجبِ عار ہے

شعر کہ بھاگے ہیں یولا جو کوتے کے پاؤں
نہ پھرسیں بکتے ہیں دیکھ اپنی چھاؤں

(مطلب) یہ کتوں کی طرح سے بھاگے ہیں اور
اپنے سایہ کو بھی دیکھ کر بدکتے ہیں

شعر۔ کدھیں پھر کہ مردی پکڑ آئیں گے
کریں گے سو اپنا سزا پائیں گے

(مطلب) اگر پھر کبھی مرد بن کر آئیں گے تو
اپنے کیے کی سزا پائیں گے

یہ کہہ کر نواب خدا کا شکر ادا کرتا ہے اور میدانِ جنگ میں خوشی کے شادیانے بجنے لگتے ہیں۔ اس وقت وہیں سارے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈال دیتا ہے اور تیز رفتار ہرکارے بھیج کر فتح کی خوش خبری ہر طرف بھیجتا ہے۔ جب خواص خاں کو یہ خبر پہنچی تو بادشاہ کے حکم سے

بیجاپور میں جشن منایا گیا اور جگہ جگہ فتح کا خطبہ پڑھا گیا۔ قلعے پر سے بندوقیں اور توپیں چھوڑی گئیں۔ چوں کہ بادشاہ کی یہ پہلی فتح تھی اس لیے گھر گھر مٹھائی تقسیم ہوئی۔ بادشاہ نے نواب بہلول خاں کو خلعت سے سرفراز فرمایا۔ اور ملک ملک میں اس فتح کی شہرت ہوئی۔

یہ سب نصرتی کا بیان ہے جو اس نے اپنے آخری اشعار میں لکھا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں۔ ترجمے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اوپر کا بیان انھیں اشعار کا خلاصہ ہے، علاوہ اس کے یہ اشعار ہیں بھی آسان۔

یہی بات کر شکر حق لیا بجا
کھڑا رن پہ رہ شادیانے بجا

دیلایا اوسی تیار ڈیرے تمام
کیا واں سر بدل سوں اپنا مقام

خبرے کر اس فتح کا چار دھیر
چلے تیر پر شاطراں جیوں کہ تیر

خصوصاً سنے جب حکومت پناہ
خوشی بانٹنے جگ پہ کر حکم شاہ

بیجاپور میں عید کر آشکار
پڑا خطبہ اس فتح کا ٹھار ٹھار

جو تھے کوٹ پر بان بھانڈے تمام
دغانے کوں فرمائے کر حکم عام

شہنشہ کی ہے فتح پیلی لکہ
بٹائے بہوت گھر پہ گاڑیاں شکر

بیٹھا خلعتاں پادشاہی نواز
کیے سرتے نواب کو سرفراز

دیے شہرت فتح یوں شہر میں
کہ ہوئے قصہ ہر ملگ ہر دہر میں

اس کے بعد نصرتی نے دو شعر اپنے اور اپنی کتاب کے متعلق لکھے ہیں :

منگے جیوں رہنا نام ہر کامگار
زمانے پہ یک نقش ہو یادگار

وہیں "نصرتی" دہر کہ سرتے اُمس
لکھیا فتح[1] نواب نامے کا جس

(ہر کامگار یہ چاہتا ہے کہ اس کا نام دنیا میں یادگار رہے۔ اس خیال سے نصرتی نے ہمت کرکے نواب کی فتح منانے کے لیے یہ نامہ لکھا ہے)۔

آخری شعر دعائیہ ہے اور اسی پر کتاب کا خاتمہ ہے۔

الٰہی زمانے میں جم ٹھانوں ٹھانوں
اچھو مجھ بچن تے یو مرداں کا ناؤں

(الٰہی ! دنیا میں ہمیشہ جگہ جگہ میرے کلام کی بدولت اِن مردوں کا نام زندہ رہے)۔

اس پر بے اختیار آمین کہنے کو جی چاہتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ مثنوی علی نامے کی ٹکر کی نہیں۔ وہاں مغلوں اور شیواجی سے بڑے بڑے معرکے ہوئے ہیں اور ان لڑائیوں کی حیثیت عظیم الشان جنگوں کی ہے۔ اُن کے مقابلے میں یہ ایک چھوٹی سی لڑائی ہے اور فوج بھی کم ہے اور سلطنت کا وہ جاہ و جلال بھی نہیں ہے جو عادل شاہ ثانی کے وقت میں تھا۔ تاہم بڈھے نصرتی نے اس میں بھی اپنا کمال دکھایا ہے اور بعض موقعوں پر وہی رزمیہ شان اور قوتِ کلام پائی جاتی ہے جو علی نامے میں ہے۔

[1] کاتب نے غلطی سے فتح کی جگہ فن لکھ دیا ہے۔

(۴)

قصائد و غزلیات اور کلام پر عام رائے

نصرتی کی تینوں مثنویوں کا ذکر کسی قدر تفصیل سے ہو چکا ہے۔ لیکن علاوہ مثنوی کے قصیدہ گوئی میں بھی اس کا پایہ بہت بلند ہے اور اس صنف میں قدیم اردو کا کوئی شاعر اسے نہیں پہنچتا۔ شوکتِ لفظی علوِ معنا مین اور زورِ بیان، جو قصیدے کی خاص صفات ہیں وہ نصرتی کے قصائد میں بخوبی پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ نصرتی درباری شاعر تھا لیکن اس کی قصیدہ گوئی صرف بادشاہوں کی مدح و ثنا تک محدود نہیں رہی بلکہ اس نے جنگ کے واقعات اور مظاہرِ قدرت کے بیان میں بھی بڑے پر زور قصائد لکھے ہیں۔

اس کے بیشتر قصائد علی نامہ کے ضمن میں آگئے ہیں جہاں وہ کبھی جشن کی تقریب میں، کبھی فتح کی مبارک باد پر اور کبھی مظاہرِ قدرت کے بیان میں موقع موقع سے قصیدہ لکھ گیا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی اس کے بعض قصیدے پائے جاتے ہیں۔ چناں چہ اس کا ایک طولانی قصیدہ جس میں تخمیناً (۱۴۴) اشعار ہیں معراجِ نبوی کے بیان میں ہے۔ اسے نصرتی کے "چرخیات" میں شریک کیا گیا ہے۔ قدیم دکنی میں قصیدے کی ایک قسم "چرخیات" سے موسوم کی گئی ہے۔ یہ وہ قصائد ہیں جن کی تشبیب فلکیات سے متعلق ہوتی ہے چناں چہ اس قسم کے قصائد سلطان قلی قطب شاہ، علی عادل شاہ ثانی اور دوسرے شاعروں نے بھی لکھے ہیں۔ نصرتی نے بھی یہ قصیدہ اسی قسم کی تمہید سے شروع کیا ہے اور معراج کی مناسبت سے سورج کے غروب ہونے اور چاند کے نکلنے اور رات کی کیفیت کو طرح طرح کی تشبیہوں اور استعاروں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ابتدائی شعر یہ ہیں:

تخت پہ جب دن پتی سیج پہ کیتا گون
نس کا سپہ دار تب گرم کری انجمن

صبح کا فراش چک شمع سے روشن کرے
ریگ سے تاریاں کی نت مانخ گگن کا لگن

روزوشب کا مقابلہ اور چاند سورج کا دھاوا طرح طرح سے بیان کرتا ہے اور پھر یوں گریز کی ہے:

نور سوں لس کیا عجیب روز کو روشن کرے
لس کے چندر کوں جگا کیس کی دکھلا کرن

بلکہ جو سرجا خدا نورِ نبی سے دو جگ
تب سوں جمالی جہاں ہین جلالی یوتن

نورِ خدا عین وہ مظہرِ دین رین وہ
ہے شہِ کونین وہ خلق کے جیو کا جیون

سرورِ پیغمبراں مفخرِ نام آوراں
مالکِ پورب پچھم والئ اتر دچھن

طبع کی مجھ شہپری خوش ہوئی پرواز کوں
دہر کے بلند بام کے پانچویں کھن پر گون

اس کے بعد معراج کا ذکر ہے اور خاتمہ پر بادشاہ (محمد عادل شاہ) کی مدح کرتا ہے جس کے چند شعر یہ ہیں:

حمد ہے منعم کرا خلق پہ اس دور کے
ہے جو سمئ رسول خسروِ ملکِ دکن

صاحبِ دین و دول مالکِ ملک و ملل
عالمِ علم و عمل عاملِ نص و سنن

معدنِ جود و سخا منبعِ لطف و عطا
حامئ دیں باوفا ماحئ کفرِ کہن

صاحبِ فضل و ہنر صف شکن بحر و بر
ملجۂ فتح و ظفر ہادئ شمشیر زن

سچ ہے نگ رچہ رہیا تب سوں سلامیت کا
دیکھ جیسے دنگ اتھے دیو دسا سرِ کرن

شو ہوا دنیا کرا شوق سوں بھایا بنی
عدل شجاعت کر، باندھ کے سہرا کنگن

گرچہ کسی مرد کوں ہاتھ نہ دی تھی دلے
شہ نے کنیزک کیا لاکے پرت کی لگن

بھول کے پل پل کوں بل جائے تو کچ شک نہیں
شہ سا نہ دیکھی بنا عمر منیں بیچ سپن

شہ سا سو لچھن نول کون ہے جگ میں کہو
یاد سوں جس اسم کی جاے کدورت محن

راج سوں شہ کے سدا حق تے دعا من پا
جیو سوں منگے ہت پسار دور کے سب مرد وزن

لطف سوں دھریا الاہ شاہ کی شاہی تلک
جگ میں جلک پر اچھے عیش پرت کے پٹن

جام سوں عشرت کے جم بزم یو معمور ہو
چرخ میں دن رین کی گرم ہے جوں انجمن

شہ کی ثنا "نصرتی" نغز نول یوں لکھے
دور کے دفتر اوپر سر اچھے ہر یک بچن

یہ ابتدائی زمانے کا قصیدہ ہے۔ علی نامہ میں جو قصیدے اس نے لکھے ہیں وہ بہت پر زور اور شاندار ہیں۔ قصائد میں عام طور پر اور خاص کر رزمیہ قصیدوں میں بلندئ خیال اور علوِ مضمون کے علاوہ بہت کچھ دارومدار الفاظ کی شان وشوکت پر ہوتا ہے۔ نصرتی نے ہر موقع پر الفاظ کے انتخاب اور برمحل استعمال میں کمال دکھایا ہے جس سے واقعات کے بیان میں بڑی قوت پیدا ہوگئی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دوسرے شعرا کے مقابلے میں اس کی زبان زیادہ مشکل ہوگئی ہے۔

اس کے قصائد میں مبالغہ بھی ہے (اور قصیدوں میں مبالغہ ہوتا ہی ہے) لیکن بے لطف نہیں تشبیہات و استعارات بھی اس نے خوب خوب لکھے ہیں ان میں جدت دکھائی ہے۔

علی نامے میں کل سات قصیدے ہیں اور یہ سب بڑے بڑے ہیں۔ جن میں سے ایک ۲۲۰ شعر کا اور ایک ۱۵۸ شعر کا، ایک ۱۵۰ شعر کا اور ایک ۲۱۸ کا ہے۔ سب سے پہلا قصیدہ قلعۂ پنالا کی فتح پر لکھا ہے جس کا خلاصہ اور چند شعر نمونے کے میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ دوسرا قصیدہ بادشاہ کی فتح اور جوہر صلابت خاں کی شکست کے متعلق ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

علی عادل شہ غازی یو شاہ بوالمظفر کوں
دیا ہے جس خدا ایسا کہ تھا جیسا سکندر کوں

اس میں جوہر کی نمک حرامی اور بادشاہ کی شجاعت، بادشاہ کے ہاتھی، گھوڑے اور تلوار کی تعریف، جنگ کے معرکہ اور کشت و خون کا ذکر شاعرانہ رنگ میں کیا ہے۔

اس فتح کے بعد بادشاہ جب دارالحکومت بیجاپور کی طرف مراجعت کرتا ہے اور فتح کی خوشی میں جو جشن کیا گیا ہے اس پر ایک بڑا قصیدہ لکھا ہے۔ جس کا مطلع یہ ہے:

اے شہ توں ہم نام علی شاہاں پہ تیری سروری
دلدل فلک کا رام تجھ کرتا زمانہ قنبری

چوں کہ یہ زمانہ سردی کا تھا، تو اسی قصیدے کے ضمن میں ایک دوسرا قصیدہ فصلِ زمستاں کی تعریف میں مختلف قافیہ و ردیف اور بحر میں لکھا ہے، جس کا مطلع یہ ہے:

دی ہے زمستاں نوگزی ڈونگا او چا دھندکار آج
سردار ہو باد خزاں ٹھنڈ کا رچیا ہے بہار آج

اس ضمنی قصیدے کے بعد اصل قصیدہ جاری رکھتا ہے جس کا مطلعِ ثانی یہ ہے:

اے نرپتی بھوگی سگھڑ تجھ بھول دنیا استری
پل پل سنوارے تجھ انگے ہر دم دکھانے دل بری

چھٹا قصیدہ مجلسِ عاشورہ کی تعریف میں ہے۔ اس کا مطلع یہ ہے:

کہتا ہوں اول حمد میں عالم کے سرجنہار کا
افلاک کا اونچا چھپا باندیا ہے کس بستار کا

اس میں مجلس کے انعقاد اور شہادت کا کسی قدر ذکر ہے۔ مطلعِ ثانی اور اس کے بعد کے چند شعر میں بادشاہ کی تعریف کرکے والدۂ بادشاہ حاجی بڑے صاحبہ کی مدح اور حسینی محل کی تعریف بڑی شان سے لکھی ہے۔ یہی وہ محل ہے جہاں مجلسِ عاشورہ ہوتی تھی۔ اور اس تعلق سے مجلس کی ترتیب، مرثیہ خوانی اور ماتم کا ذکر کیا ہے۔ نو دن رات تو یہ مجلسیں ہوتی رہیں، دسویں شب کو بادشاہ کے حکم سے شہر میں علم نکالے گئے۔

نو دیس ہور نو رات ادک رونق تو یو چڑتا گیے
دسویں رین میں قتل کی جیوں وقت آیا مارکا
فرمائے شہ تا شہر گشت اپنے شدیاں کا کاڑنے
دھولیو اندھارا نور سوں ظلمات کے رخسار کا

اس شہر گشت کا حال بڑی خوبی سے اور کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ساتواں قصیدہ جو فتح ملنار پر ہے بہت طولانی ہے اور پرشکوہ ہے، اس کا مطلع یہ ہے۔

ہوا ہے کون عالم کے شہاں میں شہ ترے بل کا
سچا تو نانو کاری ہے وصیٔ شاہِ مرسل کا

یہ بڑے شان کا قصیدہ ہے اور یہاں رزم و بزم کے بیان میں نصرتی نے بڑا کمال دکھایا ہے۔ اسے خود بھی اس قصیدے پر ناز ہے۔

سنو یک فتح کا شہ کے قصیدہ بے بدل یاراں
کہ ہر یک مختصر مضمون دھرے معنی مطوّل کا

اگر گلشنِ عشق اور علی نامے کے عنوانات کو یکجا کرلیا جائے تو دو قصیدے وہ ہو جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کا ایک ہجویہ قصیدہ بھی ہے ایک دوسرا علی عادل شاہ کی مدح میں اور ایک اپنے گھوڑے کی مذمت میں ہے۔ غرض اس طرح کل بارہ قصیدے ہوئے جو اب تک دستیاب ہوئے ہیں۔

ان میں صرف دو قصیدے ایسے ہیں جن میں نصرتی نے عام رواج کے مطابق تشبیب لکھی ہے۔ یعنی ایک تو معراج والا قصیدہ اور دوسرا جو علی عادل شاہ کی مدح میں ہے۔ مجلسِ عاشورہ کے

قصیدے میں حمد و نعت اور منقبت کے بعد شہادت کا کسی قدر ذکر ہے۔ باقی مبارک باد کے قصیدے بادشاہ کی مدح سے شروع ہوتے ہیں۔ مبارکبادی کے قصیدوں میں مدح کے علاوہ اس نے زیادہ تر یا تو جنگ کا ذکر کیا ہے یا جشن وغیرہ کی کیفیت دکھائی ہے۔ البتہ مجلسِ عاشورہ کے ذکر میں دوسری چیزوں کے ساتھ علموں کے نکلنے، مرثیہ خوانی، الاوا وغیرہ کا حال بھی درج کیا ہے۔ مثلاً مجلسِ مرثیہ خوانی کی نسبت لکھتا ہے۔

جب شہ اپیں اس بزم کوں ترتیب دے مجلس کریں
ہوے فیض و عام ہر یک دھات ادکہ ایثار کا
شکر پھوٹانیاں کے طبق گویا گگن تارے بھرے
چندرے کا سیاں بھر ہے شربت کیتی پر کھار کا
یوں مرثیہ خواں مست گرزاری ہیں ہر دل کو سٹیں
حیرت سوں نار ہے کس منیں احوال کچھ ہشیار کا
دائم جو بیرے تھے محب جو تخم غم کا دل منیں
انجواں کی خوشیاں سوں ہوا حاصل وو لک انمار کا

اسی کے ساتھ الاوے کا ذکر کرتا ہے۔

تھا عاشقاں کے دل کمن ہر یک علاوہ سوز میں
جیوں آہ ہجوراں اوٹھے ہر ہر شرارہ نار کا
ماتم میں جلتیاں کوں جنم پھونیں علاوہ تس گھڑی
تھالال ماٹے تے بی کم کھنڈلات تیز انگار کا
تس چار دیواری میں بھر لگتے کھنے کھن جب دیوے
تب ہوے ستاریاں کا گگن شرمندہ ہر دیوار کا

اب علموں کا ذکر سنیے :-

نو دیس اور نو رات ادک رونق تو یوں چڑھتا کیے
دسویں رین میں قتل کی جیوں کی وقت آیا مار کا

فرمائے شہ تا شہر گشت اپنے شدیاں کا کاڑنے
دھولیو اندھارا نور سوں ظلمات کے رخسار کا

شہ کے نکلتے کر شدے سب شہر میں ہلبل ہوا
ہر صحن میں یک ہو رہیا عالم بہتر ہور بہار کا

بسلا جو دیویاں کے رتن کو ندن اوجالے کا کیا
ہو جوت لک لکنے لگیا رستہ صفا بازار کا

جمنے میں رونق جا بجا جیوں شاہ کے نکلے شدے
چوندھر اوٹھیا یک ہاک ہو دل پاک و پردار کا

علموں کی آرائش کا بیان اس طرح کرتا ہے:

ہر ہر شدے کے تن اوپر تھی کثرت ایسی نور کی
سورج کوں جس کے سامنے طاقت نہ تھا چکچار کا

سہرے ثوابت سے سہیں ہور کہکشاں سے نو سری
عقدِ ثریا تے ادگ ہر یک ایلاقہ ہار کا

دو دھر فرشتے رحمتی پنکھے کر اپنے پر پھیریں
حوراں کے چک کے ہت چنور تھا طرۂ طرار کا

مجمر کے مہکاراں تے ہوئے دن کا گریباں مشکبو
دامن رین کا عطر سوں ناقہ ہوا تا تار کا

جہاں وہم دوڑے وہاں تلک یوں حسن کی داٹن ہوئی
نہیں بیس سکتی تھی نظر کرسعی لگ بیمار کا

تارے تو اکثر دیس کوں افلاک پر دستے ہیں کم
پن بھوئیں ستاریاں سوں بھرے دیکھا جگت اتبار کا

کیں خوب پتلیاں سوں دسیں جھینڈیاں پریاں کی شہریاں
بد شکل ویتاں سوں کہیں دامن دے کہسار کا

تصویر کی مہینداں پہ یوں دانر دسیں سیتا سوں جیوں
کہتا ہے کچھ لنکا میں جا ہنونت رام اوتار کا

کیں گرڑ پنکھیاں کے بچے سیمرغ کے انڈرے کہیں
کیں تاف ہرر شرزا چیل کیں اژدہائے غار کا

کیں چین کے تختے لول دکھلائیں بندرابن نوی
کیں رست چوبھالیاں کی خوش بسرائے دل دوار کا

اس بیان سے ظاہر ہے کہ آپس کے میل جول سے ہندوؤں کی رسمیں کس قدر اسلامی معاشرت اور تیوہاروں میں اثر کر گئی تھیں گویا محرم میں دسہرے کا رنگ نظر آتا ہے۔

اب میں نصرتی کے کلام میں سے کچھ کچھ اقتباس دیتا ہوں جس سے اس کی قوتِ بیان اور تخیل کی پرواز کا اندازہ ہوگا۔ بادشاہ نے جب سیدی جوہر کی سرکشی کا خاتمہ کر کے بلدۂ بیجاپور کی طرف مراجعت کی ہے تو اس خوشی اور مبارک باد میں نصرتی نے ایک قصیدہ لکھا ہے' اس کے بیان کا زور ذیل کے اشعار میں ملاحظہ ہو۔ سیدی جوہر نے بغاوت کی ہے اور فوج لے کر مقابلہ کو نکلا ہے۔ بادشاہ اس کی سرکوبی کے لیے بذاتِ خود حملہ کرتے ہیں۔ بادشاہ کی شمشیر زنی کی کیفیت یوں بیان کی ہے۔

برسیا کھڑگ کے ابر تے یوں تس پہ پانی قہر کا
خشکی پہ سارے بحر اوبل چوندھر چلے ہو کی تری

(بادشاہ کی تلوار کے ابر سے قہر کا پانی ایسا برسا کہ سارے دریا طغیانی سے اُبل پڑے اور چاروں طرف لہو کا سیلاب موجیں مار رہا تھا)۔

دریا رگت تے جوش کھا لنکا کوں کیتے غرق جب
موجاں تے پایہ سیت کا ڈھل جا ڈوبے رامیسری

(جب خون کے دریا نے جوش کھا کر لنکا کو غرق کیا تو موجوں کے زور سے پل کا پایہ بیٹھ گیا اور رامیشورم ڈوب گیا)۔

کھایا شکست یوں پست ہو اس کل مکھی نے فوج سوں
تاریاں سوں جیوں نس ہوے ہو دیک آفتاب خاوری

(اس روسیاہ نے ذلیل ہوکر اس طرح شکست کھائی جیسے آفتاب عالم تاب کو دیکھتے ہی رات کے تارے ہوا ہو جاتے ہیں)۔

بھاگا دطن میں گرچہ یوں بیگانہ اوس تے جگ ہوا
تس جیو بی تن سٹ جاے بن دیکھیا نہ اپنی بہتری

(اگرچہ وہ وطن کو بھاگ گیا لیکن زمانہ اس سے ایسا بیگانہ ہوگیا کہ بغیر جان دیے اُسے اپنی بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آئی)۔

جب شہ کھڑگ کے آب سوں جیوں آگ فتنے کی بوجا
دارالخلافت کی طرف چلنے کیا عزم آوری

یوں او چتے یکبارگی باجیا دمامہ کوچ کا
جگ کی خوشی کی ہانک تے گوشِ فلک کو کر کری

(جب بادشاہ کی تلوار کی آگ سے فتنے کی آگ بجھ گئی اور دارالخلافہ کی طرف مراجعت کا عزم فرمایا تو یکبارگی کوچ کے نقاروں کے بجنے اور اہلِ زمانہ کی خوشی کے نعروں سے فلک کے کان بہرے ہوگئے)۔

جوں موج شہ کا فوج تس جل تھل اوپر تے یوں چلیا
دریا کی جیوں اوپرال تے چلتا ہے بادِ صرصری

بادشاہ کی فوج خشکی اور تری پر موج کی طرح اس طرح چلی جیسے دریا کے اوپر سے بادِ صرصر گزر جاتی ہے)۔

ویسے میں آ کر ٹھنڈ نے ایسا دکھائی زلزلہ
پیدا ہوئی جس دھاک تے تن میں سورج کے تھرتھری

(ایسے میں ٹھنڈ نے ایک زلزلہ برپا کردیا جس کے ڈر سے سورج کے بدن میں تھرتھری پیدا ہوگئی)۔

اس کے بعد وہ اسی قصیدے میں "فصلِ زمستاں" کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھ جاتا ہے۔
نصرتی کی رزمیہ نگاری کی کیفیت علی نامے کے ذکر میں آچکی ہے۔ اس مثنوی میں اُس نے اپنی

قوتِ بیان، بلندئ تخیل، معلوماتِ زمانہ اور قدرتِ زبان سے یہ ثابت کردیا ہے کہ رزمیہ نگاری میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اب میں اس کی شاعری کے دوسرے پہلوؤں پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

قدرتی مناظر وغیرہ

نصرتی نے اپنی مثنویوں میں جگہ جگہ قدرتی مناظر کا بیان کیا ہے اور ہر مقام پر اس کا اسلوب نیا ہے۔ اکثر وہ ان مناظر کو مواقع اور محل کی مناسبت سے اس طور پر بیان کرتا ہے کہ وہ واقعہ کا جز معلوم ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ بعض مناظر کے اشعار مثنویوں کے بیان کے دوران میں اس سے قبل آچکے ہیں، تاہم یہاں چند مناظر سے کچھ کچھ اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن سے شاعر کی قوتِ مشاہدہ اور تخیل کا اندازہ ہو سکے گا۔

چاندنی کا سماں کیا خوب بیان کیا ہے:

شعر۔ چندر جب گگن کے کہستان تے
حشم لے کے نکلیا بڑی شان تے

(مطلب) چاند جب آسماں کے کوہستان سے
بڑی شان کے ساتھ اپنا حشم لے کر نکلا

شعر۔ گیا کر سورج کوہ مغرب میں جان
لگی مارنے نس شہاباں کے بان

(مطلب) سورج جب کوہِ مغرب کی طرف جانے لگا
تو رات شہابوں کے تیر مارنے لگی

شعر۔ دھواں جوت انگے دب نرالا ہوا
اندھارے پہ غالب اجالا ہوا

(مطلب) دھواں چاند کی روشنی کے آگے غائب ہوگیا
اور اندھیرے پر اجالا غالب آگیا

شعر۔ پڑیا چاند کے مکھ تے پر تو جو صاف
ہوئی آرسی سب زمیں بے خلاف
(مطلب) جب چاند کے چہرے کا عکس پڑا تو
ساری زمین فی الواقعہ آئینہ بن گئی

شعر۔ لگیا لکلکانے زمیں کا طبق
مڑے ہیں اکھنڈ جیوں روپیرے ورق
(مطلب) طبقۂ زمیں جگمگانے لگا اور یہ معلوم ہوتا تھا
کہ گویا روئے زمین پر رو پہلے ورق مڑھ دیے ہیں

شعر۔ سورج دیکھ مغرب میں چندنے کی چھانوں
منگیا دیکھنے پھر پچھیں سٹ کے پانوں
(مطلب) سورج نے مغرب میں چاندنی کا یہ سماں دیکھا
تو اس نے اپنے قدم پیچھے ہٹا کر پھر اسے دیکھنا چاہا

اس آخری شعر میں نصرتی نے مشاہدے اور تخیل کی آمیزش کا کمال دکھایا ہے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے اور یہ اتفاق نادر ہوتا ہے کہ ایک طرف سورج غروب ہورہا ہے اور دوسری طرف چاند طلوع کر رہا ہے اور کچھ دیر کے لیے دونوں ایک ساتھ نظر آتے ہیں۔ کہتا ہے کہ مغرب میں سورج نے جو یہ سماں دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور چلتے چلتے اس نے پلٹ کر پھر اسے دیکھنا چاہا۔ یہاں قدرتی منظر کے مشاہدے میں شاعر نے جو تخیل کی چاشنی دی ہے وہ نہایت پُرلطف ہے۔

ایک جگہ اس نے بہار کا سماں باندھا ہے۔ اگرچہ وہ سعدی کے بہاریہ قصیدے کے سامنے کچھ حقیقت نہیں رکھتا تاہم اس نے استعارے اور تشبیہ سے جس طرح کام لیا ہے وہ کچھ کم قابلِ غور نہیں۔

شعر۔ سورج آ جو بیت الشرف کے منجھار
دیا بھوئیں کوں جب خلعت نو بہار

(مطلب) سورج نے بیت الشرف میں جلوہ افروز ہوکر
زمین کو خلعتِ نو بہار عطا فرمایا

شعر۔ کیا حسن پیدا زمانہ نوا
دھری نوجواں ہو کے خوبی ہوا

(مطلب) زمانہ نے ایک نیا حسن پیدا کیا
اور ہوا نوجوان ہوکر اپنی خوبی دکھانے لگی

شعر۔ دیا آبرو پھولبن کوں ابھال
گلاں سرخ رو ہو رہے بالے بال

(مطلب) ابر نے چمنستان کو آبرو بخشی
اور پھول سر تا پا سرخ رو ہوئے

شعر۔ لیے چھین گل گلعذاراں تے رنگ
لے آیاں کلیاں دل کوں خوباں کے تنگ

(مطلب) پھولوں نے گلعذاروں سے رنگ چھین لیا تھا
اور کلیوں میں معشوقوں کے دلوں کی تنگی آ گئی تھی

شعر۔ بچے سرو کے قد میں سیدھے ہوے
گلاں چاند کے نور دیدے ہوے

(مطلب) سرو کے بچے قد میں سیدھے ہوئے
اور پھول چاند کے نور دیدے بنے ہوئے تھے

شعر۔ ہنسے پھول ہو شوق کی گد کلی
رہی ناز میں مسکاتی کلی

(مطلب) شوق کی گدگدی سے پھول ہنسے پڑتے تھے
اور کلیاں ناز سے مسکرا رہی تھیں

شعر۔ چلی جیوں کہ بڑتی چنبلی کی بیل
گلے ہار ہو لائی چنپے سوں سوں کھیل

(مطلب) چنبلی کی بیل بڑھتی چلی اور دل لگی
میں چنپے کے گلے کا ہار ہوکر لپٹ گئی

شعر۔ جوانی میں سبزے نے آتا چلیا
مدن بان ریحان پاتا چلیا

(مطلب) سبزہ جوانی پر آرہا تھا اور
مدن بان میں خوشبو پیدا ہو رہی تھی

شعر۔ ہر یک گل کے دیدے میں داٹیا مدن
ہر یک شاخ کوں پھل کے نکلے جوبن

(مطلب) ہر پھول کی آنکھ میں مستی بھری ہوئی تھی اور
ہر شاخ میں پھل کا جوبن نکل آیا تھا

شعر۔ ہوا زلف سنبل تے جل بے شکیب
لٹک سرو بارے کوں دیتا فریب
مطلب پانی زلفِ سنبل کے نظارے سے بے قرار تھا
اور سرو اپنے ناز سے ہوا کو فریفتہ کر رہا تھا

شعر۔ بھولانے انکھیاں مار بابل کا من
لیا چک میں لالے نے کالا انجن
(مطلب) اشاروں سے بلبل کا من موہنے کے لیے
لالے نے اپنی آنکھوں میں کالا کاجل لگایا

شعر۔ پنکھی ہر ہر یک گل پہ شیدا دسیا
ہر یک دل میں یک حال پیدا دسیا
(مطلب) ہر پرندہ ایک ایک پھول پر شیدا معلوم ہوتا تھا
اور ہر دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا ہو رہی تھی

فتح ملنار کے قصیدے میں باغ کی کیفیت جو اس نے بیان کی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ حوض کی وسعت اور گہرائی کی نسبت کہتا ہے۔

تیا کچھ حوض ڈونگا ہے فلک جاں تیرنے سکنے

یعنی حوض اس قدر گہرا ہے کہ جس میں افلاک تیر سکتے ہیں۔

جب اس صاف شفاف پانی پر ہوا چلتی ہے تو موجوں کی جو حالت ہوتی ہے اس کی تشبیہ

ملاحظہ کیجیے۔

چلیں باد صبا تے خوش صفا پانی پہ مرجاں یوں
کہ جیوں محبوب کے مکھ پر ڈھلک زلفِ مسلسل کا

اس کے بعد شاعرانہ مبالغہ ہے۔

فلک سقائے خضری ہو پلاوے نیر سو جگ کوں
سورج کے جام سوں بھرتا ہے نت واں مشک بادل کا

(فلک سقائے خضر ہو کر ساری دنیا کو پانی پلاتا ہے اور وہاں بادل کی مشک ہمیشہ سورج کے پیالے سے بھرتا ہے)۔

باغ کے سامنے حوض کی صفائی اور پاکیزگی کی تشبیہہ دیکھیے۔

دس آوے باغ کے آنگے صفائی حوض کی ایسی
سنواری دھن رکھے ہے یوں انگے آئینہ صیقل کا

باغ کے سامنے مصفا حوض ایسا ہے جیسے بنی سنوری معشوق کے سامنے صیقل کیا ہوا آئینہ۔

ذیل کے شعر میں زمین کی سیرابی اور اس سے درخت اگنے کی شان کو کس خوبی سے بتایا ہے۔

اوپر پاتال لگ بھوئیں تے بھریا ہے گنج پانی سوں
تلیں ہر رکھ او ٹھیا ہے یوں سدنگ فوارہ جیوں کل کا

اوپر زمین سے پاتال تک پانی کا خزانہ بھرا ہوا ہے اور نیچے سے ہر درخت اس طرح نکلا ہے جیسے کل کا خوب صورت فوارہ۔

اس مبالغہ کو دیکھیے:

سرایت آب شیریں کو بھنایا بھوئیں کوں یوں رس میں
بڑے پر نیشکر ہوے لگے کر روپ دیونل کا

(آبِ شیریں نے زمین کو رس سے اس طرح سینچا ہے کہ نرسل بڑھ کر نیشکر کا روپ اور مزہ پیدا کرتا ہے)۔

ہر یک پھل ڈال پھولاں سوں گوادے چھب کی نولاسی
جتی پر شاخ میوے کی اُسے دعویٰ سدا پھل کا

ہر پھولوں بھری شاخ کے سامنے حسن کی نزاکت اور نرمی ہیچ ہے اور جو جو میوے سے لدی شاخ ہے اسے سدا پھلنے پھولنے کا دعویٰ ہے۔

بڑے منڈ ریاں منیں تے یوں صبا کی دھوپ سبزے پر
ہری اطلس اوپر گویا لکھے ہیں نقش زر حل کا

پھولوں کے منڈووں میں سے صبح کے وقت کی دھوپ سبزے پر اس طرح پڑتی ہے جیسے ہری اطلس پر حل کیے ہوئے سونے کے نقش ہوں۔

صبا تختیاں کے صفیاں پر لکھی سو لوح پھولاں تے
لیا ہر کالوا جاگا کنارا نیٹ جدول کا

صبا نے چمن کے تختوں صفحوں پر پھولوں سے تحریر کی اور اس کی ہر نہر بمنزلہ جدول کے ہے۔

خمیاں ڈالیاں تے دستے یو کنول پانی سوں چشیاں میں
روپے کی آرتی کے جیوں چمک پر ووٹ آنچل کا

یعنی جھکی ہوئی ڈالیوں کی وجہ سے پانی کے چشموں میں کنول کی یہ صورت ہے جیسے چاندی کی آرتی کے روشن دیوں پر آنچل کی اوٹ ہو)۔

کیا خوب تشبیہ ہے اور کیا پاکیزہ بیان۔

کسی پھل ڈال پر کوئی گل دسے نا بے جواب اکثر
پکڑتی ہے نظارے میں نظر احوال احول کا

کسی ڈالی پر کوئی پھول ایسا نہیں ہے کہ اس کا جواب نہ ہو (یعنی ایک پھول کے جواب میں دوسرا ویسا ہی پھول تھا) جس کے دیکھنے میں نظر احول کی نظر معلوم ہوتی (جو ایک کے دو دیکھتی ہے)۔

ایک دوسرے قصیدے میں باغ کی کیفیت ان اشعار میں بیان کی ہے اور کیسی سچی اور اچھی تعریف کی ہے۔

شعر۔ ہرگز نہ کس یک پھول پر سورج کی لگ سکتی نظر
ہے چتر ایسا سر بسر ہر برگ سایہ دار کا

(مطلب) کسی ایک پھول پر بھی سورج کی نظر نہیں پڑ سکتی
کیوں کہ اس پر برگ سایہ دار کی چھتری لگی ہوئی ہے

شعر۔ بہتے ہیں کالے نیر کے یوں کالوے گلشن منے
جیوں کیس بکھرے جادسے رخ مدمتے دلدار کا

(مطلب) گلشن میں کالے پانی کی نہریں بہتی ہوئی ایسی ہی بھلی
معلوم ہوتی ہیں جیسے مست دلدار کے رخ پر بکھرے ہوے بال

شعر۔ خوشبو سوں پھولاں کے چمن پائی تھی یوں پروردگی
ہر کالوے کا اب ہوے پھل نیر ادک مہکار کا

(مطلب) پھولوں کی خوشبو سے چمن نے ایسی پرورش پائی تھی کہ ہر نہر
کا پانی پھولوں کا عرق بن گیا تھا جس سے سارا چمن مہک رہا تھا

بدلوار کے جنگل اور چشمے کا بیان بھی خوب لکھا ہے اس مقام کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

کہیں رکھ دار چینی کے دھریں سو پوست میں لذت
رکھے سو مغز میں خوشبو کہیں تو بن ہے صندل کا

کیتے رکھ جام و جامن ہور چنبس ہور توت تیندو کے
بھلاواں کیئں ہے کیئں ہڑرا ہے کیئں ما پھل و مینڈل کا

رنگا رنگ کے گلاں خوشبو معطر جگ کر نہارے
دس آوے راے چنپا جہاں کمینڈ پھول پاڑل کا

صفا پانی کے چشمیاں میں سہے یوں چھانوں پر سیامی
سواد انکھیاں کوں جوں دیوے درس چشم مکحل کا

(یعنی صاف شفاف چشموں میں کالی کالی چھاؤں ایسی بھلی معلوم ہوتی تھی جیسے سرمگیں آنکھ کو دیکھ کر آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں)۔

دسیں یک یک کوڑاڑے میں گویاں کئی لاکھ باگاں کی
ہر یک ڈونگر کے دامن وطن کئی گرگ واسول کا

اور اس کے آگے کیا خوب مصرع لکھا ہے:

رین ہور دیس اس جاگہ پہ ہو ہمدرس بیٹھے ہیں

یعنی وہاں جنگل اس قدر گھنا تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ دن اور رات اس جگہ ہمدرس ہو کر بیٹھے ہیں یعنی جیسے ہم درس یا ہم جماعت طالب علم بے تکلف ہوتے ہیں اسی طرح وہاں رات اور دن دونوں بڑی بے تکلفی سے ایک جگہ بیٹھے تھے۔ ایک دوسرے مقام پر اسی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے۔

اندھارا ملیا یوں دسے نور سوں
کہ دن جفت ہے شام دیجور سوں

مبارک باد کے اس قصیدے کے ضمن میں موسم کے لحاظ سے جاڑے کی شدت کے متعلق بھی ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس قصیدے میں اصلیت کم ہے اور شاعرانہ تخیل کا رنگ زیادہ ہے۔ چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

اوبھٹیا ہوا کا فوج یوں شبنم کیاں گولیاں چھانٹنا
ڈر سوں اگن موں چھانپدے دب رہی ہے ٹھار ٹھار آج

(ہوا کی فوج شبنم کے گولے اڑاتی ہوئی نکلی ہے، اس کے ڈر سے آگ ہر جگہ منہ چھپائے دبی پڑی ہے)۔

وو اگ کہ کوی مارے تو دم اُٹھتی تے ہو سب تن زباں
ویسی بی سرکش سر نوا پیلی دسے سدھار آج

(وہ آگ جو ذرا بھی کوئی دم مارتا تو سراسر بھڑک اٹھتی تھی آج ایسی سرکش ہستی بھی سر جھکائے

اور زرد رو نظر آتی ہے)۔

شاعرانہ رنگ میں کیا خوب شعر کہا ہے۔

بیشک وطن اس جگ تے سٹ جاتی اگن ہو بے نشاں
گر دل میں اپنے عاشقاں دیتے نہ اس کو ٹھار آج

(اس میں شبہ نہیں کہ اگر عاشق اسے اپنے دل میں جگہ نہ دیتے تو آگ کبھی کی اس دنیا سے کوچ کر گئی ہوتی)۔

حوض ایک ہوا کا یوں دسے مشرق تے مغرب لگ بھریا
کانپے فلک جیوں بڑ بوڑا بیٹھی تو تس کی لہر آج

(ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مشرق سے مغرب تک ہوا کا ایک حوض بھرا ہوا ہے اور فلک اُس بلبلے کی طرح کانپ رہا تھا جس کی موج نیچے بیٹھ رہی ہو)۔

شبنم جو اُجلا چھاچ سا آشیر سے جل میں پڑیا
ہر بائیں ہوی ہے دھیں ٹھنڈی جم بزبس یکبار آج

(شبنم جو چھاچھ سی سفید ہے دودھ جیسے پانی میں پڑی ہے، جس سے ہر باولی کا پانی جم کر ٹھنڈا دہی ہو گیا ہے)۔

جل تھیج ہر ایک چہ بچہ بلور کی درپن دسے
اے چاند بیگی دیکھ لے تس بیچ اپس دیدار آج

(پانی کے جم جانے سے ہر ایک چو بچہ بلور کا آئینہ ہو گیا ہے۔ اے چاند جلدی سے تو اپنا دیدار اس آئینے میں دیکھ لے)۔

ہر رکھ کوں بارا مارتے پیلے ہوے ہیں پات سب
ہر یک نگر کے باغ جہاں ہے ٹھنڈ سوں بیمار آج

(ٹھنڈی ہوا چلنے سے درخت کے پتے زرد ہو گئے ہیں اور ٹھنڈ کی وجہ سے ہر نگر کے باغ بیمار سے نظر آتے ہیں)۔

نا سرفرازی پا سکے دولت تے ٹھنڈ کی کونپلی
نا بیل اپنی گود تے لنبا کرے ہت بھار آج

(ٹھنڈ کی بدولت کونپلیں ٹھٹر کر رہ گئی ہیں اور بیل اپنی گود سے اپنا ہاتھ باہر نہیں نکال سکتی)۔

گلشن آئینہ اوپر پڑتا چلنا سردی سوں زنگ
ہر خار وخس شبنم سیتی ہوتا ہے جوہردار آج

(گلشن کے آئینے پر تو سردی سے زنگ چڑھتا چلا جاتا ہے لیکن ہر خار وخس شبنم کی بدولت جوہردار بن گیا ہے)۔

لئی ٹھنڈ سوسیا گرچہ میں نہیں سور کی پروا دھریا
کیوں سیکنے بس آیگا اِتنیاں کو یک انگار آج

(اگرچہ میں نے بہت ٹھنڈ کھائی تو بھی سورج کی طرف التفات نہ کیا کیوں کہ ایک انگارا اتنے لوگوں کو کیوں کر کافی ہوگا)۔

اس کے آگے ٹھنڈ کھانے کی وجہ سے حسنِ طلب کا بڑا اچھا موقع مل گیا ہے۔
ایک مقام پر گرمی کی شدّت کا حال لکھتے ہوئے کہتا ہے۔

شعر۔ نہ کہہ سور بل آگ کا بادل اتھا
نہ وو دھوپ یک آتشیں جل اتھا

(مطلب) اُسے سورج نہ کہو وہ آگ کا بادل تھا
وہ دھوپ نہ تھی بلکہ آگ کا بھرا پانی تھا

شعر۔ مگر کھینچ دوزخ کے دریا تے نیر
برستا اتھا جگ پہ جلتاچ تیر

(مطلب) شاید دوزخ کے دریا سے کھولتا ہوا پانی
کھینچ آیا تھا جو مسلسل اس دنیا پر برس رہا تھا

شعر۔ برستی تھی یوں دھوپ جگ پر کڑک
سو کوہ و زمیں رہے تھے چھاتی تڑک

(مطلب) سارے جہاں پر دھوپ یوں کڑک کر برس رہی تھی
کہ پہاڑوں اور زمین کی چھاتی تڑقی جاتی تھی

ایک جگہ چشمے کے پانی کی صفائی کے متعلق لکھتا ہے :

اچھے اچھے پنے تے اٹ صفائی آب کی ایسی
دس آدے تل لگے پر جاسٹیں گر دانہ چاول کا

(پانی اپنی صفائی کی وجہ سے ایسا صاف شفاف تھا کہ اگر اس چشمے میں چاول کا دانہ پھینکیں تو تہ میں پہنچنے کے بعد بھی صاف دکھائی دیتا تھا) ۔

بیانِ واقعہ یا کسی حالت کا سماں

رزمیہ واقعات کے بیان میں نصرتی کو خاص کمال حاصل ہے، وہ فوجوں کی آمد اور جنگ کے زور شور اور ہنگامہ خیزی کو اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کو اردو زبان میں میر انیسؔ سے قبل کوئی نمونہ رزمیہ نظم کا نہیں ملا۔ میر ضمیرؔ نے رزمیہ کی ابتدا کی تھی لیکن وہ بالکل نقشِ اولیں تھا۔ مولانا کو اگر نصرتی کا کلام دیکھنے کا اتفاق ہوتا تو اعتراف کرنا پڑتا کہ میر انیسؔ سے قبل بھی ایک ایسا باکمال شاعر گزرا ہے جس نے مسلسل رزمیہ نظمیں لکھی ہیں اور جو معرکہ آرائی نیز دیگر واقعات کے بیان پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ علی نامہ کے ضمن میں اس کے رزمیہ بیانات نقل ہو چکے ہیں، یہاں صرف یاد تازہ کرنے کے لیے کچھ کچھ اشعار نمونے کے طور پر لکھے جاتے ہیں۔

مثلاً تلوار کے چلنے اور گھمسان لڑائی ہونے کی کیفیت یوں بیان کرتا ہے :

کھنا کھن تے کھڑکاں کے یوں شور اٹھیا
جوں تن میں پہاڑاں کے لرزا چھوٹیا

(تلواروں کی کھنا کھن سے اس قدر شور برپا ہوا کہ پہاڑوں کے جسم میں لرزہ پیدا ہوگیا)۔

بلا نیند میں تھی سو ہشیار ہوئی
اجل خواب غفلت سے بیدار ہوئی

(بلا جو پڑی سو رہی تھی اس شور و غل سے اٹھ بیٹھی اور خواب غفلت سے جاگ اٹھی)۔

سلاحاں میں کھڑکاں جو دھسنے لگے
اگن ہور رگت مل برسنے لگے

(تلواریں جو ہتھیاروں میں دھسنے لگیں تو آگ اور خون کی ملواں بارش ہونے لگی، یعنی تلواروں کی ضرب جو ہتھیاروں پر پڑتی تھی اس سے چنگاریاں نکلتی تھیں اور جو وار آدمیوں پر پڑتا تھا اس سے خون کی ندی بہنے لگتی تھی اور یہی خون اور آگ کی ملواں بارش تھی)۔

ہویاں ہو کیاں چھٹکاں ہوا پر بخار
سٹیں تیغ جیباں تے شعلے ہزار

(لہو کے چھینٹے ہوا پر پہنچ کر بخار بن گئے اور تلواروں کی زبانوں سے ہزاروں شعلے نکلنے لگے)۔

پھر یانس کا کھڑکاں کے چنگیاں تے روپ
ہوا نرم چندنا سو سب گرم دھوپ

(تلواروں کی پے در پے چنگاریوں سے رات کا روپ کچھ اور ہی ہوگیا اور نرم چاندنی گرم دھوپ ہوگئی)۔

ہوا دھکدھکی یک انگارا ہو لال
سگل اوٹ پانی کیا جل ابھال

(ہوا دہک اٹھی اور لال انگارا ہوگئی جس کی حدت سے پانی اونٹ کر بادل کی صورت میں نمودار ہوا)۔

ہوا پر شراریاں کا ات کھیل تھا
اوڑے ہو سو تس آگ پر تیل تھا

(ہوا پر شراروں کا تماشا نظر آتا تھا اور لہو جو اڑ رہا تھا وہ گویا آگ پر تیل کا کام دے

رہا تھا۔)

فرنگاں پہ لہو کے کھلائے دسیں
انیاں پرتے دھاراں پنالے دسیں

(تلواروں پر لہو کے فوارے جاری تھے اور انیوں پر سے خون کی دھاریں پرنالوں کی طرح بہہ رہی تھیں)۔

پون کو سرنگ رنگ پیدا ہوا
شفق ابر پر سب ہویدا ہوا

(ہوا کا رنگ سرخ ہوگیا تھا اور بادل پر تمام شفق چھائی ہوئی تھی)۔

ایک دوسری جگہ لڑائی کے وقت میدانِ جنگ کا نقشہ یوں کھینچتا ہے:

ہوا پل میں پیدا کری بے مثال
اگن کا گگن اور دھویں کا ابھال

(ہوا نے پل بھر میں آگ کا آسمان اور دھوئیں کا عجیب وغریب بادل پیدا کردیا)۔

غنیماں کے بھیجاں کوں کھانے شتاب
خوش آنے لگیا موں میں کھڑگاں کے آب

(دشمنوں کے بھیجے کھانے کے لیے تلواروں کے منھ میں پانی بھر بھر آتا تھا)۔

کماناں رکھیا دل کشاکش ملیں
اوبلنے لگے تیر ترکش ملیں

(کمانوں نے دلوں کو کش مکش میں ڈال رکھا تھا اور تیر ترکش میں سے ابلے پڑتے تھے۔

بھوکیا تیر یوں سخت بھالیاں کا انگ
کہ پھکتا ہے جیوں بادلے کر بھو جنگ

(سخت بھالوں کا جسم یوں پھک رہا تھا جیسے اژدہا ہوا کھاکر پھنکارے مارتا ہے)۔

بھڑکتے ترنگاں ہو آگاں دسے
سواراں بھوکے ان کے باگاں دسے

(بھڑکتے ہوئے گھوڑے آگ بگولا ہو رہے تھے اور بھوکے سوار شیر معلوم ہوتے تھے)۔

نشانی ہے جو مینوں لانے کوں باد
دیوں یوں میراٹے لڑائی کوں تاو

(جس طرح ہوا بارش لانے کی نشانی ہوتی ہے، مرہٹے اسی طرح لڑائی کو گرما رہے تھے)۔

نکلتے ہیں جیوں باگ نخچیر کوں
نکل یوں جھراٹے دوتو دھیر سوں

(جس طرح شیر شکار پر لپکتا ہے اس طرح دونوں طرف سے مرہٹے لڑنے کو نکلے)۔

ایک دوسرے مقام پر لڑائی میں تلوار کے چلنے اور اس کی خوں ریزی کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

شعر۔ جھوما جھوم دو دھرتے آ گر لگی
اگن خوب شمشیر کی ڈھک ڈھکی

(مطلب) دونوں طرف سے دھڑا دھڑ تلوار برسنے لگی
اور تلوار کی آگ خوب دہکنے لگی

شعر۔ یکس یک پہ چیباں جو پڑنے لگیاں
رگت بند کیاں چنگیاں پہ جھڑنے لگیاں

(مطلب) ایک ایک پر اس کی ضرب پڑنے لگی
اور خون کی بوندوں سے چنگاریاں جھڑنے لگیں

شعر۔ رگت ان میں بہنے لگیا یوں سرنگ
پڑے بھوئیں پہ جیوں آگ جلتی کا رنگ

(مطلب) میدانِ جنگ میں بہتا ہوا خون یوں معلوم ہوتا تھا
جیسے زمین پر دہکتی ہوئی آگ

شعر۔ ہر یک لہر چلی لہو کی بھر پور یوں
بھری مانگ میں بھوئیں کی سیندور جوں
(مطلب) خون کی ہر موج ایسی بھرپور تھی گویا
زمین کی مانگ میں سیندور بھرا ہوا تھا

شعر۔ دس آنے لگی ہو زمیں سرخ رو
ہوا لال رن بن جتا ہو بہو
(مطلب) سطحِ زمین سرخ نظر آتی تھی اور جتنا
رن اور بن تھا وہ سب لال ہوگیا۔

شعر۔ پہاڑاں و پربت سرنگ یوں دس آے
کہ جیوں مخملی جھول ہاتیاں پہ بھاے
(مطلب) پہاڑ اور پہاڑیاں ایسی سرخ نظر آتی تھیں
جیسے ہاتھیوں پر سرخ مخمل کی جھول۔

بعض اوقات نصرتی کسی حالت کا سماں صرف ایک شعر میں اس طرح کھینچ دیتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے اس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ مثلاً نواب بہلول خاں کی فوج کا مقابلہ شیواجی کے لشکر سے ہے۔ شیواجی کا لشکر کثیر ہے اور نواب کی فوج قلیل۔ دونوں لڑنے مرنے پر تلے ہوئے ہیں، نہ ان کے پانوں اکھڑتے ہیں نہ یہ جگہ سے ہلتے ہیں۔ اس کیفیت کو اس نے ان دو مصرعوں میں کس خوبی سے بیان کردیا ہے۔

دندی بھوت اچھ دو تو ٹلتے نہ تھے
عجب یو کہ تھوڑے ہو ہلتے نہ تھے

یعنی دشمن (مرہٹے) تو تعداد میں بہت تھے اس لیے ڈٹے کھڑے تھے اور ٹلنے کا نام

نہ لیتے تھے لیکن تعجب ان (بیجاپوریوں) پر ہے کہ باوجود تھوڑے ہونے کے وہ اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہیں کرتے تھے۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس تمام مطلب کو چند لفظوں سے کس خوب صورتی سے ادا کیا ہے۔

دہلی کی فوج کا سپہ سالار جے سنگھ جب ہر طرف سے گھر جاتا ہے اور سخت پریشان ہوتا ہے تو اس پریشانی اور تردد کی صورت کیا خوب کھینچی ہے۔

جو اُس سیس زانو میں مہماں ہوا
نظر کا ٹھکانا گریباں ہوا

یعنی اس کا سر زانوں کا مہمان تھا اور اس کی نظر کا ٹھکانا گریبان تھا۔ اس سے بڑھ کر تردد اور فکر مندی کی صحیح تصویر ہو نہیں سکتی۔ بلاغت اور فصاحت دونوں ختم ہیں۔

ایک جگہ آتش بازی کے بیان میں ہوائیوں کے چھوٹنے کے سمے کو کس خوبی سے ادا کیا ہے:

بندیاں جب ہوایاں نے بجلیاں تے ہوڑ
سٹیاں جب ثریا کے جھوکیاں کوں توڑ
ہوایاں اٹھیاں آگ کیاں ناگنیاں
ہوا پر سو جاکر سینوے جنیاں

یعنی ہوائیوں نے بجلیوں سے شرط باندھ رکھی تھی اور ثریا کے خوشے توڑ کے پھینک دیے تھے۔ یہ ہوائیاں نہ تھیں بلکہ ناگنیں تھیں جو ہوا میں جاکر سینوے جنتی تھیں۔

فراقِ یار میں انسان پر جو بے بسی اور بے قراری کی حالت طاری ہوتی ہے اور اس حالت میں اس سے جو جو حرکتیں صادر ہوتی ہیں اس کا بیان نصرتی نے گلشنِ عشق میں دو تین مقام پر کیا ہے اور بعض اشعار میں ایسی سچی اور پتے کی باتیں لکھ گیا ہے کہ مثنوی میر حسن کا وہ مقام یاد آجاتا ہے جہاں شاعر نے بدر منیر کی اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔ اگرچہ نصرتی کا بیان اس قدر صاف سادہ اور نیچرل نہیں جتنا میر حسن کا ہے لیکن دونوں کے اشعار سامنے رکھ کر پڑھے جائیں تو نصرتی کے کلام کی ضرور داد دینی پڑے گی۔ یہ خیال رہے کہ ان دونوں کے زمانے میں تخمیناً ڈیڑھ سو سال کا

فرق ہے۔ اگرچہ اعادہ ہوتا ہے لیکن چند شعر یہاں نقل کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔
کنور منوہر فراق کی حالت میں یوں گریہ وزاری کرتا ہے:

شعر۔ نہ کس سات کہنا مجھے بات بھاے
نہ کوئی بات بولے تو سن خوش لگ آے

(مطلب) نہ کسی سے بات کرنے کو جی چاہتا ہے
اور نہ کسی کی بات سن کر جی خوش ہوتا ہے

شعر۔ دسے دیس تونت اندھاری مجے
رین کال دوزخ تے بھاری مجے

(مطلب) دن رات سے بھی زیادہ تاریک نظر آتا ہے
اور رات کا وقت دوزخ سے بھی زیادہ بھاری معلوم ہوتا ہے

شعر۔ انکھیاں کھولتا ہوں تو یک تل نہ بھاے
دگر مونچتا ہوں تو یو خوف آے

(مطلب) آنکھیں کھولنا مجھے ایک لحظے کے لیے بھی نہیں بھاتا
اور اگر بند کرتا ہوں تو یہ ڈر ہے کہ

شعر کہ مت پھر پڑے خواب دندی موں سنگ
سٹے پھر کے خرمن میں من کے انگ

(مطلب) کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ دشمنِ جاں پھر خواب
میں آجائے اور پھر میرے دل کے خرمن میں آگ لگائے

شعر۔ پڑیا آہ ماہی نمن مجھ رہنا
گنوانا زباں ہور نہ چک موچنا

(مطلب) مجھے مچھلی کی طرح پڑا رہنا پڑتا ہے
زبان بند اور آنکھیں کھلی ہوئی

اسی طرح مد مالتی کے فراق کا بھی ذکر کرتا ہے اس بیان میں سے صرف چند شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

شعر۔ اوساساں نہ یکچھ مکھ ستی بھاسکوں
نہ چک تے انجو بھار بھی لاسکوں

(مطلب) نہ منہ سے آہ نکال سکتی ہوں اور
نہ آنکھ سے آنسو باہر لاسکتی ہوں

شعر۔ یکٹ نت رہوں غم سوں کر سرنلار
نہ کوئی بانٹ لیوے میرے دل کا بار

(مطلب) تن تنہا ہوں اور غم سے سرنگوں
کوئی ایسا نہیں جو میرے غم کا بوجھ بانٹ لے

شعر۔ زراین اگن تن پہ سارے لگیں
گلاں سیج کے مجھ انگارے لگیں

(مطلب) لباس اور گہنا مجھے بدن پر آگ سا معلوم ہوتا ہے
اور سیج کے پھول انگارے معلوم ہوتے ہیں

شعر۔ ٹلے دن تو ہر کیوں سہیلیاں سنگات
پڑے پن بجر سل ہو سینے پہ رات

(مطلب) دن تو جوں توں سہیلیوں کے ساتھ کٹ جاتا ہے
لیکن رات چھاتی پر پتھر کی سِل ہو جاتی ہے

شعر۔ چندر مجھ اوپر زہر کا ہو ایاغ
دیوے ہر ستارا میرا دل پہ داغ

(مطلب) چاند میرے لیے زہر کا پیالہ ہے
اور ہر ستارہ میرے دل پر داغ دیتا ہے

شعر۔ ادک سوز لگ مجھ تلپنا پڑے
اوسی گھات کے باج تب نا پڑے

(مطلب) سوزشِ دروں سے میں تڑپتی رہتی ہوں
اور اس دکھ بغیر مجھے قرار بھی نہیں

شعر۔ اچھے نس تو دوزخ تے کالی کٹھن
دسے دن تو روزِ قیامت کا دن

(مطلب) رات دوزخ سے بھی زیادہ تاریک اور کٹھن ہے
اور دن قیامت کا دن ہے ۔

شعر۔ میرے سر ٹلیں یوں کٹھن ماہ و سال
خدا بن کہوں کس سوں مجھ دل کا حال

(مطلب) یہ کٹھن زمانہ جس طرح مجھ پر گزرتا ہے
اس کا حال میں خدا کے سوا کس سے کہوں

شعر۔ کہ ناچار اچھے رو ریا کے بدل
سو ہنس کھیل گنا سکیاں میں سگل

(مطلب) ناچار پاسِ خاطر کے لیے میں سہیلیوں میں
ہنس کھیل کے وقت گزار دیتی ہوں

لیکن شعر تو یہ کہا ہے:
جو دیکھوں نجھا تو دسے نین میں
جو بولوں بچن تو بسے بین میں

غور سے دیکھتی ہوں تو آنکھوں میں بسا ہوا نظر آتا ہے اور جو بولتی ہوں تو باتوں میں رچا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

حسنِ بیان، تشبیہ و استعارہ اور مبالغہ

نصرتی حقیقی شاعر ہے، اس نے واقعہ کی تصویر کھینچنے اور نئی تشبیہوں کے پیدا کرنے میں بڑا کمال دکھایا ہے۔ اس کے کلام میں حسنِ بیان کی خوبی بھی اکثر نظر آتی ہے۔ اس قسم کے متعدد اشعار اس سے قبل آ چکے ہیں تاہم بعض شعر وضاحت کی غرض سے یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

دیکھیے سپاہیوں کی جرأت اور دلیری ان کے بشرے سے کس خوبی کے ساتھ دکھائی:۔

ہتھیار ان کے اوسان، سینہ سپر
زمیں پر قدم آسماں پر نظر

زورِ بیان ملاحظہ ہو:۔

چڑیا ہم سوں جھگڑے کے لینے میں باؤ
ترنگاں میں تیزی سواراں میں تاؤ

خوف کی حالت جو فوج پر طاری ہوئی تو اس کی ایک کیفیت یہ بتائی ہے کہ ڈر کے مارے ان کے بدن اتنے دبلے ہو گئے کہ جسم پر سے ہتھیار گر پڑے۔

سلح ڈھل پڑے ڈر سوں پتلے ہو آنگ

شائستہ خاں جب دن کی لڑائی اور کامیابی کے بعد شب کو اپنے محل میں جاتا اور ماہرویوں کی صحبت میں رنگ رلیاں مناتا ہے اور شیواجی دغابازی اور چوری سے اس پر آپڑتا ہے تو اس واقعہ کے بیان کو شب کے منظر سے شروع کرتا ہے اور اس شب کا سماں حالت کی مناسبت سے کیا خوب بیان کرتا ہے :

سورج وہ کہ جس سامنے ہو زبوں
چھپاتے ہیں چوراں بچالی میں موں

اوپر تخت وہ جب گیا گھر منجھار
بیٹھا تب ہو حاکم چندر اس کی ٹھار

گیا عیش میں کر سہیلیاں سوں میل
ہوا راج میں اُس کے چوراں کا کھیل

جنگ کی شدت اور شمشیر زنی کی گہما گہمی میں زمین اور آسمان پر بھی عجیب حالت طاری تھی۔

زمیں ہور فلک ہو کے یک حال میں
لگے ناچنے تیغ کی تال میں

فوج کے کوچ سے جو گرد و غبار اُڑا ہے اس سے چاندنی اور چاند کی کیا صورت بنی ہے، اس حالت کے بیان میں حسنِ بیان اور تشبیہہ دونوں قابلِ داد ہیں

اوڑیا دل کے دھم تے دھولا را بڑا
صفا آپ چندنا ہوا گد گڑا

ہے گرد یوں تن پہ چندر کے پاکھ
لگایا ہے جیوں مُکھ کوں جوگی نے راکھ

رات کی تعریف میں کیا پُرلطف شعر کہا ہے :۔

جو خوش مکھ پہ زلفاں پریشاں کرے
ہریک سیام بادل کو گریاں کرے

نصرتی نے تشبیہات میں بڑی جدت کی ہے اور نادر نادر تشبیہیں نکالی ہیں۔ مثال کے طور پر چند یہاں لکھی جاتی ہیں :

عجب کیا جو بل تجھ کرامت سے پائیں
تو یک ہات میں دو کلنگڑے سمائیں

(یعنی کیا عجب تیری کرامت کی بدولت ایک ہاتھ میں دو تربوز سما جائیں)۔

چلیں باد صبا تے خوش صفا پانی پہ موجاں یوں
کہ جیوں محبوب کے مُکھ پر ڈھلک زلف مسلسل کا

یعنی صاف شفاف پانی پر بادِ صبا کی وجہ سے اس طرح موجیں چل رہی تھیں جیسے محبوب کے چہرے پر زلفِ مسلسل کا ڈھلکنا

موس کی تشبیہ ملاحظہ ہو :

مگر نیم کاسہ فلک کا نکال
رکھیا تھا تھفا بھر کے آبِ زلال

کھڑے پانی پر چاندنی کے پڑنے کی کیفیت کو یوں بیان کرتا ہے۔

چندنا کھڑے پہ بہتی یوں یوں لک لکے
جوں مہرہ پھرنے میں جلا دکھلائے کاغذ آر کا

یعنی جیسے کاغذ پر مہرہ پھرنے سے جلا پیدا ہو جاتی ہے اور وہ چمکنے لگتا ہے یہی حالت پانی کی چاندنی کے پڑنے سے تھی۔

شیواجی کی فوج جب شکست کھا کر پسپا ہوتی ہے تو اس کی زبانی اس حالت کو یوں بیان کیا گیا ہے :

اُڑا اے ہیں فوجاں کو مجہ خس کے ناد
ابھالاں کے ٹکریاں کو جوں تند باد

میری فوج کو خس و خاشاک کی طرح یوں اُڑا دیا ہے جیسے تند ہوا بادلوں کے ٹکڑوں کو اُڑا دیتی ہے۔

کچا توڑنا خار بہتر دسے
کہ چھوڑے تو ہو پختہ خنجر دسے

کانٹے کا کچا ہی توڑ ڈالنا بہتر ہے، چھوڑ دیا تو پختہ ہو کر خنجر ہی بن جائے گا۔

مہراٹے چپل مادیاناں سوار
پریاں جیوں کہ جناں کے راناں تلھار

مرہٹے تیز رفتار گھوڑیوں پر سوار ایسے معلوم ہوتے ہیں گویا پریاں جنات کے رانوں تلے ہیں۔ کیا خوب تشبیہ ہے۔

تلوار کی تیزی اور برش یوں بیان کرتا ہے۔

کھڑگ دل میں گزرے خیالاں تے تیز

ایک دوسری جگہ اسی کو اس طرح لکھتا ہے۔

سٹیا جس پہ پرتو کھڑگ خان کا
کیا جل وجود اس کے اوسان کا

یعنی جس پر خان کی تلوار کا پرتو بھی پڑ گیا تو اس کے اوسان کا وجود جل کے خاک ہو گیا۔

سُہے گرد یوں تن پہ چندر کے پاکھ
لگایا ہے جیوں مکھ کو جوگی نے راکھ

چاند پر گرد پڑنے سے وہ ایسا اچھا معلوم ہوتا تھا جیسے جوگن اپنے منہ پر راکھ مل لیتے

سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔

دسے اشتراں تیر بیٹھے پہ ہور
کہ جیوں ناچنے پر پھولایا ہے مہور

کیا اچھی تشبیہہ ہے۔ یعنی اونٹوں پر اس قدر تیر پڑے تھے کہ وہ بیٹھے ہوئے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے ناچتے وقت مور پَر پھلائے ہوئے۔

ہوا رنڈ جن ٹک کھڑا پانوں گاڑ
دسے کھونٹ جیوں ڈال توڑے سو جھاڑ

یعنی جو میدانِ جنگ میں ذرا ثابت قدم ہو کے کھڑا رہا اس کا سر قلم ہوگیا اور اس کی حالت اس درخت کی سی ہوگئی جس کی ڈال ڈالیاں کاٹ لی جائیں اور رنڈ منڈ رہ جائے۔

ہوا ہر طرف یوں حشم کو شکست
لگے پر دھکا جوں کہ چینٹیاں کی رست

یعنی فوج شکست کھا کر یوں تتر بتر ہوگئی جیسے چیونٹیوں کی قطار دھکا لگنے پر۔
صف سے تیروں کے ایک ساتھ چلنے کی تشبیہہ کیسی صاف اور نیچرل ہے۔

اوڑے کھیت تے جیوں ہزاروں تلیر

جنھوں نے درخت پر سے یا کھیت میں سے تلیر اڑتے دیکھے ہیں وہ اس کی داد دیں گے۔

ٹھنڈا ٹک ہوا یوں مدن مد کا تاؤ
کہ جیوں دود اُبلتے پہ کرنے تھے باؤ

یعنی اس محبوب کا تاؤ یا جوش کسی قدر دھیما ہوا جیسے اُبلتے دودھ کا ابال ہوا دینے سے کم ہو جاتا ہے۔

ہوے تن ہو بے سر رگت یوں رواں
ہنڈا جا پڑے شہد کا مرتباں

بے سر تنوں میں سے خون اس طرح جاری تھا جیسے شہد کا مرتباں الٹ جائے تو اس سے شہد

بہنے لگتا ہے۔

جنگ کے روز کیا کیفیت تھی۔

گگن پر ستارے ہوئے ہال میں
ہدرتا ہے سیماب جوں تھال میں

آسمان پر ستارے اس طرح ہل رہے تھے جیسے تھال میں پارہ ہلتا ہے۔

کماناں پڑیاں ٹٹ کے چلے الوپ
کہ جیوں دھامنیاں بھار لیتیاں میں دھوپ

کمانیں چلوں سے الگ یوں ٹوٹی پڑی تھیں جیسے دھامنیں دھوپ کھانے کے لیے باہر آپڑتی ہیں۔

دوڑا دوڑ میں آگ کھڑگاں تے جھڑ
سپر چر موٹ جیوں بھونے سو پپڑ

یعنی تلواروں سے پے درپے آگ جھڑ رہی تھی جس سے ڈھالوں کی یہ حالت تھی جیسے بھنے پاپڑ۔

سراں ہور انتڑیاں ہویاں چیل پیل
کہے توں کہ پسری کلنگریاں کی بیل

سر اور انتڑیاں یوں بکھری پڑی تھیں جیسے تربوز کی بیل پھیلی پڑی ہو۔ کیا صاف تشبیہ ہے۔

کھڑے تھک ہو رجپوت برچھیاں سنگات
بتیاں موم کیاں جیوں فراشاں کے ہات

راجپوت برچھیاں لیے ہوئے اس طرح مبہوت کھڑے تھے جیسے فراشوں کے ہاتھ میں موم بتیاں۔

دیا مغز سر پھوٹ گرزاں تے یوں
رکھیں پھوڑ ناریل کھوڑے کوں جیوں

گرزوں کی مار سے سر پھوٹ پھوٹ کر مغز نکل آئے جیسے کوئی ناریل کا خول توڑ کر اس کی گری نکال لیتا ہے۔

سراں پھوٹ جیوں خربوزے کے پڑے
دسیں ہو کلنگڑے منڈاسے بڑے

سر پھوٹ پھوٹ کر خربوزوں کی طرح پڑے تھے اور سروں کے بڑے بڑے عمامے تربوز معلوم ہوتے تھے۔

شاعر اس بات کو بیان کرنا چاہتا ہے کہ بھالے اس زور سے پڑ رہے تھے کہ زرہیں کچھ کام نہ دے رہی تھیں، وہ اس خیال کو اس طرح بیان کرتا ہے :

زرہ نا رکھی تن کو بھالے تے جھانپ
کہ انگڑے نہ مکڑی کے جالے تے سانپ

یعنی جس طرح مکڑی کا جالا سانپ کو نہیں روک سکتا اسی طرح زرہیں بھی ڈھالوں کے روکنے میں بیکار تھیں۔

یہ شعر بادشاہ کی تعریف میں ہے۔

جم اس ذات میں خلق و خوبی ہے یوں
اچھے پھول میں رنگ ہور باس جیوں

یعنی اس کے اخلاق اور خوبیاں فطری ہیں یا اس کی ذات میں اس طرح ملی جلی ہیں جیسے پھول میں رنگ و بو۔

مبالغہ بھی شعر کے وصف میں داخل ہے، نصرتی نے اس صنعت میں بھی موقع موقع سے اپنا کمال دکھایا ہے۔ دو چار مثالیں یہاں لکھی جاتی ہیں۔

پہاڑی رستے کی دقتوں کے بیان میں کس دقت پسندی اور مبالغے سے کام لیا ہے۔

کوئی تھا کہستاں کے مکھ پہ گیاٹ
معمے سے موہوم تھی جس پہ باٹ
کہ جس باٹ مشکل کا لینے میں ناؤں
زباں کا پھسلتا ہے جم مکھ میں پاؤں

یعنی رستہ بڑا ٹیڑھا تھا اور بٹیا معمے سے بھی زیادہ موہوم تھی، اس مشکل رستے کا نام لیتے ہوئے زبان کا پانوں مُنھ میں لڑکھڑاتا تھا۔

گرمی کی حدت کو کس خوب صورتی سے ادا کیا ہے۔

لگے جوش کھا سر میں پکنے دماغ
زرہ جل کے دینے لگی تن پہ داغ

گرمی سے دماغ سر میں پکنے لگے اور زرہ اس قدر گرم ہوگئی کہ بدن پر داغ دینے لگی۔

گھوڑے کی چھل بل اور تیز رفتاری دیکھیے :

کیا شہ کا تازی تیز پر ہے ناز کی بازی بھریا
سکتی ہے جس طناز کن پرواز نس دن شہپری
خوش رنگ کس یک پھول کا ہرگز تفاوت ناکرے
گلشن او پر چل جاے تو مانند بادِ صرصری

بادشاہ کا اسپ تازی کس قدر تیز رفتار اور طناز ہے کہ جس سے شہپری ناز و انداز سیکھتی ہے۔ اگر اس کا گزر گلشن میں ہو تو بادِ صرصر کی طرح گزر جاتا ہے اور کیا مجال کہ کسی پھول کا رنگ تک میلا ہو جائے۔

ٹھنڈ کی تعریف میں کیا عجیب مبالغہ کیا ہے۔

بیشک وطن اس جگ تے سٹ جاتی اگن ہوبے نشاں
گر دل میں اپنے عاشقاں دیتے نہ اس کوں ٹھار آج

یعنی گرمی اس دنیا سے کبھی کی رخصت ہو جاتی اگر عاشق اُسے اپنے دل میں جگہ نہ دیتے۔

تیراندازی میں ہاتھ کی صفائی اور کمال کا مبالغہ حد سے گزر کر اغراق تک پہنچ گیا ہے۔

صفائی دیکھو اس صفا دست کی
صفا کاٹ کی ناز کی شست کی
کر موہوم کے تل کو کیتا دو پھانک
تصور کی مچھلی کو ماریا ہے آنک

ذیل کے شعر میں مبالغہ ہے لیکن کس قدر خوب صورت!

اندھارے سوں تارے دسیں دن تمام
کریں بیٹھ نت وہاں رصد بند کام

یعنی اندھیرا اس غضب کا تھا کہ دن میں تارے نظر آتے تھے اور رصد والے وہاں بیٹھ کر ستارہ شماری وغیرہ کا کام کرتے تھے۔

دیگر اصنافِ سخن

نصرتی نے تقریباً ہر صنفِ سخن میں کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ مثنویوں اور قصیدوں کا ذکر ہو چکا ہے، اب دوسری اصناف کا ذکر کیا جاتا ہے۔

غزل ہمیں فارسی سے ملی ہے اور ابتدا سے اردو کے ساتھ ہے اور ہوتے ہوتے اس نے وہ زور پکڑا کہ ایک مدت تک اردو شاعری غزل گوئی کی ہو کے رہ گئی۔ نصرتی نے بھی غزلیں کہی ہیں۔ یہاں میں اس کی ایک مسلسل غزل نقل کرتا ہوں جو خاص لطف رکھتی ہے۔

چندر بدن کہیا تو کہی موں سنبال بول
سورج مکھی کہیا تو کہی یوں نہ گھال بول
دونوں بھی تجھ نکھوں تو سکے تجکوں کیا کہنا
کہی اس بہشتِ حسن کوں جم جگ اوجال بول
بولیاں نشاں ہے عشق کی راوت کا قد ترا
بولی کہ فوج فتنہ اوجانے کی ڈھال بول
بولیا رہنے منگے ترے سس پھول کن ہلال
بولی کہ باولی میں ہے گی تجھ سے نال بول
بولیا کہ تجھ فراق تھے کے عاشقاں خراب
بولی مرے وصل منے کیا تجھ ہے حال بول

بولیا کہ کعبہ دل ہے تو دل توڑنا حرام
بولی بتاں کے ہت تھے ٹوٹے تو حلال بول
بولیا کہ لئی دلوں تھے تری بندگی میں ہوں
بولی کہ تیر یوچ کیتک ماہ و سال بول
بولیا کہ کیا ہے جلوۂ جاں بخش بے دلاں
بولی شکر لباں کے ادھر کا اگال بول
تجھ مد مستی کی چال کہیا میں کہ گج کو سکھ
ہنس کر کہی کہ کوے کوں نکو ہنس کی چال بول
بولیا کہ سرو قد ترا لایا نظر میں دل
بولی کہ خوب اس کوں اجھوں دیکھ بال بول
بولیا کہ دیکھنے میں تجھے طبع تازہ ہوئی
کہی نصرتی تو ویسے ہیں نازک خیال بول

ایک غزل نصرتی نے بعض شاعروں کی ہجو میں بھی لکھی ہے جس کے دو چار شعر یہاں نقل کیے جاتے ہیں۔

نا وزن نا تلازم نا قافیہ ردیف ہے
مہمل بچن سراسر جالوں بحور جوڑا
نا علم میں دخل ہے ناباب کوں (رہیں) بوجتے
جب بلہوس ہو تھرکیں جیوں شہد پر مکوڑا
تازی کی تیز بازی مشہور اس جگت میں
اس کی برابری کوں کیا خر کرے نگوڑا
اے نصرتی کلا کر اب چپ رہنا بھلا ہے
بادل کے گڑگڑے سوں طبل ہوا ہے بوڑا

ایک غزل میں اور نقل کرتا ہوں، جس سے اس کے کلام کی روانی، فصاحت اور عاشقانہ

انداز کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

مغرور بے خبر ہے مد سوں مدن کی بالی
عالم کے جیو لینے لو چن میں ہے سوالی
اس خام سن میں دیکھو کیا پختگی کے فن ہیں
دینے کو وصل کا بل لینے کو جیو اتالی
برہی کے نس ہیں غم سوں جلتا ، موں شمع کنے
دکھلا صبا درس کا اے خاورِ جمالی
مجھ من کرا کبوتر ہے تجھ ہوا میں حیراں
پھر پھر نکو اڑادے پلکاں کی مار تالی
مجھ تجھ میں آ کھڑیا ہے احوال شہ گدا کا
کہتا گٹھا یو سرتے اچھتا اگر ہلالی
سنتے سبب عجب کیا ہو تلخ طبع شیریں
نابات سوں نہیں کم شکر لباں کی گالی
کڑوے بچن ہنسی میں یوں او چھپا لجاوے
کرتے ہیں مکھ مٹھا جیوں دارو پلا کسالی
سو فن ترے نہوسیں مجھ یک ہنر برابر
جیو کھیلنا کبل ہے اے بلہوس خیالی
رندی کے فن ریا کی باتاں ہیں کیوں چھپے کیں
جو ہے سو عکس دل کا دستا ہے جگ میں خالی
سرمست نصرتی سوں چل سی نہ کچھ حریفی
خوبوں کی بزم کا ہے او رند لا اُبالی

نصرتی کی غزل میں معشوق عورت ہے اس کی غزلوں اور رباعیات وغیرہ میں علاوہ الفاظ کے ہندی کلام کا اثر پایا جاتا ہے۔

نصرتی نے رباعیاں بھی بہت سی کہی ہیں۔ چند یہاں لکھی جاتی ہیں :

(۱)

اے اسم تراسب میں مجے وافی ہے
ہر درد کوں اِس دل کے وہی شافی ہے
غیرت ہے مرے جیو کوں ترے غیر کی آس
یک توں چ دو عالم میں مجے کافی ہے

---

(۲)

بدگوئی کے مجھ حق میں بچن چل سیں نا
ڈونگر تو کدھیں پھونکے تھے ٹل سیں نا
پھرتی ہے دو تن بیو کی چپ روتی دیکھ
ہرگز تو تتے پانی سوں گھر جل سیں نا

---

(۳)

دنیا کے سواداں ستی مکھ موڑ سٹو
سب اس کے تعلق ستی دل توڑ سٹو
بھوتوں کے یو باٹ ہے فلک کا پرکار
شوکت کی ہنڈی گھر پہ لیجا پھوڑ سٹو
(ہندی کی مشہور مثل ہے " ساجھے کی ہنڈیا چوراہے میں پھوٹے)

---

(۴)

تجھ عشق کے دریا منیں جن تیر گیا ہے
وہ گوہر مقصود گماں کر سو لیا ہے
گوشے میں نشست ہو کے توں گر چلہ کیے
تب نامی ( ) نشاں اس کو یو مطلب گو سیا ہے

---

(۵)

کر قصد تو چپ کُنج نشیں ہونے میں
روٹی پیچھے مت لگ توں جنم کھونے میں
مشہور ہے اپناچ جہاں باٹن ہار
بسرے نہ وو بیٹھے تو بی چھپ کونے میں

---

(۶)

یو پے کے ہیں پھل ترے اے نار سرس
یا پھپ کمودھن پہ بھنور بیٹھا دھس
نیں نیں یو ترے کام کی ہے بست تسے
سرپوش کنچن کے اوسے نیلم کے کلس

---

(۷)

ناداں سوں نصیحت کے بچن بول نکو
پانے منے کھاری توں شکر گھول نکو
کیا قدر گہُر کی بوجھے بد گوہر
دھنگر کے انگے مانک کا کھو مول نکو

---

(۸)

تعجب ہے کہ نصرتی نے بیجاپوری اور دکنی ہوکر اہلِ دکن کی بے وفائی کی شکایت کی ہے۔ وہ رباعی یہ ہے :

یاراں دکن کس سوں وفای نہ کریں
ہوئیں تو بلند بخت بھلائی نہ کریں
خوبی تو ہیں ان کی کیا قطع نظر
اپکار ہے گر پھر کو برائی نہ کریں

---

(۹)

اغیار پنے کی ہے اے شوخ چنچل تجھ گت
ظاہر تو وفا دستا باطن میں دغا کی بست
سررشتہ محبت کا ریشم کی نمن اچھنا
صورت میں نرم نازک سیرت میں قوی دست

علی عادل شاہ ثانی (تخلص شاہی) کی ایک غزل ہے جس کا مطلع یہ ہے :

تج گال پر تکہ کا نشاں دستا ہے مجھ اس دھات کا
روشن شفق میں جگمگے جیوں چاند پہلی رات کا

نصرتی نے مخمس کی صورت میں اس غزل کی تضمین کی ہے، اس کے چند بند لکھے جاتے ہیں:

دیکھیا سو رترے تجھ نین برقاں سٹیاں اوساں سب
کرتیں بچن یوں گن بھرے طوطیاں نے بسرے گیان سب
کافور سے عارض تھے تجھ پھولاں دسے حیران سب
تج زلف مشکیں دیکھ کر ساپاں تجے ان پان سب
تج لب کری لالی انکھیں لالاں سٹے سدھ گات کا

نظراں سوں کوندے جیو کے آصحراکوں یوں چوندھیر سوں
بیس اس میں جب مشغول ہوے جیونکہ ہوس نخچیر سوں
کیا کام کیتے ناز کے دیکھلا سکت تدبیر سوں
ابرو کماناں کھینچ کو مارے پلک کے تیر سوں
زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تجھ ہات کا

کسوت مکلل جب بنا ہو آفتاب آتی ہے توں
دیکھے پہ جی بھولیا ہے سدسمجھے نہ دن ہو رات کوں
بولیا وہی خوشحال ہو پھر سد میں آدیکھیا سو موں
مکھڑا سکی کا عید سا دستا اچنبک نور سوں
تس کیس پر زر کا انچل جھلکات ہے شبرات کا

عالم تھے بے پروا ہے او جس دل کوں توں پیاری لگے
خوبی ہے سب دنیا کی وہاں تجھ جیو کی جاں یاری لگے
تجھ لب کوں پیوے سو اسے امرت تھے بیزاری لگے
تیرے بچن شیریں اگے یں شکر دیکھو کھاری لگے
مکھ میں او چا کاڑی لیا ڈر کر ہیانا بات کا

مشکل پرت کا کھل مند جب توں سبب سازی کرے
چکچک حریف اپنا علی عادل شہ غازی کرے
آخر عراقیوں پر دمار اپنا سرافرازی کرے
بدبل پرت کا ماند کر "شاہی" سوں جب بازی کرے
لیتی بھولا من کا ترنگ رخ لیا رکھے شہ مات کا
اے نصرتی جب توں منگے لکھنے مخمس بے بدل
تو قافیاں ہیں لیا بندھیا استاد عالم کی غزل
الحق بنایا توں پدک نکہ تمنیں حوراں سے نول
زینت ہے دنیا میں رہنا سب عارفاں کے جیو کی کل
معنے بجھائے قدر وہ جو ہوے دھنی خوش بات کا

اس کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہم عصروں نے جیسا کہ قاعدہ ہے اس کے کلام پر نکتہ چینی کی ہے جس سے برافروختہ ہو کر وہ کہیں کہیں اپنی تصانیف میں ان نکتہ چینیوں کا جواب دیتا ہے، چنانچہ گلشنِ عشق کے آخری باب میں لکھتا ہے۔

کریں بے سمجھ یا جو حاسد اوداس
تو دونوں ہی معذور ہیں میرے پاس
سرس شعر ادیکھ کوں کاں خوش لگائے
کہ الوانِ نعمت دوکھی کوں نہ بھائے

اسی طرح علی نامہ کے آخر میں کہتا ہے،

یک یک فن میں کئی سحر کے کر کے چھند
خبیثاں کی جیباں کوں کیتا ہوں بند
ادیکھے جو یاجوج ہوئیں لاکھ لاکھ
کہ ہوں میں جہاں وہاں نسکسیں وو ٹاک

حقیقت میں جو ہوئیں کوتہ نظر
زباں پر رکھیں عیب سٹ سب ہنر

یہ اشعار تو خیر معمولی ہیں جو شاعر اکثر حاسدوں کے متعلق لکھ جاتے ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخالفین نے اس کی زبان اور کلام کے متعلق بہت کچھ زہر اگلا تھا جس پر جل کر اس نے ایک ہجویہ قصیدہ لکھا جسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں ۔ بعض شعر جو فحش ہیں خارج کر دیے گئے ہیں :

سخن ور شعر کہنے تے رہنا چپ آج بہتر ہے
جماعت ہرزہ گویاں کی کہ ہر کوچے میں گھر گھر ہے
سخن ور کا سخن کچھ ہور بچن کچھ ہرزہ گویاں کے
مقولہ خام طفلاں کا نہ کہیں مرداں برابر ہے
ہنر یو آہنارا نہیں کدھیں جہل کوں بن جھلتے
ہنر مند انچہ سوں دایم عداوت دل کی سر بر ہے
کہوانا مکھ سوں شاعر کچھ ہے فن سوں شعر کہنا کچھ
کرے راواں حجابت کیا گر یک پتنگ تس از بر ہے
ہمن سوں جول رکھتے آ ہمن جیسا چہ کوی اچھا
نہ رکھو سی باز کے بازو گرہ اشتر مرغ کوں پر ہے
جن اپنی خوب صورت پر ہنر میں ناز دیکھلاوے
اُنے مکھ موں بھرایا تو وو گوز خر تے کمتر ہے
کہنا نا نازنیں صورت زنانہ شعر یو ہر گز
کہ مشکل ہوے خنثے کوں سمجھنا مادہ یا نر ہے
مصفا ہور موزوں چپ کہنے تے شعر ہوتا نہیں
ہوا کیا پھاچھ دود اجلا وے لذت میں ابتر ہے

جو لذت دل نے سمجھی سو کہنے نہیں بات سوں آتی
بزرگی دل کی اس جاگہ زباں میں کاں میسر ہے
نہ آوے علم پڑنے تھے غبی کو کچھ ہنرمندی
سیکے کاں دوڑ تازی کی جو کم ذات اصل میں خر ہے
عروضیاں پڑکے کرنا کیا، اچھے تو طبع ناموزوں
کہ بینگی سطر لکھنے کن نگامی نیٹ مسطر ہے
طبیعت حق نے بخشی پن سخن کوں قدر نہیں ذرہ
ہووے بن آسمانی فیض کہیں پتھرا بھی جوہر ہے
منافق کی روش کچھ کم نہیں سندھے کی بوری ہے
اُپر ہموار ہور بتھراں سب کاٹیاں کیرا تھر ہے
مجے دو موں کے لوکاں سوں بڑا ڈر بات کرنے کا
پیچھیں تھے جے کہے سوا و جواب اسکوں نہ اکثر ہے
مثال ایک شعر میں اپنے شعوری خوب بولیا ہے
کہ جس کی ات ہنرمندی مرے کن نت مقرر ہے
عجب کیا شعر اد یکھے کے کروں کہیں پر درست آخر
جو بسرے باٹ اسکندر تو گھوڑی اس کوں رہبر ہے
حسد کے دردمنداں تیئں مٹھا نا مکھ کوں لگسی ہو
لگے جیوں زہر امرت سا سخن گر روح پرور ہے
بھرا ہے خبث تھے سارا غباراں ان کے بتیاں میں
چنکل ملک داب پکڑے تو ہزار یکدم میں ٹرٹر ہے
دیکھاویں مولویت وہاں کہ جاں کوئی نہیں ہے مجلس میں
کتیاں کا راج اس جاگا جہاں خالی جو کوئی گھر ہے

- -

اگر خوش شعر پڑکر بے سمجھ ہٹلے تو کچھ غم نہیں
کہ شعر اتنا چہ سمجے ان اپیں جتنا سخنور ہے
نظر میں کوہ طبعاں کے گلستاں عین خارستاں
ہنر ہاریک ہیں آنکھیں ہر یک گاڑی بھی ڈونگر ہے
گلاں رنگیں نظر پر تھے رہے ہو داغ چھاتی میں
دسے تو خار دیکھادا وہی آنکھاں کا ان کی انسر ہے
جو صاحب طبع ہیں ان کوں بھی سب وقت اختیاری نہیں
کہ ہو الہام تب اتنا کہ جس بن جے مقدر ہے
کرم کر حق تعالیٰ یوں دیا اس فن کی دولت مجھ
میری نوبت کے طبلاں سن دندی بدمغزت کر ہے
میرا استاد عالم اور مربی ہے کہ اس شہ کوں
پچھانے پیر کر اپنا کہ جس فن کا کھیشر ہے
علی عادل شہ غازی جو ہے صاحب خرد ایسا
کہ ہر مشکل ہنر جس کی غلامی کا چ منہر ہے
غزا کا فیض مجھ حق میں عطا ہو شہ چہ سمجے پر
ہنر سب بخشنے کے تیں سبب وے بندہ پرور ہے
نوی یں طرز پیدا کر کہیا ہر بھانت شعر ایسا
سخن نو سکھ کا منزل کوں اپڑنے نت یو رہبر ہے
دکھن کے شاعراں کی میں روش پر شعر بولیا نہیں
ہوا کیا سب گزر گئے تو دیکھو حاضر دو دفتر ہے
خدا بخشی کوں طبعاں کی پرس ہے مجھ سخن الحق
لگے یو جس پتھر دل کوں وہ پھر دیکھے تلک زد ہے

مرا شعر اہل کو .... مشقت غیر ہوے جانو
دلے کم ذات کے ہت میں سخن پڑنے تھے یوں ڈر ہے
طبیعت جس سخن تھے پا جو ہوے پھر عیب چیں تس کا
ہوا جیوں باپ سوں منکر حرامی نسل اکثر ہے
بجز صاحب نظر ہرگز ہنر کی قدر کن بوجی
دیے تو بات اندھلے کے برابر سنگ و جوہر ہے
قرینہ ہر سخن د ، کا ہنر منداں سمجھتے ہیں
اچھے جاں موج زن دریا تو کس گفتی میں وہاں لر ہے
غزا کا تیغ ہے الحق اگرچہ مجھ سخن لیکن
سور جب اٹھ اپیں دوڑے تو لازم وار اس پر ہے
زباں گرداں لے رہنا اپنا اے نصرتی بہتر
کہ کرنا ہجو لایق نہیں نہ حاسد تجھ پر ابتر ہے
الٰہی جب تلک لعنت اچھے ابلیس پر تب لگ
سیہ رو آچھیو جگ میں کہ جے حاسد بد اختر ہے

اس ہجویہ قصیدے میں ایک بات قابلِ غور ہے، اس نے یہ فخریہ بیان کیا ہے کہ میں نے دکھنی شاعروں کی روش پر شعر نہیں کہے اور جسے باور نہ ہو وہ میرے کلام کو ان کے کلام سے مقابلہ کرکے دیکھ لے۔

دکھن کے شاعراں کی میں روش پر شعر بولیا نہیں
ہوا کیا سب گزر گئے تو دیکھو حاضر وو دفتر ہے

حالاں کہ خود اس نے بار بار اس کا اعتراف کیا ہے کہ میں نے دکھنی شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے۔ یہاں غالباً اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جو شاعر گزرے ہیں ان کی تقلید نہیں کی بلکہ فارسی شعرا کے رنگ میں لکھا ہے۔ اس کی زبان بھی ٹھیٹ دکھنی ہے لیکن دوسرے شعرا کے مقابل میں مشکل ہے اس لیے کہ اس نے رزم و بزم کے دونوں میدانوں میں یکہ تازی

کی ہے جس میں مختلف قسم کے حالات اور واقعات طرح طرح کے مناظر اور جذبات کی کیفیت بیان کرنی پڑی اور موقع اور محل کی خصوصیت سے بعض اوقات انوکھے اور غیر مانوس الفاظ اور محاورے استعمال کرنے پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے معاصرین نے اس کی زبان پر حرف گیری کی ہے جس کا اظہار خود اس نے اپنے کلام میں کیا ہے۔

حقیقت میں جو ہوئیں کوتہ نظر
زباں پر رکھیں عیب سٹ سب ہنر

شفیق کو بھی اس کی زبان کے متعلق شکایت ہے چناں چہ وہ اپنے تذکرے میں لکھتا ہے:
" اگرچہ الفاظش بطور دکھنیاں بر زباں گراں می آید"۔ شفیق کی شکایت تو خیر ایک حد تک بجا ہے کہ وہ اورنگ آبادی ہے لیکن نصرتی کے معاصرین کی شکایت کسی قدر حیرت انگیز ہے۔

نصرتی خود اپنے کلام کی قدر سمجھتا تھا اور اسے اس بات پر بجا فخر تھا کہ اس نے دکھنی زبان کو سنوارا ہے اور اس میں نیا رنگ پیدا کیا ہے اور وہ چیزیں لکھی ہیں جو اس سے پہلے ناپید تھیں۔ دکھنی ایک بے مایہ اور بے حقیقت زبان تھی اس نے اس میں جان ڈالی اور اسے سزاوارِ تحسین بنایا۔

گھڑیاں ہوں سلامت سوں یک یک بچن
مضامین کی حد میں اوٹیا سخن

لگیا ہوں کے نگ طبیعت سوں اوت
دیا خوب سورج کے مہرے سوں جوت

اول کے اگر لوگ برنا و پیر
کئے تھے کہ ہے شعر دکھنی حقیر

حقیقت میں ان کی طرف حق اتھا
کہ تب شعر بے مایہ مطلق اتھا

سزاوارِ تحسیں ہے یو شعر آج
نہ کوئی رکھ سکے بات حاسد کے باج

اس کے بعد وہ کہتا ہے کہ ہندی میں فارسی کی سی فصاحت اور حسن نہ تھا لیکن ہندی میں بھی بعض خوبیاں ایسی ہیں جو فارسی میں نہیں۔ میں نے دونوں کی خوبیوں کو دھیان میں رکھا اور ہندی شعر کو فارسی کا ہمسر بنادیا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ بجا ہے' اس کے کلام پر جس قدر فارسی کا اثر ہے اسی قدر ہندی کا بھی ہے۔ اس نے دونوں رنگ سموکر اپنے کلام میں نئی شان پیدا کی ہے۔

مری ہر بچن ہے معانی کی موٹ
رکھیا ہوں سو ڈونگر کوں گاڑی کی اوٹ

ٹک آیا ہوں جاں سحر کے کام میں
رکھیا بھر سمندر کوں یک جام میں

ہنر کا ملا موپ لئی مایہ دار
عمارت اوچایا ہوں خوش پایہ دار

معانی کی صورت کی ہے آرسی
دکھن کا کیا شعر جوں فارسی

فصاحت ہیں گر فارسی خوش کلام
دھرے فخر ہندی بچن پر مدام

دگر شعر ہندی کے بعضے ہنر
نہ سکتے ہیں لیا فارسی میں سنور

میں اس دو ہنر کے خلاصے کوں پا
کیا شعر تازہ دوتوں فن ملا

(یعنی اگرچہ فارسی کو فصاحت میں ہندی پر فخر حاصل ہے لیکن بعض خوبیاں ہندی میں بھی ایسی ہیں جو فارسی میں نہیں پائی جاتیں۔ سو میں نے دونوں کی خوبیوں کو ملا کر ایک نئی شان پیدا کی ہے)۔

اس کے بعد حاسد پر پھر چوٹ کرتا ہے کہ اُس کا حسد سے یہ کہنا کہ یہ تو دکھنی کتاب ہے کوئی معقول بات نہیں۔ خریدار کو اچھے سودے سے کام ہے نہ کہ دوکان کے در و دیوار سے۔

ادکھیا ادک ہو حسد سوں کباب
کہے بول اتنا کہ دکھنی کتاب

سمجدار کوں خوب سودے سوں کام
نہ دوکان کا دیکھنا سقف و بام

اسی طرح وہ اپنی دوسری مثنوی (علی نامہ) کے بارے میں کہتا ہے:

عجب فن کی بولیاں ہوں یہ مثنوی
کہ کئی بھانت ہے اس ہنر میں نوی

سنواریا ہوں کئی بزم کی انجمن
کھلایا ہوں خوش رزم کے پھولبن

بھریا ہوں ہنر سوں سراسر کتاب
دکھیا ہوں نزاکت سوں سب بھر کتاب

آگے چل کر پھر اس امر کا اظہار کیا ہے کہ میں نے ہندی اور فارسی دونوں کی خوبیوں کا ست نکال لیا ہے۔

میری بات میں لاف نیں بے خلاف
کہ نادان کا ہے ہنر عین لاف

کہ یو شعر میں آج اس دھات سات
کہیا ہوں بڑے دبدبے کے سنگات

کیا میں تو قطع نظر لاف سوں
دلے داد ہے اہلِ انصاف سوں

کہ کیوں میں پکڑ آج بھانت آگ نوی
زبوں بات کوں کر دکھایا قوی

اگر کری معنی کوں کر وارسی
پڑے رزمیہ ہندی و فارسی

اگر او ہے کامل سبج کا دھنی
تو اس یک سوں ہوے دو ہنر کا غنی

کہ دونوں کی خوبی مجھ انکھیاں میں آن
خلاصہ نگایا ہوں خوش مایہ جہان

آخر میں فخر کے ساتھ اپنے کلام پر نظر ڈالتا ہے اور اپنی رزم و بزم پیش کر کے نکتہ چین کو چنوتی دیتا ہے۔

کیا ہوں کو بل کتی سو دہ چلکے پنت
کیا ہوں قصائد نول ان گنت

دیکھو بات مجھ عشق میں بے جواب
کہ ہے گلشن عشق حاضر کتاب

جو ہوتے ہیں معشوق و عاشق میں کام
کیا ہوں دو سب نازکیاں سوں تمام

دیکھیں رزمیہ گر کہنے کا ہنر
پڑیں شعر یو ہے سخن مختصر

نہ ہے مجھ میں اور ہر مدعی میں سخن
نہ ویسا ہوں میں وو بی نہیں مجھ نمن

ادک تیز تازی تھے میرا خیال
ٹھکانے میں جس کی فلک پر ہے جھال

قلم ہے مرا مست ہاتھی تے چڑ
جدر رخ کیا فتح کیتا رگڑ

نشان آج مجھ طرز ہے بے مثال
صفاں میں سخن کے ہتی پر کی ڈھال

بعض صاحبوں کا یہ اعتراض ہے کہ نصرتی یا اس سے قبل اور بعد کے بعض شعرا کے کلام کو قدیم اردو کہنا زبردستی کی بات ہے۔ انھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زندہ زبان ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہے اور یہی اس کی زندگی کی علامت ہے۔ وہ مردہ زبان ہے جو صحیفوں اور کاغذوں کے قفلوں میں بند ویسی کی ویسی ہی رہتی ہے۔ اگر اُن صاحبوں کے معیار پر اساتذہ کے کلام کو جانچا جائے تو ولیؔ اور ایک مدت کے بعد میرؔ وغیرہ کے کلام کو بھی اردو سے خارج کرنا پڑے گا۔ میں نصرتی کے چند صاف صاف شعر پیش کرتا ہوں اور ان حضرات سے پوچھتا ہوں کہ یہ اردو نہیں تو اور کیا ہے۔

نہ موجود ہونے کے مختار تھے
نہ اس زندگی کے ہوسدار تھے

کروں شکر منعم کا لاریب میں
کہ پایا ہوں یو گنج از غیب میں

جنے جگ میں یوں راست بازی رکھی
خدا تس کی تیوں سرفرازی رکھی

طمع اہلِ عزت کو کرتی ہے خوار
کرے جگ منے قول بے اعتبار

ترا ذہن نرمل تری طبع صاف
سخن سنج باریک بیں موشگاف

سزاوار تجھ عشق کا تاج ہے
روا تجھ کو عشاق پر راج ہے

علامت قیامت کا پیدا ہوا
کہ دجال گویا ہویدا ہوا
پھریا سب کا ایمان یکبار گی
لگے کرنے آپ اپنی آوارگی

دھنی تو پنچ ہے مسجد و دیر کا
تہیں ہے سبب صلح ہور خیر کا
اگر دینِ حق کے نہ قابل اہیں
ولے تیری وحدت کے قائل اہیں

خدا پاس مقبول تیری دعا
توکل ترا حاصلِ مدعا
ترے ہاتھ میں دین و دنیا کا بل
خدا تجکوں دیتا ہے علم و عمل

فرہنگ

ا

الفاظ	معنی
ابرہن	لباس، پیرہن
ابھال	بادل
اپجانہہ	پیدا کرنے والا
اپروپ	نادر
اپکار	احسان
اپنگ	نادر (اپروپ)
ات	بہت
انبار	کثرت
اٹک پڑنا	گر پڑنا
اجھوں	ابھی تک
اچالنا	اچھالنا، برپا کرنا
اچنبک	عجیب
اچھنا	رہنا، ہونا
ادٹ	ممتاز

الفاظ	معنی
ادک	بہت، نہایت
ادھر	لب، ہونٹ
ارت	ارتھ، معنی
اکھنڈ	سالم، پورا
اگیٹی	انگیٹھی
النگاں	فصیل، دیواریں (النگ = دیوار)
امس	ہمت، حوصلہ
امولک	انمول، بیش بہا
ان	غذا
انت	انتہا
انجو	آنسو (جمع انجواں)
اندلا	اندھا
انڈرا	انڈا

الفاظ	معنی
انگڑنا (انگڑنا)	رکنا
انگار آنا	حرارت پیدا ہونا غیرت آنا
انگڑنا	رکنا
انوپ	عمدہ، اعلیٰ
اوبالاں	جوش، حرارت (واحد ابال)
اوبرنا	باقی رہنا، بچنا
اوپٹنا	بڑھنا (اوپٹیا = بڑھا)
اوپرال	محافظ، حفاظت کرنے والا
اوٹ جا	اونٹ کر
اوٹھیاں	اٹھے
اودھوتنیاں	بہادر
اوساساں	آہیں
اوکلتی	بے چین
اوگن پڑنا	بری طرح پڑنا (پڑیا = بڑی طرح پڑا)
ایلاقہ	علاقہ؛ ہاروں میں جو جا بجا موتیوں یا پھولوں کی ایک لڑی سی لگا دیتے ہیں۔

ب

الفاظ	معنی
باٹ سارو	مسافر
باج	بغیر
بار	بھرپور
بارا	ہوا
بالکیاں	لڑکیاں
بالی	لڑکی
بان	تیر
بانچ	بچ (بانچنا = بچنا)
بجرسل	پتھر کی سل، پہاڑ
بچالی	گھاس؛ وہ گھاس جو گھوڑے کے تھان میں بچھائی جاتی ہے۔
بُد	عقل
بدبل	عقل کی قوت
بدل	بادل
بڈنا	بڑھنا

الفاظ	معنی
برد	کمال، ہتھیار
بڑبڑا	حباب، بلبلا
بڑبوڑے	بلبلے
بس آنا	پورا پڑنا، کافی ہونا
بستار	وسعت، فراخی
بسلا	بٹھا (بسلانا۔ بٹھانا)
بکس	پھوک
بل	زور
بل	بلکہ
بلہوس	بوالہوس
بلی	بہادر
بنچانا	بچانا
بندیاں	باندھ دیا (باندھے)
بنک	پہرے والا
بوجک	بوجھنے والا، پرکھنے والا
بوڑا	بہرا
بونٹ	انگلی کی پور
بوڑی	نیزے کی ڈنڈی

الفاظ	معنے
بھار	قوی
بھائے کر	بھائے دار، بھائے بردار
بھانڈے	دال وغیرہ کے برتن جو غنیم پر پھینکے جاتے ہیں۔
بھٹی	بھٹی۔ مجازاً بدن
بھدروت	آغاز شباب
بھنوریاں	بھنور
بھوئیں	زمیں
بھیر و برغم	نقارے
بی	بھی
بیتاں	بیت (جمع)
بےخلاف	بلاشبہ
بے درنگ	بے دھڑک، بے تامل، بےتکلف
بیری	دشمن
بیسنا	بیٹھنا
بیگدی	جلدی سے
بین	بیان

پ

الفاظ	معنی
پاچ	زمرد، ہیرا
پاکھ	چاندنی کے ایام، چاندنی راتیں

الفاظ	معنے
پائے دل	پیدل
پایک و پردار	مقدم اور دلیکھ

الفاظ	معنے
پٹا	گدکا
پٹن	شہر
پدک	پانو
پرس	پارس (پتھر)
پرکھار	بزرگ
پرگٹ	ظاہر
پرنہار	جان لیوا
پستک	کتاب
پکا	پکا کر
پلپل	لحظہ بہ لحظہ
پنالے	پرنالے

الفاظ	معنے
پنت	رستہ
پوتاں	پوت
پولاد	فولاد
پون	ہوا
پھاٹ	پھٹ کر
پھنس	بڑھل
پھوٹ پھاٹ	بتر بتر
پین	پہن کر، (پینا۔ پہننا)
پیٹ رکھنا	پشتی بانی کرنا، حمایت کرنا

ت

الفاظ	معنے
تاریخ لکھتیاں	تاریخ لکھنے والے
تاؤ	نشان، ادا
تریاں	مچھلیاں، (مجازاً آنسو)
تکٹ	چادر، فرش
تلگ	تلک
ترڑاں	مزبیں
تولاں	ٹڈی
تونجھ	توہی
تھاٹ	ٹھاٹ

الفاظ	معنے
تھر	تہہ
تھر کانپنا	تھر تھر کانپنا، بے حد ڈرنا، حواس باختہ ہونا۔
تھوپ رکھنا	تھوپنا، لیپنا
تھوے	طبق، تہیں
تھے	تے = سے
تھیر	مستقل

ٹ

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
ٹاک	ٹھیرنا	ٹھکان	انداز
ٹوپن	ٹوپ	ٹیٹوری	ٹیٹری

ج

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
جان کرنا	جانے کا ارادہ کرنا	جنی	ماں، سکھی
جاگیاں	جگہ	جول	میل جول
جروانا	ضبط کرنا، روکنا	جھانپ	چھپ کر
جس	قوت، فتح	جھانپ رکھنا	بچالینا
جلبل	جل بل کے	جھجر	پارہ پارہ
جلک	جب تک	جیب	زبان
جم	ہمیشہ		

چ

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
چنپل	تیز	چک	آنکھ
چرن	پیر، قدم	چکائیاں	بزدل
چڑ	بڑھ کر	چکہ چار	آنکھیں چار کرنا
چڑت	چڑھتا ہوا	چکل	بھینچ کر
چک	ذرا	چل	ہلچل، چال

الفاظ	معنے
چمٹی	چیونٹی
چنبلی	چنبیلی
چوپ	چپ، (یعنی یونہی)
چوڑھل	عماری
چوڑ	تباہ، ویران
چوندھیر	چاروں طرف

ح

الفاظ	معنے
حال میں	کیفیت طاری ہونا
آنا، ہونا	
حالی	فی الحال
حجابت	خدمت وزارت
حد	قدرت

خ

الفاظ	معنے
خاصہ	اپنا، اپنی، ذاتی
خرخرانا	خراٹے لینا
خنسہ	غنچہ
خنگ	گھوڑا
خویشانچہ	خویش واقارب ہی

د

الفاظ	معنے
داٹ	بندرستہ
درون، درونا	دل، جی، اندرون
درودڑا سٹیا	دھاوا کیا
دسنا	دکھنا، نظر آنا
دمار	بھیجا
دنبال	پیچھے
دندی	دشمن
دوا	چراغ، دیا
دوگن	دگنا، دوچند
دولت تے	بدولت، وجہ سے
دھات	طرح، مثل، قسم
دھاک	اندیشہ
دھامنیاں	دھامنی (سانپ کی ایک قسم)
دھرتری	زمین
دھرنہار	رکھنے والا

الفاظ	معنے
دھک	حرارت، سوزش
دھم پہ دھم	دھوم دھام
دھنک	کمان
دھوپ کالا	گرمی کا موسم
دھور	بہادر (سپہ سالار
دھوراں	بہادر(بمعنی جمع)
دھولاراں	دھول، گرد و غبار
دھیں	دہی
دیپ	چراغ
دیری	دیروالے
دیکھوڑی	مکوڑے
دیلایاں	دلایا، ڈلایا
دیو تل	بڑا تل

ڈ

الفاظ	معنے
ڈریں	ڈریں گے
ڈملنا	ڈھلملانا
ڈونگر	پہاڑ، چٹان
ڈونگراں	چٹانیں
ڈھلانا	ڈھلکانا
ڈھوا	دھاوا، حملہ، ہلہ

ر

الفاظ	معنے
راواں	لوتا
راوت	بہادر
راوت (ع)	جھنڈا
رتن	موتی
رج	تیز
رچ	(رچنا سے) یعنی ساری ہونا
رست	قطار
رکھ	درخت
رگت	خون

الفاظ	معنے
رنڈ	بے بہر
روپیری	روپہلی
روت	رُت، بہار
ریت	رسم
ریز کرنا	باڑ چلانا
رین	رات

ز

الفاظ	معنے
زبان آڑی پڑنا	گونگا ہونا
زرایں	لباس
زرحل	حل کیا ہوا زر

س

الفاظ	معنے
ساندنا	یکجا کرنا، جوڑنا، ملانا
ساؤ	ساہو
سباس	خوشبو
ستلا	سیتلا، چیچک
ستیزی	خوں خواری
سرنگ	خوبصورت
سرانا	سراہنا، تعریف کرنا
سرب	سب
سربدل	فوج
سرجنا	پیدا کرنا
سرس	زیادہ، بہتر
سرس	نفیس
سرنگ	خوش نما (سرخ)
سرور	تالاب
سس پھول	سر میں پہننے کا پھول یا زیور
سک	(سکنا سے)
سکائی	سکھائی
سکچ	سکچنا، ہچکنا، شرم کرنا
سگل	سب، سارا، کل
سلاحاں	اسلحہ

الفاظ	معنے
سمیٔ	مسمی
سن	عمر، زندگی
سندان	گھن
سنمک	سامنے
سنمکھ	سامنے
سور	سورج
سوریاپاں	چھتری
سوندل	سربدل، فوج، جنگ
سونیری	سنہری
سہج	آسان، معمولی
سہنا	دسنا، دکھنا

الفاظ	معنے
سہے	نظر آئے، دکھے دکھتے ہیں، نظر آتے ہیں
سیام	ساہ، سانولا
سیت	پُل
سیس	سر
سینتیاں	برچھیاں
سیوٹ	آخر
سیوٹ	تمام
سیونا	سیوا کرنا، پوجنا
سیوکر	سیوا نامی، سیوا نام کا

ش

شدیاں	شدے، علم
شرزہ	شیر بچہ
شکر پھوٹانیاں	شکر میں لپٹے ہوئے چنے

ع

عرابا	عرابہ

غ

غرش	غرانا

ف

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
فرغل	لبادہ	فلونیاں	حبوب، گولیاں
فرنک	تلوار		

ق

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
قطع	قطعہ، خطّہ		

ک

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
کا	کیا	کرہ نایاں	قرنا
کاری	کالی	کڑاڑا	کنارا
کاڑنا	نکالنا	کڑاکا	کنارا
کال لینا	برا حال کرنا	کسالا، کسالی	بدمزہ
کالوا	نالہ	کسنبا	سرخ رنگ
کالوے	نالے	کسوت	لباس
کانسیاں	کاسے، پیالے	کلافر	نیلوفر
کبل	بہت مشکل	کلاکرنا	چیخنا، چلانا
کبیشر	بڑا شاعر	کلنگڑے	تربوز
کچکول	کشکول	کنتھا	کنٹھا
کد	کبھی	کندرانا	گریز کرنا، پہلو تہی کرنا
کدھیں	کبھی		

الفاظ	معنے
کوا	کنواں
کوبل	کبل، بہت مشکل
کوپیاں	پیالیاں (چینی کیاں = چینی کی)
کوتا	کُتّے (جمع کوتے)
کوکیاں	کوکے
کولاٹے	گرہ باز (ایک قسم کا پرند)
کوندن	کندن
کونڈبار	انقباض، گرفتگی، رنج
کھتر	خطر

الفاظ	معنے
کھدیڑنا	تعاقب کرنا، رگیدنا
کھڑگ	تلوار
کھلال، کھلالے	سیلاب
کھن	کان، معدن
کھن	دولت، خزانہ
کھم	آسمان
کن	کوئی
کیتی	کتنے، کتنی
کیچھ	کیچڑ
کیر	لکیر
کیس	بال

گ

گاجنا	باجوں کا بجنا
گپت	پوشیدہ
گت	حالت
گج	ہاتھی
گدگلی	گدگدی
گرڑپنکھیاں	گِدھ
گگن	آسمان

گلہار	گلے کا (کے) ہار
گھالنا	ڈالنا
گھٹ	بہ شدت
گھٹ	جسم
گھٹ	مضبوط
گھنوری	غارت گر، لٹیرا

ل

الفاظ	معنے
لاک	لاکھ
لبد	لب، ہونٹ
لت کھانا	شکست کھانا، ہزیمت اٹھانا
لخ	لقا (کبوتر)
لراں	لہریں

الفاظ	معنے
لکلکانا	جگمگانا
لگ	تک
لوچن	آنکھ
لوک	لوگ، لشکر
لہوے	لوے

م

الفاظ	معنے
ماپھل	جائفل
مادیاناں	گھوڑیاں
ماحی	مٹانے والا
ماس	گوشت
متا / متے	مست (جمع متے)
مجمر	عود دان
مجھار	بیچ
مسجدی	مسجد والے
مسکٹانا	مسکرانا
مسکٹیں	مسکرائیں

الفاظ	معنے
مسطول	طول طویل؛ نیز ایک کتاب کا نام
مکمکانا	مہکنا، مہک اٹھنا
ملکہ	ملکہ
مندھیر	مندر، محل
منڈاسا	دستار، پگڑی
موپ	سرمایہ
موتاری	عصا
موٹ	پلندہ، بستہ
مہبلی	بڑا بہادر، بڑا شخص
مہکار	مہک، خوشبو

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
مہراٹے	مرہٹے	میراٹے	مرہٹے
مھراٹے		میغ	بادل
مہور	مور	میہوں	مینہہ، بارش
میت	دوست		

ن

الفاظ	معنے	الفاظ	معنے
نابات	نبات	نگوڑا	کم بخت؛ (لغوی معنی
ناسار	بے مانند، بے مثل	نگوڑے	اپاہج۔ جس کے گھٹنے
نااندنا	شروع کرنا	نگوڑیاں	ٹوٹے ہوئے ہوں)
نبات	مصری	نورے	چونے کی بھٹی
نبڑپن	لڑکپن	(واحد نورا)	
نپانا	پورا کرنا	نوسری	ایک زیور
نت	ہمیشہ	نول	عجیب، نادر
نجھا	غور کرکے	نھاٹیاں	مفرورین، بھاگنے والے
نچھل	خالص، اصلی	نھاسنا	بھاگنا
نچل	خوش نما	نہالان	درخت (جمع
نرپتی	آقا	نہالی	چھوٹی توشک (نہالچہ)
نرمل	پاک صاف، خالص	نھنوادگی	بچپن
نس	رات	نھنوں	ناخن
نسپتی	رات کا مالک	نمن	مانند، مثل
نسنگ	بہت	نوے	جھکے
نکھ	ناخن	نیٹ	صاف، سیدھا

الفاظ	معنے
نید	نیند
نیکالیا	نکالیا، (نکالا)
نیلاب	دریا
نیمہ	نیم، آدھی، نصف
نیمہ نیم	چور چور

و

الفاظ	معنے
وانر	بندر
وتیاں	اتنی (جمع
وجل	دیر
وجوداں	اجسام
ور	افضل
وفائی کرنا	وفا کرنا

ہ

الفاظ	معنے
ہت	دوست، یار
ہتاں	جمع ہت کی بمعنی بل، سوراخ
ہتو	دل
ہٹکنا	جھجکنا
ہدڑنا	ہلنا
ہرکیوں	کسی نہ کسی طرح
ہزار	بلبل
ہست	ہاتھی
ہکاٹاں	نعرے، پکار
ہنڈنا	گرنا
ہنونت	ہنومان
ہور	اور
ہوڑ	شرط، فریب
ہیا	دل

ی

الفاظ	معنے
یک پنا	وحدت
یک رنجگہ	یکبارگی، ایکاکرکے
یک مٹھ	ایک ساتھ
یکہادا	ایک آدھ
یل	بہادر